بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

بہادر بلوچوں کی سیادت، سیاست، ہیبت اور جرأت

غیرت و حمیّت، سخاوت اور شجاعت کی نہیں ملتی مثال

بلوچ قوم

اور اُس کی

معرکہ آرائیاں

از

نذیر الحق دشتی النقشبندی

مہتمم مدرسہ عربیہ احسن العلوم (رجسٹرڈ) نذیر آباد کچا رازی تحصیل روجھان ضلع راجن پور

قریبی ڈاک خانہ

بھونگ تحصیل صادق آباد ضلع رحیم یار خان (پاکستان)

نام کتاب: بلوچ قوم اور اس کی معرکہ آرائیاں

مصنف: نذیر الحق دشتی النقشبندی

طابع: الحاج سردار بشیر احمد خان مزاری

ناشر: مزاری اسٹیٹ روجھان

کتابت: محمد سلیم صابری کھوکھر۔ محمد شفیق پتانی بلوچ

صمد کمپیوٹر کمپوزنگ لیب رحیم یار خان

طباعت: افشاں احسان پرنٹنگ پریس رحیم یار خان فون ۷۷۶۴۴

منتظم طباعت: غلام یاسین فخری دھریجہ

سن طباعت: ۱۹۹۷ء

صفحات: ۲۶۱

تعداد: ۵۰۰

کتاب حاصل کرنے کیلئے ان حضرات سے رابطہ قائم کیجئے

۱۔ الحاج سردار بشیر احمد خان مزاری گلبرگ کالونی کوٹھی نمبر ۶۸ سی ٹو نزد لبرٹی مارکیٹ لاہور

۲۔ مولانا ظہیر احمد صاحب نقشبندی مدرسہ عربیہ احسن العلوم رجسٹرڈ نذیر آباد کچا رازی براستہ بھونگ تحصیل صادق آباد ضلع رحیم یار خان

۳۔ حضرت مولانا سیف الرحمان صاحب درخواستی دارالعلوم محمدیہ روجھان

۴۔ غلام حسین خان راہی ۔ سگبول بک ڈپو بھونگ تحصیل صادق آباد ضلع رحیم یار خان

انتساب

اپنے مشفق و مہربان والد بزرگوار مرحوم و مغفور کے نام جنہوں نے نہایت پسماندہ دیہاتی ماحول اور ناخواندہ بلوچی معاشرے میں اپنی کوشش و محنت سے مجھ ایسے بیکار انسان کو اس قابل بنادیا کہ آج میں اپنے ٹوٹے پھوٹے قلم کے ساتھ آپ کے روبرو حاضر ہوں۔

خدا ان کی لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزہ نورستہ ان کی قبر کی نگہبانی کرے

نذیر الحق دشتی النقشبندی

فہرست مضامین

پیش لفظ

مدتہائے مدیدہ سے میرے دل میں یہ شوق مچل رہا تھا کہ بلوچی تاریخ پر ایک ایسی کتاب مرتب کروں جو پڑھنے اور سمجھنے میں بھی آسان ہو اور تاریخی اعتبار سے بھی بہادر بلوچوں کیلئے ایک سند کی حیثیت رکھتی ہو اور ہر لحاظ سے ان کیلئے طمانیت کا باعث بنے اگرچہ مؤرخین نے بلوچ قوم پر بے شمار کتابیں تصنیف کیں اور میری یہ کتاب ان کے مقابلہ میں کچھ حیثیت نہیں رکھتی مگر اس بہادر قوم کی ابتدائی تاریخ ہر مؤرخ نے اپنے اپنے نظریہ کے مطابق لکھ کر ان کو سوائے پریشانی کے کچھ نہیں دیا۔ بہادر بلوچوں کی تاریخ پر قلم اٹھانے والے سوائے چند ایک کے ہر مؤرخ نے خواہ وہ مسلمان تھا یا غیر مسلم اس نے ان کی ابتدائی تاریخ کو تحقیق کے بہانے اپنے نظریہ کی بھینٹ چڑھا کر کہیں کا نہ چھوڑا اور بلوچ قوم کو ایک ایسے چوراہے پر لا کھڑا کردیا جہاں سے وہ اپنے لئے اپنی اصلی راہ متعین نہیں کرسکتی۔ مزید اینکہ انہوں نے اپنی علمیت کا سکہ بٹھانے کی غرض سے مشکل ترین عبارتیں اور بے سود تاریخی مباحث لکھ کر ان کتابوں کو عام آدمی کے سمجھنے کے قابل نہیں بنایا۔

میں نے تجربہ کیا ہے کہ بلوچ لوگ ایسی کتابوں سے نہ تو کسی قسم کی دلچسپی رکھتے ہیں اور نہ تاریخی لحاظ سے انہیں اپنے لئے بطور سند پیش کرتے ہیں۔ کیونکہ ایسی کتابیں ہر اعتبار سے ان کے معیار کے مطابق نہیں ہیں۔ ان چیزوں کو مدنظر رکھ کر میں نے اس کتاب میں بہادر بلوچوں کی صحیح اور سچی حقیقتوں پر مبنی ابتدائی تاریخ ان کی سیاسی جولانیوں، جنگی صلاحیتوں اور بہادرانہ کارناموں کو نہایت سادہ انداز میں پیش کیا اور حتی المقدور اس کی عبارتوں کو عام فہم بنانے کی کوشش کی تاکہ ہر شخص اسے آسانی سے پڑھ اور سمجھ سکے اور ہر بلوچ اسے اپنے لئے تاریخی ثبوت کے طور پر پیش کرسکے۔

میں نے اس کتاب کا نام "بلوچ قوم اور اس کی معرکہ آرائیاں" رکھا اور اس کے ساتھ تاریخ قبیلہ مذاری کو بھی شامل کردیا۔ اور اس کے اخیر میں چند عبرت انگیز جنگی واقعات اور کچھ عجیب و غریب معلومات کا بھی اضافہ کردیا۔

پھر میں نے اس کا مسودہ الحاج سردار بشیر احمد خان مذاری (آف روجھان) کی خدمت میں پیش کیا تو انہوں نے پسند فرماتے ہوئے اس کی طباعت کا ذمہ اٹھالیا۔

میں وثوق کے ساتھ کہتا ہوں کہ انشاء اللہ اگر قاری اس کتاب کو ابتداء سے شروع کرے تو اس کے ختم ہونے تک اسے کسی قسم کی اکتاہٹ محسوس نہ ہوگی بلکہ بار بار پڑھنے کو اس کا جی چاہے گا۔ اور امید ہے کہ ایک بار غور و توجہ کے ساتھ پڑھنے کے بعد اس کے تمام مضامین بھی اسے ازبر ہو جائیں گے۔

امید رکھتا ہوں کہ تاریخ کے شائقین میری اس چھوٹی سی کتاب کو مقبولیت کا درجہ دے کر میری ہمت افزائی فرماویں گے۔

نہ پوچھو کہ تم سے کیا چاہتا ہوں
میں تم سے تمہاری رضا چاہتا ہوں

نذیر الحق دشتی النقشبندی

یہ بلوچی قوم ہے

از مصنف

یہ بلوچی قوم ہے ہر حال میں دلدار باکردار ہے
صاحب سخا باحیا با وفا باحمیت اشجع و جرار ہے
دوستوں کے واسطے یہ شہد ہے یہ قند ہے یہ شیر ہے
دشمنوں کے واسطے یہ ذوالفقار حیدر کرار ہے
غیرت حمیت اور شجاعت میں نہیں اس کی مثال
اس کی ہر للکار بیشک شیر کی للکار ہے
جود و سخاوت ہے یقیناً" اس کی روحانی غذا
داد و دہشت سے بلاشک قوم کی سردار ہے
بربت بسائے ریگزاروں . کو بنایا ہے چمن
اس کے دم سے ارض پاکستان اک گلزار ہے
ہر میدان میں نظر آتی ہے مجھے یہ سر بلند
ہر عمل اس قوم کا اک بے مثل شہکار ہے
بلا شک ہے فخر مجھ کو نذیر اس قوم پر
یہ ہمیشہ سے صداقت اور شجاعت اور سخاوت کی علمبردار ہے



بلوچ قوم کا تاریخی پس منظر

بسم اللہ الرحمن الرحیم ○

تیرے نام سے ابتداء کررہا ہوں
میری انتہائے نگارش یہی ہے

سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے اپنے پیارے فرزند سیدنا حضرت اسماعیل علیہ السلام اور ان کی والدہ محترمہ حضرت بی بی ہاجرہ علیہما السلام جو مصر کے بادشاہ رقیون طوطیس بن مالیا کی شہزادی تھی کو لاکر اس جگہ آباد کیا جہاں آج کل مکہ مکرمہ واقع ہے۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بارہ فرزند تھے۔ نبایوت' قیدار' اوبائیل' بلسام' مشماع' دومہ' مسا' حدد' تیما' یطور' نفیس اور قدامہ اپنے والد بزرگوار کے بعد یہی سب کے سب بڑے طاقتور اور اچھے حکمران بنے۔ انہوں نے سرزمین عرب کو آپس میں تقسیم کرلیا اور بہت جلد اس قدر پھیل گئے کہ شمال میں ملک شام تک جہاں ان کے بھائی بنو اسحاق آباد تھے ان سے جا ملے۔ جنوب میں یمن اور مغرب میں مصری سرحدات تک ان کا طوطی بولنے لگا۔ دفعتہ" بنی عمالقہ گھٹا کی طرح اٹھے اور بنو اسماعیل سے زبردستی ارض مقدس چھین کر خود مالک و مختار بن بیٹھے۔ بنو اسماعیل نے ہرچند مقابلہ کیا مگر بنو عمالقہ فتح مند رہے اور بنو اسماعیل ہار گئے۔ بالاخر بنو اسماعیل میں سے چند خاندانوں نے شام کا رخ کیا اور ملک شام میں حلب کے قریب ایک لمبی چوڑی وادی میں رہ پڑے جو "وادی البلوص" کے نام سے مشہور تھی۔ اس کی نسبت سے لوگوں نے ان کو بلوصی کہنا شروع کردیا۔ فارس کی مملکت قریب پڑتی تھی تو فارس

کے لوگوں نے بلوصی کی "ص" کو "چ" سے بدل دیا اور یہ قوم جو خالص عرب اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد تھی بلوصی سے بلوچی اور پھر بلوچ بن گئی۔

بلوچوں کے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد ہونے کے بیشمار حوالے کتب تواریخ سے دیئے جاسکتے ہیں مگر یہاں گنجائش نہیں۔

بلوچوں نے وادی ابلوص کو آباد کرکے جنت نظارہ بنادیا۔ پھر یہ لوگ بے حد طاقتور ہوکر کافی اقتدار کے مالک بن چکے تھے ان کی آبادیاں یہاں سے دور دور تک پھیل گئیں۔ اب ان کا اپنا لشکر اور اپنا جھنڈا تھا۔ بڑے بڑے بادشاہ بوجہ ان کی بہادری کے بوقت ضرورت ان سے مدد لیتے تھے۔ جب افراسیاب نے کیخسرو کی بیٹے سیاؤش کو قتل کرادیا تھا تو اس نے بلوچ بہادروں سے فوجی امداد لی۔ بہادر بلوچوں نے شہنشاہ کیخسرو کے جرنیل سائمباس کے زیر کمان افراسیاب سے جنگیں کیں۔ آخر کار انہوں نے شہنشاہ افراسیاب کو قتل کرکے اس پر مکمل فتح حاصل کرلی۔ چنانچہ ابو القاسم فردوسی بلوچوں کی بہادری کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

سپاہی زگردان کوچ و بلوچ
سگالندۂ جنگ مانند غوچ
کہ کس درجہاں پشت ایشاں ندید
برہنہ یک انگشت ایشاں ندید
در نقے آوردہ پیکر پلنگ
ہمے از درفش بیازید جنگ

یعنی یہ لوگ اتنے بہادر تھے کہ جہاں کہیں بھی لڑتے جنگ سے منہ ہرگز نہ موڑتے تھے اور لڑائی کے دوران کوئی ان کی پیٹھ نہیں دیکھتا تھا۔ انہوں نے زرہ اور خود وغیرہ سے اپنے آپ کو اس طرح مسلح کر رکھا تھا کہ ان کی انگلی تک کسی کو نظر نہ

آتی تھی۔ ان کا اپنا جھنڈا تھا۔ جس پر چیتے کی تصویر تھی۔

اللہ تعالٰی کے پیارے رسول حضرت محمد کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دنیا میں تشریف آوری سے دین اسلام کی نورانی شعاعوں سے سارا عرب جگمگا اٹھا اور اس کی نورانی کرنیں وادی البلوص کی طرف بھی لپکیں تو تمام وادی منور ہوگئی۔ بلوچ اگرچہ عرب تھے مگر صدیوں سے شام میں آباد ہونے کے باعث وہاں کا تمدن قبول کرچکے تھے۔

صحابی رسول امین امت حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ نے امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حکم سے وادی البلوص کی طرف قدم بڑھایا اس وقت بلوچوں کا سردار "املش" رومی تھا۔ رومی کا خطاب انہیں ایرانیوں نے دیا تھا۔ اسلام کے محاسن دیکھ کر سردار املش مع اپنے تمام بلوچ قبائل کے مسلمان ہوگیا۔ حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ نے عربی النسل ہونے کی وجہ سے مکمل طور پر وادی البلوص ان کے حوالے کردیا اوراس مقام کو چھاؤنی کا درجہ دے کر فوج کاایک دستہ متعین کردیا۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ

یہ جو بلوچوں کا خود اپنا دعویٰ ہے کہ وہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیارے چچا حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کی اولاد ہیں۔ یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ دنیا کے تمام مورخین کا فیصلہ ہے کہ حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کے تمام صاحبزادے جہاد فی سبیل اللہ میں لڑتے ہوئے عین عالم شباب میں شہید ہوگئے تھے ان کی نہ اولاد رہی اور نہ ان سے ان کی نسل چلی پری سے شادی کرنے اور اس سے اولاد ہونے کا افسانہ بھی سراسر غلط ہے۔ اس بارے میں معتبر تاریخی حقائق کو رد کرکے جاہلانہ

ڈھکوسلوں اور بعض بلوچ مورخین کی خواہ مخواہ کی غلط تاویلات پر اعتبار نہیں کیا جاسکتا۔ اس کے علاوہ اس وقت دنیا میں بلوچوں کی ایک بہت بڑی آبادی پائی جاتی ہے۔ ذرا سوچئے تو سہی کہ کیا حضرت امیر حمزہؓ مورد ملخ تھے کہ اتنی سی تھوڑی مدت میں ان کی اولاد پھیل کر کروڑوں کی تعداد میں ہو گئی۔

اس بارے میں علامہ نور احمد خان فریدی رند لکھتے ہیں کہ بلوچوں کا خود کو حضرت امیر حمزہؓ کی اولاد کہلانے کے چند وجوہات ہوسکتے ہیں۔ ایک یہ کہ بلوچوں کا ایک قافلہ حمص وادی البلوص سے ہجرت کرکے جبال قفص میں آکر ٹھہرا۔ وہ حمصوی کہلاتا تھا۔ امتداد زمانہ یا تغیرات لفظی کی وجہ سے حمزوی بن گیا۔ پھر یار لوگوں نے حمزوی سے حمزہی بنالیا اور پھر لفظ حمزہی سے انہوں نے حضرت امیر حمزہؓ سے اپنا نسبی تعلق جوڑ لیا اور جھٹ پٹ سے قریشی ہاشمی بن بیٹھے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ سیستان (بلوچستان) میں ایک شخص میر حمزہ خارجی گذرا ہے۔ جس نے بلوچوں کو اپنے جھنڈے تلے جمع کرکے سیستان سے لے کر مکران کے ساحلی علاقوں تک قبضہ کرکے اپنی ایک الگ ریاست قائم کرلی تھی۔ اس کی سیاسی پارٹی میں ہونے کی وجہ سے بلوچوں کو حمزہی کہا جاتا تھا۔ بعد میں آنے والی نسلیں اس غلط فہمی میں مبتلا ہوگئیں اور انہوں نے یہ خیال کیا کہ شاید وہ حضرت امیر حمزہؓ کی اولاد ہیں۔

پایا اک ہنگامہ ہم بھی ہوگئے اس میں شریک
ابتداء کا علم کیسا انتہاء کی کیا خبر

تیسری وجہ یہ ہے کہ میر چاکر کے ایک پوتے میر حمزہ نامی ہو گذرے ہیں۔ ان کی اولاد حمزہی کہلاتی ہے۔ کچھ عرصہ بعد لوگوں نے کم علمی کی بناء پر اسی میر حمزہ کو حضرت امیر حمزہؓ سمجھ لیا اور شاعروں نے اسے حقیقت جان کر نقل کیا۔ یہ جو بلوچی

دفتری (تاریخی) نظم میں ہے کہ۔

حمز ہی اولاد بلوچیں سوبھ در گاہا گریں

یعنی بلوچ حضرت امیر حمزہؓ کی اولاد سے ہیں اور انہیں درگاہ الٰہی سے فتح و نصرت حاصل ہے۔ یہ انہیں غلط فہمیوں کا نتیجہ ہے جن کا ذکر کیا گیا ہے۔

علامہ نور احمد خان فریدی رند بلوچی دفتری (تاریخی) نظم پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہ نظم میر چاکر کے پوتے میر حمزہ سے کافی عرصہ بعد موزون کی گئی ہے اور اس کا موزون کرنے والا ڈیرہ غازی خان کے علاقہ کا معلوم ہوتا ہے اس کا طرز گفتار بھی ڈیرہ غازی خان کی علاقائی بلوچی کا سا ہے اور پھر امتداد زمانہ کے باعث اس کے اشعار مسخ ہو چکے ہیں۔ مزید اینکہ اس میں یار لوگوں نے بھی بے حد گڑ بڑ کی ہے۔

بلوچ بہادروں کی یزیدی افواج سے جنگیں اور حلب سے ہجرت

بلوچ قبائل وادی البلوص (حلب) اور اس کے مضافات میں سکھ چین کی زندگی بسر کر رہے تھے کہ یزید ایسا ظالم اور بدکردار برسراقتدار آیا تو بلوچ قبائل اس کے سخت خلاف ہوگئے۔ ۶۱ھ میں جب یزید کے گورنر ابن زیاد نے نواسہ رسول حضرت امام حسین علیہ السلام اور آپ کے جگر گوشوں اور فدائیوں کو نہایت بے دردی سے ریگزارے کربلا میں شہید کرڈالا تو اس عظیم سانحہ سے عالم اسلام میں رنج و غم کی لہر دوڑ گئی۔ بلوچ قبائل بھی خاندان نبوت کی اس بے کسانہ اور مظلومانہ شہادت سے بے حد متاثر ہوئے اور انہوں نے اموی حکومت کا جوا اتار پھینکا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پاکدامن پھوپھی حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے بیٹے حواری رسول حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے فرزند حضرت اسماء بنت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہما کے لخت جگر اور ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے بھانجے

حضرت عبداللہؓ سے اپنا تعلق جوڑ لیا اور ان سے مل کر یزیدی افواج سے جنگیں شروع کردیں جب حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ یزیدی افواج سے شکست کھا کر شہید ہوگئے تو بلوچ واپس اپنے ٹھکانوں پر چلے گئے۔ یزید کے مرنے کے بعد مروان بن حکم تخت نشین ہوا تو اس نے حلب کی گورنری پر ابن زیاد کو تعینات کیا وہی ابن زیاد جس نے ریگزار کربلا میں آل رسولؐ کو تڑپایا تھا۔ مروان کے اس اقدام سے وادی بلوص کے بلوچ قبائل سخت ناراض ہوگئے اور جنگ وجدال پر اتر آئے۔ ابن زیاد کی سیاسی قوت خاصی وزنی تھی۔ حسین بن نمیر اور شام کے دیگر درندہ صفت اس کے ہمراہ تھے۔ جو ظلم و سفاکی میں اپنی مثال نہیں رکھتے تھے بلوچوں اور ابن زیاد کے درمیان جھڑپیں شروع ہوگئیں۔ کبھی بلوچوں کا پلہ بھاری رہتا اور کبھی ابن زیادہ کی فوجوں کا۔ اسی طرح ابن زیاد کی یزیدی فوجوں سے بلوچوں کی سات جنگیں ہوئیں۔ آخر کار جب ابن زیاد کا پلہ بھاری ہونے لگا تو بلوچوں نے وادی بلوص (حلب) سے سکونت ترک کرنے کا فیصلہ کیا۔ چنانچہ تاریخی نظم میں بلوچی قومی شاعر کہتا ہے کہ۔

از حلبا پھاز کھایوں گوں یزیدا جھیڑویں

یعنی ہم حلب سے اس لئے اٹھے کہ ہماری جنگیں یزید سے ہوئیں۔ یہاں پر یہ بھی سمجھاتا چلوں کہ بلوچی تاریخی نظم کے اس مصرعہ سے یزید کا جانشین مراد ہے نہ کہ خود یزید ویسے بلوچ لوگ بدترین اور ظالم ترین دشمن کو بھی یزید کہتے ہیں۔

جب وادی البلوص (حلب) سے بلوچ قبائل اپنے قومی سردار اطمش رومی کی سربراہی میں چلے تو وہاں سے سیدھا کربلا معلی آئے حضرت امام حسین علیہ السلام اور شہداء کربلا کی قبروں پر حاضری دی اور ان پر فاتحہ پڑھی اور اس کے بعد کرمان کی طرف چل کھڑے ہوئے۔

یہاں پر یہ بھی عرض کرتا چلوں کہ یزیدی فوجوں سے جنگ لڑنے اور حضرت امام

حسین علیہ السلام کی طرف داری کرنے کے بارے میں تاریخی حقائق سے ناواقفیت کی بناء پر بعض لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ شاید بلوچ لوگ ابتداء سے شیعی المذہب تھے۔ یہ بات تاریخی اعتبار سے صحیح نہیں ہے کیونکہ اس زمانہ میں شیعہ مذہب کا کوئی وجود ہی نہ تھا۔ وہ صرف ایک سیاسی حیثیت رکھتے تھے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی سیاسی پارٹی ہونے کی وجہ سے شیعان علی اور شیعان اہل بیت کہلاتے تھے اور ان کی مد مقابل بنو امیہ کی سیاسی پارٹی شیعان بنی امیہ کہلاتی تھی۔

معروف انگریز مؤرخ مسٹر ہنری پوٹنگر اپنی مشہور کتاب

TRAVELSIN BALUCHISTA AND SIND

یعنی سفرنامہ بلوچستان و سندھ ص ۷۶ پر لکھتا ہے کہ بلوچ ابتداء ہی سے سنی المذہب چلے آرہے ہیں اور شیعہ سے سخت نفرت کرتے ہیں۔ بلوچستان میں شیعہ بن کر رہنا عیسائی بن کر رہنے سے بھی زیادہ خطرناک ہے۔

اس کے علاوہ یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ بلوچوں کے ناموں میں ابوبکر' عمر' عثمان نام کثرت سے ملتے ہیں۔ بلوچ لوگ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو بکھر بولتے ہیں اور یہی نام بلوچوں میں ہر جگہ پایا جاتا ہے۔ اس سے بھی ان کے مذہب کی صاف وضاحت ہوجاتی ہے۔

بلوچ کرمان میں

بلوچ قبائل وادی بلوص (حلب) سے ہجرت کرکے کرمان کی وادی میں پہنچے تو یہ ملک ان کیلئے اجنبی تھا۔ اب ان کا وطن بن گیا۔ انہوں نے اپنی بگڑی حالت سدھاری اور اس کی بے آب و گیاہ وادیوں کو سخت محنت و مشقت کے بعد قابل کاشت بنالیا اور یہاں دو صدی کے عرصہ میں پہلے ہی کی طرح جنگی طاقت بن گئے بلوچوں کا جو

قافلہ حلب (وادی بلوص) سے روانہ ہو کر کرمان میں پناہ گزین ہوا تھا اس نے تقریباً پانچ صدیوں کا عرصہ یہاں گزارا۔ یہاں بھی ان پر ہزاروں انقلاب آئے اور سامراجی طاقتوں نے انہیں آرام سے زندگی بسر کرنے نہیں دی۔

اس وادی میں جس حکومت نے بلوچوں کو پریشان کیا اور ان کو صفحہ ہستی سے مٹانے کی انتہائی کوششیں کیں وہ حکومت دولت بویہ و دیلمی کی تھی۔

حکومت بویہ و دیلمی

اس کا قصہ یوں ہے کہ ابوشجاع بویہ نامی ایک غریب ماہی گیر مہانا دیلم میں رہتا تھا۔ وہ مچھلیاں پکڑ کر اپنے بال بچوں کا پیٹ پالتا تھا۔ وہ اتنا مفلس تھا کہ اس نے غریبی کے سبب اپنے تینوں لڑکوں علی ' احمد اور حسن کو اپنے سے جدا کر کے سلطان مرداویح کی فوج میں بھرتی کرادیا۔ خداتعالیٰ کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ اقبال نے یاوری کی یہ تینوں سپاہی سے ترقی کر کے بادشاہت کے مرتبے پر جا پہنچے۔ ان کی بدذاتی ان پر غالب آئی تو انہوں نے عنان حکومت سنبھالتے ہی خلق خدا کو ستانا شروع کردیا۔

مرداویح طبرستان ہمدان اور اصفہان کا حکمران تھا۔ ابوشجاع بویہ کے بڑے بیٹے کو اس نے کرخ کی حکومت عطا کی۔ تو علی اپنے بھائیوں کو بھی ہمراہ لے گیا اس نے کرخ پہنچ کر تھوڑے ہی دنوں میں ایسا قبضہ جمالیا کہ سلطان مرداویح کو اس کا ہٹانا مشکل ہوگیا علی بن بویہ نے لشکر جمع کر کے سلطان مرداویح کے گردو پیش کے قلعوں کو بھی فتح کرلیا۔ کچھ عرصہ بعد اس نے اصفہان پر بھی قبضہ کرلیا۔ اس کے بعد اس نے اپنے بھائی حسن بن بویہ کی امداد سے سلطان مرداویح کے گورنر کو شکست دے کر پورے فارس پر قبضہ کر کے دولت بویہ و دیلمی کی بنیاد ڈالی۔

۳۲۳ھ میں علی بن بویہ نے خلیفہ راضی باللہ سے فارس کی سند حکومت حاصل

کرلی۔ سلطان مرداویج مرچکا تھا اور اس کا بھائی ہشم گیر مقابلہ کی تاب نہ لا کر آذر بائیجان کی طرف چلا گیا۔ بویہ برادر ان کیلئے اب میدان صاف تھا۔ چنانچہ حسن بن بویہ اصفہان پر احمد بن بویہ اہواز پر اور علی بن بویہ فارس پر حکومت کرنے لگے۔ اسی طرح فارس اصفہان اور اہواز پر بیک وقت بنی بویہ کی حکومتیں قائم ہوگئیں۔

۳۲۳ ھج میں احمد بن بویہ نے واسط پر قبضہ کرلیا ان دنوں بغداد کا خلیفہ برائے نام رہ گیا تھا تمام صوبیدار خود مختار بن چکے تھے۔ اس نے جب دار الخلافت کا نقشہ بگڑا ہوا دیکھا تو لپک کر بغداد پر بھی قبضہ کرلیا۔ خلیفہ مستکفی باللہ کی آنکھیں نکال کر اسے قید کردیا اور اس کی جگہ مطیع باللہ کو تخت خلافت پر بٹھا دیا۔ احمد بن بویہ ایک سو دینار روزانہ اسے تنخواہ دیتا تھا اور امور سلطنت میں اسے دخل دینے کی اجازت نہ تھی۔

۳۵۵ ھج میں احمد بن بویہ نے عمان پر لشکر کشی کرکے قرامطہ کو شکست دی اور ہزاروں قرامط قتل کئے اور اُن کی اناسی کشتیاں جو سمندر میں لنگر انداز تھیں۔ سب جلا کر غرق کردی گئیں۔

اس مختصر تعارف سے بویہ حکمرانوں کی سیاسی قوت و شوکت کا بخوبی اندازہ ہوسکتا ہے کہ جب انہوں نے خلفائے بغداد کے علاوہ سلاطین موصل و خراساں کو بھی رگید رگید کر اپنا مطیع بنالیا تھا تو قبائلی سردار اور جاگیردار کس باغ کے مولی تھے۔

بہادر بلوچوں کی بویہ حکمرانوں سے جنگیں

وادی کرمان میں بلوچوں کی بودو باش اگرچہ قبائلانہ تھی مگر اپنی آزادی کو وہ ہر قیمت پر برقرار رکھے چلے آرہے تھے۔ بویہ حکمرانوں کے زمانہ میں تمام بلوچ قبائل سردار اعلیٰ امیر علی خان بن زنگی خان تھے جو عوام میں ابن کلادھی کے نام سے مشہور

تھے سردار امیر علی خان اور اس کی قوم کے لوگ اگرچہ جنگجو اور بڑے بہادر تھے مگر گردوپیش کے بادشاہوں سے بگاڑنا پسند نہیں کرتے تھے وہ جب بھی ان پر حملہ کرتے یہ انتہائی ملائمت سے پیش آتے اور معقول خراج دے کر صلح کرلیتے۔ باوجود اس کے نہ کبھی سردار امیر علی خان نے کسی بادشاہ کے دربار میں حاضری دی اور نہ اس کی قوم میں سے کوئی شخص کسی حکمران کے حضور پیش ہوا۔ انہوں نے ہر حال میں اپنی خود داری کو ملحوظ خاطر رکھا۔

علی بن بویہ نے اپنے چھوٹے بھائی احمد بن بویہ کو ایک بہت بڑا لشکر دے کر کرمان کی مہم پر روانہ کیا۔ جب احمد بن بویہ اس صوبہ کے دارالحکومت جیرخت کے قریب پہنچا تو سردار امیر علی خان نے اپنا آدمی اس سے تبادلہ خیال کرنے کیلئے بھیج دیا احمد بن بویہ نے سردار صاحب کے آدمی سے کھل کر باتیں کیں اور پھر اس نے اپنا سفیر سردار امیر علی خان کے پاس بھیجا تاکہ سردار صاحب اسے جیرفت میں داخلے کی اجازت دے سردار امیر علی خان نے نہ صرف اجازت دی بلکہ تمام سرداران قبائل کو جلومیں لے کر احمد بن بویہ کے استقبال کو آیا اور ایک لاکھ درہم بطور نذرانہ پیش کئے اور دس لاکھ درہم سالانہ بطور خراج ادا کرنے کا وعدہ کیا اس سے احمد بن بویہ خوش ہوگیا کہ بغیر خونریزی کے مقصد حل ہوگیا۔ یہ جیرفت سے رخصت ہو کر واپس آنے کو تھا کہ ان کے ایک سیکرٹری کو جو بھینگا ہونے کے سبب کوردبیر مشہور تھا۔ خبث باطنی کی وجہ یہ مصالحت پسند نہ آئی۔ اس نے احمد بن بویہ کو راز دارانہ طور پر کہا کہ حضور یہ آپ کیا کررہے ہیں۔ ایسے موقعے باربار نہیں آتے رات کو شب خون مار کر جیرفت پر قبضہ کرلیجئے اور بلوچوں کو چوہوں کی طرح مارمار کر بھگا دیجئے اس وقت جیرفت میں بلوچوں کا کوئی لشکر نہیں اور نہ وہ اتنے تھوڑے عرصہ میں لشکر جمع کرسکتے ہیں۔

احمد بن بویہ نے اس کا مشورہ قبول کرلیا اور عہد شکنی کرکے شبخوں مارا مگر یہ دیکھ کر

اس کی حیرت کی حد نہ رہی کہ بلوچ اپنی حفاظت کیلئے پوری طرح تیار ہیں۔ طرفین میں شدید جنگ ہوئی۔ احمد بن بویہ کی فوج سے صرف چند آدمی بمشکل اپنی جان بچا سکے۔ بلوچوں نے انہیں گاجر مولی کی طرح کاٹ کر رکھ دیا اور بچے کھچے فوجیوں کو گرفتار کرلیا۔

اس جنگ میں احمد بن بویہ بری طرح زخمی ہوا۔ اس کا دایاں ہاتھ کٹ گیا اور بائیں ہاتھ کی بھی چار انگلیاں کٹ گئیں۔ وہ شدید زخمی ہوکر لاشوں میں ڈھیر ہوگیا اس لئے تاریخ میں دائیں ہاتھ اور بائیں ہاتھ کی انگلیوں کے کٹ جانے کی وجہ سے احمد الاقطع کے نام سے مشہور ہوا۔

سویرے سردار امیر علی خان نے اپنی فوج کو حکم دیا کہ احمد بن بویہ کی لاش کو تلاش کریں۔ اتفاق سے نیم جان لاشوں میں احمد بن بویہ زندہ مل گیا۔ چونکہ جنگ ختم ہوچکی تھی اور دشمن اس وقت قابل رحم حالت میں سامنے پڑا تھا۔ بلوچی رگ حمیت جوش میں آئی اور اس نے مرد مؤمن کی طرح اپنے دشمن کی تیمارداری اپنے ذمہ لے لی اور دوسرے زخمیوں کی دیکھ بھال اپنے فوجیوں کے سپرد کی صحت یاب ہونے کے بعد ان سب کو حراست میں لے لیا گیا۔ احمد بن بویہ کے بڑے بھائی علی بن بویہ کو پل پل کی خبریں پہنچ رہی تھیں۔ اسے اپنے بھائی کے صحت یاب ہونے کی اطلاع ملی تو اس نے ایک وفد سفارت کے طور پر جیرفت بھیج دیا۔ جس کی قیادت قاضی شیراز ابو عباس کے سپرد تھی۔ اس وفد میں بویہ حکومت کے بہت بڑے بڑے دوسرے معتمدین بھی شامل تھے۔ سردار امیر علی خان نے وفد کی بے حد عزت کی۔ احمد بن بویہ اور اس کے ساتھیوں کو قیمتی خلعتیں اور زاد راہ کے تمام ضروری سامان دے کر وفد کے ہمراہ کردیا۔ بجائے اس کے کہ احمد بن بویہ سردار امیر علی خان کا شکر گزار ہوتا کہ اس نے قریب المرگ کی جان بچائی تھی اسے خلعت فاخرہ سے نوازا اور اس کو عزت کے

ساتھ واپس کردیا تھا۔ اپنی وعدہ خلافی اور کور چشمی سے نادم ہونے کی بجائے گھر پہنچتے ہی شیر بن گیا اور بلوچوں کو نیست و نابود کرنے کے منصوبے سوچنے لگا۔

اس کے بعد ۹۳۷ھ کو احمد بن بویہ نے مقابلے کیلئے ایک بہت بڑا لشکر جمع کیا اور بڑے کروفر سے بلوچوں کو صفحہ ہستی سے مٹانے کے ارادہ سے روانہ ہوا مگر سردار امیر علیٰ خان بھی جھلائے ہوئے دشمن کی چالوں سے غافل نہیں تھا۔ اس نے حریف کو سرحد پر روکا اور اس تیزی سے اس پر حملہ کیا کہ سنبھلنے بھی نہ دیا۔ اس کی تمام فوج کو گاجر مولی کی طرح کاٹ کر رکھ دیا۔ احمد بن بویہ ذلت آمیز شکست کھا کر اصفہان کی طرف پسپا ہوگیا۔

پھر تیسری بار احمد بن بویہ نے بڑے سازو سامان اور پوری قوت کے ساتھ بلوچوں پر حملہ کیا اس دفعہ احمد بن بویہ کا پلڑا بھاری رہا اور بلوچوں کو شکست ہوئی مگر ان کی جنگی چالوں سے وہ اس قدر خائف تھا کہ جیرفت کی طرف پیش قدمی کرنے کی بجائے اس فتح کو غنیمت جان کر خوشی کے شادیانے بجاتا ہوا واپس روانہ ہوا مگر سردار امیر علی خان نے اسے گھر تک بخیریت پہنچنے نہ دیا اس نے اپنے تیز رو پیادوں کی مدد سے جو کافی فاصلہ پر دوڑنے کی مہارت رکھتے تھے۔ احمد بن بویہ کی فوج پر شب خون مارا۔ اس رات بارش کی وجہ سے آسمان پر بادل چھائے ہوئے تھے۔ اس لئے ہر طرف گھپ اندھیرا تھا اور دوست دشمن کی تمیز نہیں ہوسکتی تھی صرف اپنی اپنی زبانوں سے وہ اپنے پرائے کو پہچان سکتے تھے۔ اس لئے بلوچوں نے احمد بن بویہ کی فوجوں کے اکثر حصہ کو تہ تیغ کرڈالا۔ فتح و نصرت حاصل کرکے مال غنیمت لوٹا اور واپس چلے آئے۔

عضدالدولہ حسن بویہ کا بیٹا تھا۔ ۳۵۹ ھ بمطابق ۹۷۰ء کو اس نے اپنے سپہ سالار قرقیر بن جستر کو بڑی بھاری فوج کے ساتھ سلیمان بن الیاس پر حملہ کرنے کیلئے بھیجا۔ سلیمان بن الیاس عرب نژاد تھا۔ اس لئے اس سے بلوچوں کو دلی عقیدت تھی۔

جب وہ کبھی بویہ کے خلاف اعلان جنگ کرتا تو بلوچ من حیث القوم اس کے لشکر کی صف اول میں نظر آتے۔ سردار ابو سعید خان بلوچ کو اطلاع ہوئی تو اپنی قوم کے جانباز بہادروں کو لیکر سلیمان کی مدد کو بڑھا جیرفت اور بم کے درمیان خونریز جنگ ہوئی۔ جس میں سلیمان بن الیاس مارا گیا اور اس کی فوجیں تتر بتر ہوگئیں۔ مگر سردار ابوسعید خان میدان میں ڈٹا رہا اور جنگ جاری رکھی اور دشمن سے آخری دم تک مقابلہ کا عہد کرلیا۔ جب عضدالدولہ کو پتہ چلا تو اس نے عابد بن علی کے زیر کمان قرقیر کی مدد کیلئے تازہ دم مزید فوج روانہ کی۔ دونوں فوجوں نے مختلف اطراف سے بلوچوں کو نرغے میں لے لیا۔ یہ خونریز جنگ ۱۰ صفر ۳۶۰ ھج بمطابق ۱۳ دسمبر ۹۷۰ء بروز بدھ جیرفت کے نواح میں لڑی گئی۔ بلوچ بڑی بہادری اور جوانمردی سے لڑے اور بے شمار دشمنوں کو تہ تیغ کیا مگر یہ مقابلہ ایک اور دس کا تھا۔ بلوچ تھوڑے اور دشمن زیادہ تھا۔ پہلے سے بھی پے در پے جنگوں نے بلوچوں کو کمزور کردیا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ تازہ دم فوج کا مقابلہ نہ کرسکے اور پروانہ وار داد شجاعت دیتے ہوئے ملک اور قوم پر قربان ہوگئے اس خونریز جنگ میں سردار ابو سعید خان کے دو بیٹوں کے علاوہ ہزاروں بلوچ مارے گئے۔ نیز اس کے بہت سے نامی گرامی سردار اور مصاحب دشمن کے ہاتھوں گرفتار ہوگئے۔

عابد بن علی کو جب اس امر کا یقین ہوگیا کہ بلوچوں کے صف شکن بہادر جنگ میں مارے جاچکے ہیں اور باقی گرفتار ہوگئے ہیں اور ان کے ملک میں سوائے لاوارث بچوں اور بیوہ عورتوں کے کوئی نہیں رہا تو بڑی رعونت سے آگے بڑھا اور بلوچوں کے گھروں کو پامال کرتا اور ان کے سامان کو لوٹتا ' عورتوں اور بچوں کو تلوار کی گھاٹ اتارتا چلا گیا۔

ایک سال بعد عابد بن علی قرب و جوار کے دوسرے بلوچ قبائل کی طرف متوجہ



ہوا۔ عابد اور بلوچوں کے درمیان بہت سی جنگیں ہوئیں۔ آخر کار عابد نے ان جنگوں میں بلوچوں کو شکست دی اور بے شمار بلوچ ان جنگوں میں مارے گئے۔

یہ بویہ حکمرانوں کے انتہائی عروج و اقبال کا زمانہ تھا۔ اس وقت ان کی تمام طاقت بلوچوں کو صفحہ ہستی سے مٹانے پر صرف ہو رہی تھی۔

۳۶۱ھ میں عضدالدولہ نے از سر نو اپنی فوج کو منظم کیا اور نہایت زور و شور سے بلوچوں کی طرف بڑھا۔ ان دنوں میں بلوچوں کا سردار علی خان بن باریزی خان تھا۔ اس نے جب دشمن کی فوجوں کا بہت بڑا سیلاب اپنی طرف شدت سے بڑھتے ہوئے دیکھا تو اس نے تمام علاقہ کے بچے کھچے بلوچ بہادروں کو جمع کیا اور انہیں میدان میں لڑنے کی بجائے محفوظ ٹھکانوں میں چلے جانے کا حکم دیا اور اپنے علاقہ کی ہر طرف سے مضبوط ناکہ بندی کر دی تو اس نے ایک بہت بڑی فوج کے ساتھ عابد بن علی کو بہادر بلوچوں کے ٹھکانوں پر حملہ کرنے کا حکم دے دیا۔ عابد نے جاتے ہی باریزی پہاڑیوں پر حملہ کر دیا اور تمام ناکے بند کر دیئے اور پانی کے تمام چشموں اور چراگاہوں پر بھی قبضہ کر لیا۔ ۱ ربیع الاول ۳۶۱ھ بمطابق ۷ جنوری ۹۷۱ء بروز سوموار بہادر بلوچوں اور عابد کی فوجوں کے درمیان زبردست جنگ شروع ہو گئی۔ طلوع آفتاب سے غروب آفتاب تک بہادر بلوچوں نے بے انتہاء بے جگری اور پامردی سے عابد کی بے پناہ فوج کا مقابلہ کیا۔ شام کو جب جنگ ختم ہوئی تو تمام شمشیر زن بہادر بلوچ نہایت شجاعت سے لڑتے ہوئے مارے جا چکے تھے اور ان کا سردار علی خان نہایت بہادری سے لڑتا ہوا زندہ گرفتار ہوا اور پھر اپنے ساتھیوں کے ساتھ قتل کر دیا گیا۔

اب عابد بن علی نے اس قسم کے دوسرے بلوچ قبائل کو مرکز توجہ بنایا جو اس جنگ میں شریک نہیں تھے۔ عابد نے اپنے بھائی کے زیر کمان ہر طرف سے بہادر بلوچوں پر حملہ کرنا چاہا لیکن ان کے ٹھکانے اس قدر محفوظ تھے کہ ان پر حملہ کرنا



آسان نہ تھا۔ ان کے ہاں جانے کا صرف ایک راستہ تھا اور وہ نہایت دشوار گزار درے سے گزرتا تھا۔ اس درے کی ہیئت کچھ اس قسم کی تھی کہ اس میں صرف چند آدمی ایک بہت بڑی فوج کا مقابلہ بڑی آسانی سے کرسکتے تھے۔ عضدالدولہ جیسے زبردست بادشاہ نے اس موقعہ پر جبکہ بلوچ بہادروں پر فتح حاصل کرنا اسے مشکل نظر آیا تو اس نے انہیں شکست دینے کیلئے دھوکا بازی کا ایک بزدلانہ طریقہ استعمال کرکے اپنی فوج کو بہادر بلوچوں پر حملہ کرنے کا حکم دے دیا۔ بہادر بلوچ بھی اپنی بہادری کا مظاہرہ کرتے ہوئے تلواریں سونت کر آگے بڑھے اور عضدالدولہ کی فوج سے ٹکرا گئے۔ گھمسان کا رن پڑا بلوچ نہایت بہادری اور جانبازی سے لڑتے ہوئے بلوچی حمیت پر قربان ہوگئے اور جو بچ رہے وہ ادھر ادھر ہوگئے اور پھر یہ وادی بلوچوں کے وجود سے خالی ہوگئی۔

تا سحر تونے نہ چھوڑی اے باد صبا
یادگار رونق محفل جو تھی پروانے کی خاک

دراصل کرمان کے حکمران آل بویہ کٹر شیعہ تھے انہوں نے بلوچوں کو جو صحیح العقیدہ سنی مسلمان تھے ان کو بھی دوسرے لوگوں کی طرح شیعہ مذہب قبول کرنے پر مجبور کیا۔ جب بلوچوں نے اپنا مذہب تبدیل نہیں کیا تو انہوں نے مذہبی جنون کو سیاسی رنگ دے کر بلوچوں پر فوج کشی کرکے ان پر ظلم و جبر کرنا شروع کردیا۔ بلوچ لوگ شیعہ مذہب قبول کرنے کی بجائے تنگ آکر حکومت سے ٹکرا گئے۔

یہ بھی معلوم ہو کہ آل بویہ دیلمی سے پہلے سنی و شیعہ میں کسی قسم کا جھگڑا نہ تھا۔ سب سے پہلے سنی شیعہ کا فساد انہوں نے ہی برپا کرایا۔ ان پر خدا کی مار پڑی کچھ عرصہ کے بعد شیعیت کے خلاف رد عمل کی بناء پر طغرل بک سلجوقی بادشاہ نے فوج کشی کرکے ہمیشہ ہمیشہ کیلئے ان ظالموں کی حکومت کا خاتمہ کردیا۔

بہادر بلوچوں کو سلطان محمود کا سامنہ

۳٦ھ میں بلوچوں کے گھروں کو نذر آتش کیا گیا۔ انہیں اپنی طرف سے عضدالدولہ نے ختم ہی کردیا مگر یہ اس کا غلط خیال تھا۔

۳۷۰ھ میں خود کیفر کردار کو پہنچا اس کے بعد اس کے جانشین یا تو کمزور تھے یا اتنے سفاک نہیں تھے۔

بلوچ ایک زبردست سیاسی قوت بن کر ابھرے۔ پھر پچاس سال کے مختصر عرصہ میں انہوں نے اتنی قوت پیدا کرلی کہ سلطان محمود غزنوی رحمتہ اللہ علیہ سامف شکن سلطان بھی ان کو اپنے لئے خطرہ محسوس کرنے لگا۔

بلوچ اپنے علاقہ کے مالک و مختار تھے ۔ وہ یہ گوارہ کرنے کیلئے تیار نہیں تھے کہ کوئی حاکم ان کے ملک سے ان کی حاکیت کو تسلیم کئے بغیر درانہ وار گزر جائے ان کی سرحدی چوکیوں پر ایسے افسر مقرر تھے جو قافلے کو ریاست سے گزرنے کیلئے اجازت نامے دیتے تھے۔ ایسے قافلوں کی پوری طرح حفاظت کی جاتی تھی اور بخیر و خوبی ریاست سے پار گزار دیئے جاتے تھے مگر جو قافلے سامراجی حکام کے بل بوتے پر گزرنے کی کوشش کرتے تو ان سے بہادر بلوچ نبرد آزما ہوجاتے اور ان کا سامان چھین لیتے تھے۔

رباط دیر کھچن ایک زبردست پڑاؤ تھا اور بلوچوں کی سرحد پر واقع تھا۔ ایک دفعہ سلطان محمود غزنوی رحمتہ اللہ علیہ کا لشکر جن کی تعداد دس ہزار تھی۔ سرکاری سامان اور متعدد تاجر لوگ اپنے مال اسباب سمیت ان کی ساتھ تھے اور یہ لاقانونی طور پر بلوچوں کی ریاست کی سرحد عبور کرنا چاہتے تھے سرحدی افسر رابطہ نے انہیں اجازت نامہ لینے کیلئے کہا مگر انہوں نے قطعاً" پرواہ نہ کی اور ان کی ریاست میں داخل ہوگئے

بلوچ سرداروں کو اطلاع ہوئی تو انہوں نے اس بات کو اپنی اہانت تصور کیا اور لشکر پر حملہ کردیا۔ شاہی لشکر کو اپنے اسلحہ اور اپنی کثرت پر ناز تھا مگر کوہستانی عقابوں کے آگے ان کی ایک نہ چلی۔ ہزاروں مارے گئے اور ہزاروں بھاگ گئے۔ بلوچوں نے ان کا مال واسباب اپنے قبضے میں لے لیا۔

اس قافلے میں ایک بڑھیا کا نوجوان اکلوتا بیٹا بھی تھا۔ جو مال تجارت لے کر عراق جارہا تھا۔ جب اس کے مارے جانے کی اطلاع اس کی بوڑھی ماں کو ملی تو کالے کوسوں کا سفر کرکے غزنی پہنچی اور برسرعام سلطان محمودؒ سے کہا کہ اے بادشاہ تیری بادشاہی میں میرا بیٹا بلوچوں نے مار ڈالا ہے اور مال و اسباب بھی لوٹ لیا ہے۔ میرا انصاف کر۔ بادشاہ نے جواب دیا کہ بی بی میں بلوچوں کے حملے کا حال سن چکا ہوں۔ مگر میں نہیں جانتا کہ رباط دیر کھچن کہاں ہے۔ بڑھیا بولی اے سلطان تو اس قدر ملک فتح کر جن کے احوال سے بھی تو واقف ہوسکے اور ان کا انتظام بھی کرسکے۔ بادشاہ نے جواب دیا کہ اے مائی کرمان تو میرے ملک سے باہر اور بہت دور ہے۔ اس کی ذمہ داری مجھ پر کیونکر آسکتی ہے۔

یہ سن کر بڑھیا رونے لگی ہائے افسوس اسی برتے پر شاہی کا دعویٰ ہے۔ وہ بادشاہ کیا جو اپنی سلطنت کا انتظام نہ کرسکے اور وہ چرواہا کیا جو بھیڑیئے سے اپنی بکریوں کو نہ بچا سکے۔ بس میرا تنہا اور ضعیف ہونا اور تیرا فوج اور لشکر رکھنا دونوں برابر ہیں۔
سلطان محمودؒ بڑھیا کی فریاد سن کر رونے لگا اور اسے بہت کچھ انعام دے دلا کر رخصت کیا اور اسے یقین دلایا کہ وہ اس کے بیٹے کا ضرور بدلہ لے گا اور ان لوگوں کا انتظام کرے گا جنہوں نے لشکر پر حملہ کیا ہے۔

بادشاہ سوچنے لگا کہ آخر ان سرپھرے بلوچوں کا انتظام کیسے کیا جائے۔ بہت سوچ و بچار کے بعد بادشاہ نے منادی کرا دی کہ جو کوئی سوداگر گردیز اور کرمان کی طرف جانا

چاہتے ہیں۔ وہ اپنا سامان سفر درست کریں میں ان کے ساتھ حفاظتی فوج روانہ کروں گا اور یہ اقرار بھی کیا کہ جس کا مال و اسباب بلوچ غارت کریں گے۔ اس کا تاوان شاہی خزانہ سے دیا جائے گا۔ منادی سنتے ہی بے شمار سوداگر جمع ہوگئے اور وقت مقررہ پر قافلہ روانہ ہوگیا۔

بادشاہ نے میر کارواں کو طلب کرکے اسے فوج کا ایک دستہ عنایت کیا اور سب کچھ سمجھا کر اسے فرمایا کہ تمہارے پیچھے ایک بہت بڑا لشکر روانہ کررہا ہوں آپ کسی قسم کا فکر نہ کریں۔ جب قافلہ یہاں سے کرمان کے قریب پہنچا تو بلوچوں کو اطلاع ہوگئی۔ وہ ہوشیار ہوگئے۔ اگرچہ وہ جانتے تھے کہ شاہی لشکر سے مقابلہ ہے اور ساتھ ہی ان کے پاس ایسا اسلحہ بھی نہ تھا۔ بہر حال وہ مقابلہ کیلئے تیار ہوگئے۔ کیونکہ میدان جنگ چھوڑنا بلوچی شان کے خلاف تھا۔ بلوچ بہادر ہتھیلی پر سر رکھ کر دشمن فوج کا انتظار کرنے لگے۔

میر کارواں نے وہاں پہنچ کر فوجی دستہ آگے روانہ کردیا۔ بلوچ پہاڑوں اور غاروں سے برآمد ہوئے اور شاہی لشکر کے دستے پر عقاب کی طرح جھپٹے۔ طے شدہ منصوبے کے تحت فوجی دستہ پیچھے ہٹنے لگا۔ بلوچ بہادر ان کے تعاقب میں بھاگے ان کو یہ خبر نہیں تھی کہ پہاڑوں میں ایک بہت بڑا لشکر چھپا ہوا ہے۔ شاہی فوج نے پہاڑوں کی آڑ سے نکل کر اچانک بلوچوں پر حملہ کردیا اور انہیں تلواروں اور سنگینوں پر دھرلیا۔ بلوچ بہادر بھی میدان میں ڈٹ گئے۔ جنگ زوروں پر چھڑ گئی۔ بلوچ بہادروں نے خوب داد شجاعت دی مگر شاہی فوج سے مقابلہ آسان نہ تھا۔ آخر کار نتیجہ یہ نکلا کہ ہزاروں جانباز بلوچ بہادری اور جانبازی سے لڑتے ہوئے ملک کی آزادی پر قربان ہوگئے بہادر جانبازوں کے ختم ہونے کے بعد فوجی ریاست میں گھس گئے اور جو مال اسباب ہاتھ آیا لوٹ کر غزنی لے گئے۔

اس کے بعد بلوچ اگرچہ قلیل تعداد میں رہ گئے تھے مگر انہوں نے ہار نہیں مانی۔ ایک بار سلطان محمود کا سفیر بلوچوں کے ملک سے گزرا تو انہوں نے لوٹ لیا بادشاہ کا غصہ بھڑک اٹھا۔ اس نے اپنے بیٹے مسعود کو ان کی سرکوبی کیلئے بھیجا۔ امیر مسعود فوج کے ایک دستہ کے ساتھ بست سے روانہ ہوا اور ہرات پہنچ کر مزید کمک اکٹھی کی اور بلوچوں کی سرکوبی کیلئے چل کھڑا ہوا۔ بلوچوں اور امیر مسعود کی فوجوں کے درمیان سخت جنگ ہوئی اس جنگ میں بلوچوں کو زبردست شکست ہوئی اور ان کے بے شمار جانباز بہادر مارے گئے۔

سلطان محمودؒ کے بعد اس کا بیٹا امیر مسعود تخت نشین ہوا تو اس نے بھی بلوچوں کو فراموش نہیں کیا۔ جب اسے پتہ چلتا کہ بلوچوں نے سر اٹھایا ہے تو وہ اپنی زبردست فوجیں ان کی سرکوبی کیلئے بھیج دیتا۔ بلوچ بہادر بھی ترکی بہ ترکی اسے جواب دیتے۔

بہادر بلوچوں کی کرمان سے ہجرت

اور سیستان میں ورود

کن حسرتوں سے چھوڑ کے ہم یہ وطن چلے
آئے تو بے سبک تھے پر کتنے گراں چلے

بلوچوں کو کرمان میں آئے دن بادشاہوں کی جھڑپوں سے سابقہ پڑتا تھا۔ صدیوں کی مسلسل جھڑپوں اور خونریزیوں سے تنگ آکر انہیں زیادہ محفوظ مقام کی طرف منتقل ہونے کا خیال ہورہا تھا کہ ۱۲۲۱ء میں وسط ایشیاء سے چنگیز خان اپنی پوری تباہ کاریوں کے ساتھ قہرالہٰی بن کر نازل ہوا اور بڑی بڑی حکومتوں کو تباہ و برباد کرڈالا۔ اب اس نے کرمان کی دشوار گزار وادیوں اور جبال قفس کی تنگ و تاریک گھاٹیوں کا رخ کیا تھا۔

وہ ایک بہت بڑا ظالم اور سفاک انسان تھا بلوچوں نے ایسے ظالم اور سفاک سے ٹکر لینا مناسب نہ جانا اور اپنے صدیوں کے وطن کو خدا حافظ کہہ کر نئے وطن کی تلاش میں چل کھڑے ہوئے۔

چنگیزی تاخت سے متاثر ہوکر کرمان سے بلوچوں کی جب وسیع پیمانے پر مہاجرت شروع ہوئی تو ان میں سے بہت سے قبائل نے دوسرے ملکوں کا رخ کیا اور ان کی ایک بہت بڑی تعداد سیستان میں وارد ہوئی۔ یہاں ان دنوں ملک شمس الدین کی حکومت تھی۔ چونکہ وہ دشمنوں سے مطمئن نہیں تھا۔ اس لئے بلوچوں کے اس لشکر جرار کو اس نے غنیمت جانا اور اس نے انکی بڑی خاطر مدارت کی اور انہیں آباد کرنے کیلئے بہترین اراضیات عطا کیں۔ ۶۸۱ ھج میں جبکہ ملک شمس الدین نماز جمعہ پڑھنے کیلئے جارہا تھا کہ حسن بن صباح کے چار فدائیوں نے اسے بر سرعام قتل کردیا۔ ملک شمس الدین بلوچوں پر بے حد مہربان تھا اور بلوچوں کے ساتھ اس کی بڑی محبت تھی اور بلوچ بھی اس سے بے حد محبت رکھتے تھے۔ اس کی شہادت کے بعد اس کا بڑا بیٹا ملک بدرالدین (فخرالدین) تخت نشین ہوا۔ چونکہ وہ اپنے باپ سے ناراض تھا۔ اس لئے اسے اپنے باپ کے خیر اندیش بھی گوارہ نہ ہوئے۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ ملک بدرالدین کی سازش سے فدائیوں نے ملک شمس الدین کو شہید کیا تھا بلوچوں کو اس سازش کا علم ہوا تو انہوں نے ملک بدرالدین کے اس لعنتی فعل کو نفرت کی نگاہ سے دیکھا۔

بہرحال بادشاہ سے بلوچوں کے تعلقات اچھے نہ رہے جب ملک بدرالدین کو بلوچوں سے خطرہ لاحق ہوا تو اس زمانہ کے دستور کے مطابق ملک بدرالدین نے بلوچوں سے رشتے طلب کئے چونکہ بلوچوں کے چوالیس بولک (قبیلے) تھے۔ اس لئے بادشاہ نے ہر بولک (قبیلہ) سے ایک ایک لڑکی کا رشتہ طلب کیا۔ بلوچوں کا غیر بلوچوں میں رشتہ

دینے کا دستور نہ تھا۔ ان وقتوں میں بلوچوں کا سردار اعلیٰ میر جلال خان تھا۔ یہ بات میر جلال خان کو شاق گزری بادشاہ سے ٹکر لینے کی بھی سکت نہ تھی۔ ملک بدرالدین کو سبق پڑھانے کیلئے انہوں نے بجائے نوجوان لڑکیوں کے چوالیس بہادر نوجوانوں کو زنانہ لباس پہنا کر شاہی محل میں بھیج دیا اور خود راتوں رات مع اہل و عیال ملک کی سرحد پار کر گئے ادھر نوجوانوں نے محل میں داخل ہوتے ہی تلواریں سونت لیں اور شاہی ملازمین سے گتھم گتھا ہوگئے اور بہت سے ملازمین کو قتل کر ڈالا۔ اس ہڑبونگ میں ملک بدرالدین نے فوج طلب کرلی جس سے لڑتے ہوئے کئی بہادر نوجوان مارے گئے اور باقی جان بچا کر قافلے سے جاملے۔

اس بات پر بادشاہ بدرالدین کو بلوچوں پر سخت غصہ آیا اور ان کے تعاقب میں کیچ مکران کی طرف اپنی زبردست فوج لے کر روانہ ہوا اور ان کو راستہ میں جالیا۔ بادشاہ اور بلوچوں کے درمیان سخت جنگ ہوئی بلوچوں نے شاہی فوج کے چھکے چھڑا دیئے۔ بلوچوں کو اس خونریز جنگ میں فتح ہوئی اور بادشاہ شکست کھا کر واپس ہوگیا۔

یہ جو کہا جاتا ہے کہ جب بلوچوں نے حلب سے ہجرت کی تو ان کے چوالیس قبیلے تھے۔ یہ صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ تمام مؤرخین نے لکھا ہے کہ جب بلوچوں نے سیستان سے کوچ کیا تو اس وقت ان کے چوالیس قبیلے تھے اور سب کے سردار اعلیٰ میر جلال خان تھے اور بلوچی تاریخی نظم سے بھی یہی ثابت ہے کہ۔

مئے سریں میریں جلالھان
گوں چہل چھیار بولکیں

بہادر بلوچوں کا مکران میں ورود

میر جلال خان بدرالدین بادشاہ کو شکست دینے کے بعد چوالیس قبیلوں کا ایک لشکر

جرار لے کر جب کیچ مکران کے علاقہ ہارین بند پہنچے تو اس وقت مکران پر ظالم منگولوں کی ظالمانہ حکومت تھی اور بوراک نام ایک منگول امیر حکمران تھا۔ اہل مکران ظالم منگولوں سے نجات حاصل کرنے کی تدبیریں سوچ رہے تھے۔ میر صاحب کی آمد کو انہوں نے غنیمت جانا اور فوراً" انہوں نے اپنی وفاداریوں کا رشتہ میر صاحب سے جوڑ لیا۔ منگولوں نے حالات کی نزاکت کو مدنظر رکھ کر فوراً" مکران چھوڑ دیا اور ایک محفوظ مقام جھلاواں کی طرف چلے گئے۔ ویسے بھی منگولوں کو مکران سے کوئی خاص دلچسپی نہیں تھی۔ انہوں نے اس ملک پر قبضہ اس لئے کیا تھا کہ سلطان جلال الدین خوارزم شاہ کو یہاں پر قدم جمانے کا موقعہ نہ ملے ان کے چلے جانے کے بعد میر صاحب نے فوراً" مکران کی حکومت سنبھال لی۔ وہی منگول جو مکران کو چھوڑ کر جھلا واں کی طرف منتقل ہوگئے تھے۔ میر صاحب نے ان سے بہت اچھا سلوک کیا اور ان کی جاگیروں کو بحال رکھا اور پھر یہ لوگ بلوچوں میں گھل مل کر ان کا ایک تمن بن کر مینگل بلوچ مشہور ہوئے۔

میر صاحب نے مکران کی حکومت سنبھال کر اس کا بہت اچھا انتظام کیا اور منگولوں کے حملے سے مکران کے قلعہ کو جو نقصان پہنچا تھا۔ اس کی مرمتی کرائی اور بلوچ قبائل کو جاگیریں عطا کیں اور انہیں ان کی مرضی کے مطابق اچھے اچھے مقامات پر آباد کیا اور ملک کے انتظامی ڈھانچے کو مضبوط اور مستحکم کیا۔ میر صاحب کا دور اقتدار نہایت پر سکون رہا۔ کسی بیرونی طاقت کو بلوچی حکومت پر حملہ کرنے کی جرائت نہ ہوئی۔ میر صاحب نے نہایت شان وشوکت سے حکومت کی اور طبعی عمر ختم کرکے عالم بقا کی طرف کوچ کیا۔

خدا ان کی لحد پر شبنم نفشانی کرے

میر جلال خان

میر جلال خان بلوچوں کا ایک قومی اور عسکری قائد تھا۔ جس کے تحت بلوچ آخری دفعہ حکومت ایران سے ٹکرائے اور اس پر کامیابی حاصل کرکے فتح و نصرت کے شادیانے بجاتے ہوئے مکران میں وارد ہوئے۔ میر صاحب کی سرکردگی میں بلوچوں کو سکھ کا سانس نصیب ہوا اور انہوں نے اپنے زخم سی لئے اور مصاف حیات کیلئے دوبارہ تازہ دم ہوگئے۔

میر صاحب بلوچوں کا اولین تاریخی رہنما۔ ان کا نجات دہندہ اور ایک عظیم ترین تاریخی مدبر تھا۔ وہ ہمہ صفت موصوف سردار اور بلوچوں کا سرمایہ فخرو مباہات اور پاک وہند کے اکثرو بیشتر بلوچوں کا مورث اعلیٰ تھا۔

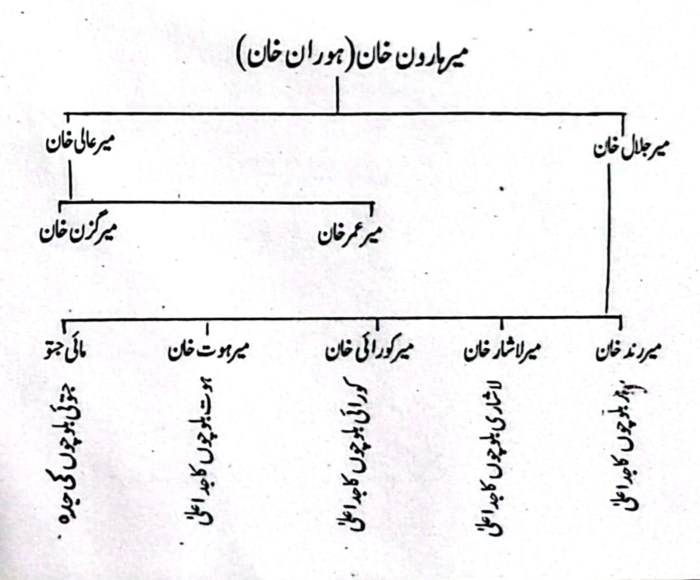
میر جلال کی اولاد

میر صاحب کے چار بیٹے اور کئی بیٹیاں تھیں۔ بیٹوں میں تین بیٹے میر رند' میر لاشار' میر کورائی ' مائی فاطمہ دختر مرزا جہاں بیگ کے بطن سے پیدا ہوئے۔ صرف ایک بیٹا میر ہوت مائی عجوبہ خاتون سے تولد ہوا۔ میر صاحب کی بیٹیوں میں صرف مائی جتو معروف ہے جس کا نکاح میر صاحب نے اپنے بھتیجے مراد خان سے کردیا تھا۔ جس کے نام پر مکران میں کوہ مراد مشہور ہے۔ جہاں ذکری فرقہ کے لوگ اپنے مذہب کے مطابق حج کرتے ہیں اور اپنے عقیدے کے مطابق اس جگہ کو نہایت مقدس سمجھتے ہیں۔

بعض مؤرخین نے میر صاحب کے ایک اور بیٹے میر جاتن نامی کا ذکر بھی کیا ہے مگر یہ صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ بلوچی روایات اور بہت سے مؤرخین جن میں مشہور مؤرخ مسٹر لونگ ورتھ ڈیمز بھی شامل ہے اس کی تردید کرتے ہیں۔ تحقیق یہ ہے کہ

میر صاحب کے صرف چار بیٹے میر رند' میر لاشار ' میر کورائی اور میر ہوت ہی تھے۔ میر جاتن نامی ان کا کوئی بیٹا نہ تھا۔ دراصل میر صاحب کی نامور بیٹی مائی جتو کو عزت اور پیار سے جاتن بھی کہا کرتے تھے۔ بعد میں آنے والی نسلوں کو غلط فہمی ہوئی اور انہوں نے جاتن کو میر صاحب کا بیٹا تصور کرلیا اور پھر مؤرخین نے ان سے نقل کردیا۔ عجیب بات یہ ہے کہ بلوچستان سندھ اور ان سے ملحقہ پنجاب کی سرحدوں کے نہایت اکثریت میں بسنے والے جتوئی بلوچ مائی جتو کی اولاد ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں اور اس کی نسبت سے خود کو جتوئی کہلاتے ہیں اور پنجاب کے دور دراز اندرونی علاقوں کے اقلیت میں بسنے والے جتوئی خود کو میر جاتن کی اولاد خیال کرتے ہیں۔ حالانکہ تحقیق کی رو سے جتو اور جاتن ایک ہی شخصیت کے دو نام ہیں میں نے اپنی ایک اور کتاب یعنی تاریخ دشتی بلوچ میں میر صاحب کے پانچویں بیٹے میر جاتن خان کا بھی ذکر کیا ہے مگر تحقیق کے بعد اس کی تردید کرتا ہوں۔

شجرہ نسب میر جلال خان



میر جلال خان کے بعد

رائے ہتورام اپنی مشہور کتاب "تاریخ بلوچستان" ص۲۴ میں لکھتے ہیں کہ میر جلال خان نے اپنی زندگی میں اپنے بڑے بیٹے میر رند خان کو اپنی دستار دے کر اپنا جانشین بنالیا تھا۔ جب میر صاحب فوت ہوئے اور انہیں دفنانے کیلئے ان کے بیٹے قبرستان لے گئے اور میر صاحب کو دفنا کر واپس آئے تو قلعہ کے دروازوں کو بند پایا۔ معلوم ہوا کہ مائی عجوبہ خاتون جو کہ میر ہوت خان کی والدہ تھیں اور میر ہوت خان سات سال کا تھا۔ اس نے میر جلال خان کے بیٹوں کے قبرستان جانے کے بعد اپنے سات سالہ چھوٹے بیٹے میر ہوت خان کو میر صاحب کی گدی پر بٹھا کر جانشین بنا دیا اور اعلان کردیا کہ خبردار اگر میرے بیٹے ہوت خان کو کسی نے جانشینی سے ہٹا دیا تو وہ اپنے میکے چلی جائے گی اور ان میں جاکر بودو باش اختیار کرے گی۔ یہ سن کر میر صاحب کے سعادتمند بیٹے کیچ مکران کے تاج و تخت سے اپنے چھوٹے بھائی میر ہوت خان کے حق میں دست بردار ہوگئے اور انہوں نے قلعہ کے مختلف دروازوں پر چھپر بنا کر فاتحہ کی رسومات ادا کیں۔ اگرچہ میر صاحب کے بیٹے کافی طاقتور تھے۔ خاص کر میر رند جس کو باپ نے اپنی زندگی میں ہی اپنا ولی عہد مقرر کردیا تھا وہ چاہتے تو باپ کے تخت پر جبرا" قبضہ کرسکتے تھے لیکن میر ہوت چونکہ کم سن تھا اور اس کی ماں بہرحال ان کی بھی ماں تھی۔ انہوں نے اپنی ماں سے لڑنا مناسب نہ جانا اور کیچ مکران کو چھوڑ کر مختلف اطراف میں پھیل گئے۔

میر رند اور میر کورائی کیچ مکران سے ہجرت کرکے بھنبھور کی طرف منتقل ہوگئے اور قندھار تک کے علاقوں پر قبضہ کرلیا۔ میر لاشار ایرانی بلوچستان میں جاکر آباد ہوگئے۔ یہ سب بھائی اپنے اپنے علاقوں میں رہے۔ بسے قلعے تعمیر کئے اور شان و شوکت سے زندگی گزار کر مالک حقیقی سے جاملے۔

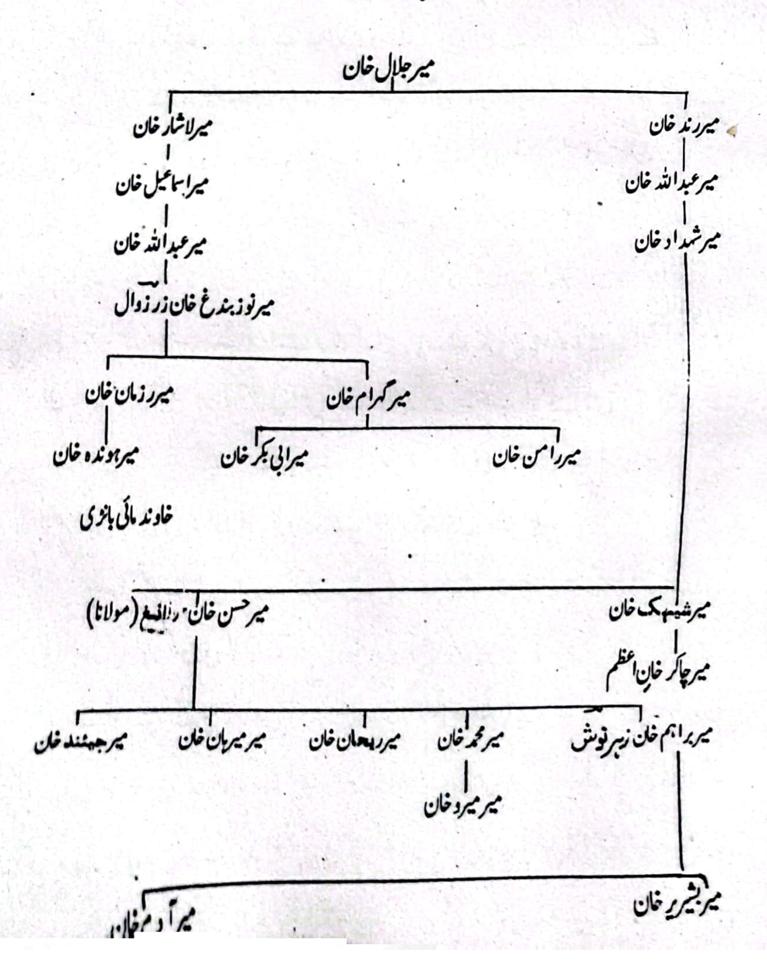
تین پشتوں تک میر رند، میر کورائی اور میر لاشار کی اولاد قندھار اور ہرات کے درمیان پھلتی پھولتی رہی۔ نویں صدی ہجری میں یہ علاقہ بارش نہ ہونے کی وجہ سے کچھ اس طرح قحط کی لپیٹ میں آیا کہ لوگ سکونت ترک کرنے پر مجبور ہوگئے اور انہوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ آؤ یہاں سے کوچ کریں اور ان غیر آباد علاقوں کو چھوڑ کر آباد زمینوں اور ندی نالوں پر قبضہ کرکے انہیں آپس میں بانٹ دیں۔

میر لاشار کا خانوادہ بھی تین پشتوں تک ایرانی بلوچستان میں حاکمانہ اقتدار کے ساتھ بسر اوقات کرتا رہا۔ انہوں نے بھی یہاں قلعے تعمیر کئے، نہریں احداث کیں اور وادیوں کو گل و گلزار بنایا۔ مگر خشک سالی کے سبب جب ندی نالے سوکھ گئے اور جانور بھوکوں مرنے لگے تو انہوں نے بھی اس جگہ کو خیرباد کہا۔ چنانچہ بلوچوں کے اس لشکر جرار نے متفقہ طور پر میدانوں کا رخ کیا اور مختلف قبائل کو ان کے پسندیدہ علاقوں میں آباد کرتے آئے۔ رندوں نے شوران اور لاشار نے گندھاوہ پر قبضہ جمالیا۔ کم و بیش تیس سال تک رند و لاشار نے کچھی کے میدانوں میں آرام سے وقت گزارا۔ قلعے اور شہر تعمیر کئے اور رند و لاشار نے آپس میں رشتے ناطے کئے میر شیہک خان نے اپنی دو صاحبزادیاں لاشاریوں کے نکاح میں دیں یعنی مائی مزی عبداللہ خان لاشاری سے بیاہی گئی اور مائی بانڑی میر ہوندہ بن میر بہرام خان کے نکاح میں آئی۔ ان وقتوں میں تمام قبائل کا سردار اعلیٰ میر شیہک خان تھا۔ ان دنوں سیوی (سبی) اور کچھی کا حاکم جام ننده عرف نظام الدین سمہ تھا۔ میر شیہک خان نے جنگ کرکے سیوی اور کچھی پر قبضہ کرکے جام ننده کو یہاں سے نکال دیا۔ کچھ عرصہ کے بعد میر شیہک خان کا انتقال ہوگیا۔

میر شیہک خان کے بعد اس کا نامور فرزند میر چاکر خان بلوچوں کا سردار اعلیٰ مقرر ہوا اس وقت میر صاحب کا پایہ تخت شوران اور میر گہرام خان کا گندھاوہ تھا۔ کچھ

عرصہ تک رند و لاشار پیار و محبت سے زندگی بسر کرتے رہے۔ بعد میں سبز وادیوں اور سرحدی امور پر ان میں تلخیاں بڑھتی گئیں بوجود اس کے اب تک ظاہرداری باقی تھی۔ میلوں ٹھیلوں میں دونوں قبائل شریک ہوتے گھوڑ دوڑ اور دیگر کھیل کود میں حصہ لیتے بس اس ماحول میں رند و لاشار کی زندگی بہترین طریقے سے بسر ہو رہی تھی۔

شجرہ نسب رند و لاشار



رند و لاشار میں چپقلش

ایک سال حسب معمول گھوڑ دوڑ کا میلہ بڑی شان سے منعقد ہوا۔ رند و لاشار سب آگئے۔ گھوڑ دوڑ کیلئے کافی شہسوار تیار تھے لیکن میر ریحان رند اور میر رامن لاشاری کے مقابلے کا چرچا زیادہ تھا۔ دفعتہ" نقارے پر چوٹ پڑی دونوں سواروں نے باگیں چھوڑیں اور میر ریحان آگے نکل گیا۔ میر رامن اپنی شکست سے بوکھلا اٹھا۔ اس نے کہا کہ میرے ساتھ دھوکہ ہوا ہے۔ میدان میں عام بھگدڑ مچ گئی اور لاشاری غم و غصہ سے پیچ و تاب کھاتے گھوڑے دوڑاتے میدان سے نکل کر چلے گئے۔

انہوں نے جاتے وقت راستہ میں میر چاکر کی امان میں بیٹھی ہوئی گوہر جتنی کے ہروں (شتر بچوں) کو دیکھا تو اپنے غصہ کو نکالنے کیلئے اپنی تلواروں سے بہت سے شتر بچوں کو تہ تیغ کر ڈالا۔ تیسرے دن صبح سویرے میر چاکر سیر کیلئے باہر نکلے تو انہوں نے دیکھا کہ بے شمار اونٹنیاں بھاگی بھاگی پھر رہی ہیں اور ان کے پستانوں سے دودھ ٹپک رہا ہے۔ میر صاحب نے چرواہے کو بلا کر اس بارے میں پوچھا تو دفعتہ" ان اونٹنیوں کی مالکہ گوہر جتنی نمودار ہوئی اس نے کہا کہ میر صاحب اونٹوں میں وبا پھیل چکی ہے۔ اس لئے شتر بچے مرتے جارہے ہیں مامتا کی ماری اونٹنیاں بے چین ہوکر ادھر ادھر بھاگی پھرتی ہیں۔ اور ان کا دودھ بے اختیار پستانوں سے ٹپک رہا ہے۔

چاکر اعظم نے اس عورت سے رنج و غم سے ملے جلے جذبات کے ساتھ ہمدردی کا اظہار کیا اور گھوڑی کو آگے بڑھایا لیکن یہ دیکھ کر حیران ہوگئے کہ ادھر ادھر گوہر جتنی کے شتر بچے کٹے پڑے ہیں جس سے صاف معلوم ہورہا ہے تھا کہ انہیں۔تلواروں سے ذبح کیا گیا ہے میر چاکر نے ایک چرواہے کو اپنے پاس بلا کر کہا کہ سچ سچ بتا دو کہ کیا معاملہ ہے۔ چرواہے نے عرض کی کہ حضور پرسوں چند لاشاری نوجوان گھوڑے دوڑاتے ہوئے آئے اور انہوں نے شتر بچوں کو تہ تیغ کر ڈالا۔ میری مالکن نے اصل

واقعہ آپ کو اس لئے نہیں بتایا کہ وہ آپ کی غیرت سے واقف ہے اور وہ نہیں چاہتی کہ اس کی وجہ سے ناحق خون خرابہ ہو۔ چاکر اعظم نے نہایت غضبناک ہو کر کہا کہ اے مظلوم خاتون جب تک تیرا بدلہ نہ لوں گا آرام سے ہرگز نہ بیٹھوں گا۔

میر چاکر نے واپس جاکر اپنے جوانوں کو طلب کرکے جو حکم دینا تھا دے دیا۔ وہ تلواریں لہراتے ہوئے گاجان اور اس کے علاقہ پر حملہ آور ہوئے اور انہوں نے میر گہرام کے ایک وگ (اونٹوں کے گلے) کو ہلاک کرڈالا اور اونٹوں کے چرواہے کا بھی ایک بازو کاٹ دیا۔

بس پھر کیا ہوا بارود میں چنگاری پڑ چکی تھی رند ولاشار کے دونوں قبیلے ایک دوسرے سے لڑنے مرنے پر تیار ہو گئے۔

اور یہی باتیں تیس سالہ جنگ کی صورت اختیار کرکے رند و لاشار کی تباہی و بربادی کا سبب بنیں۔ چنانچہ بلوچی شاعر اپنے اشعار میں اس واقعہ کو بیان کرتے ہوئے کہتا ہے کہ۔

اڑ ہے گالاں ہل کھڑو بیزھا
رند' لاشارے جنگ کھڑو بیزھا
من گدرولاں گاہے زا لکھے
بیاتاں سی سال دیوں مکھے

تیس سالہ رند لاشار جنگ

بلا شبہ رند لاشار جنگ دنیا کی بہت بڑی جنگ تھی جو تیس سال کے عرصے میں پچیس بار لڑی گئی۔ اس جنگ میں پندرہ بار رندوں کو اور دس بار لاشاریوں کو فتح ہوئی۔ تاریخ میں یہ تیس سالہ رند لاشار جنگ سے مشہور ہے۔

اس میں قابل ذکر صرف تین جنگیں ہیں۔ پہلی جنگ دابانی کے قریب ہوئی۔ جس میں لاشار کو شکست ہوئی دوسری جنگ نلی کے مقام پر لڑی گئی۔ جس میں لاشار کو فتح ہوئی اور اس نے رندوں سے اپنی شکست کا بدلہ لے لیا۔ آخری جنگ میں رندوں کو فتح ہوئی اور لاشاری شکست کھا کر گجرات کی طرف منتقل ہو گئے۔

انگریز مؤرخین آغاز جنگ کی تاریخ ۱۴۴۰ء لکھتے ہیں اور میر رحیم داد خان مولائی شیدائی ۱۴۸۰ء بیان کرتے ہیں لیکن علامہ نور احمد خان فریدی لکھتے ہیں کہ یہ دونوں تاریخیں غلط ہیں۔ صحیح یہ ہے کہ یہ جنگ ۱۴۵۶ء کو شروع ہوئی اور ۱۴۸۶ء کو ختم ہو گئی۔ کیونکہ مؤرخین کا اس بات پر اتفاق ہے اور دنیا کی تاریخ کی کتابیں گواہی دے رہی ہیں کہ رند لاشار جنگ ۱۴۸۶ء کو ختم ہوئی۔ جب تیس سال لڑی گئی تو اس کا آغاز ۱۴۵۶ء کو ہوا ہو گا۔

جنگ دابانی

گوہر جتنی کے ہیروں (شتر بچوں) کو میر گہرام نے ٹکڑے ٹکڑے کرایا تو ان کے بدلہ میں میر چاکر نے میر گہرام کے وگ (اونٹوں کے گلے) کو تہ تیغ کرادیا۔ جب یہ اندوہ ناک خبر میر گہرام کو پہنچی تو وہ غصہ سے بے قابو ہو کر میر چاکر سے جنگ کرنے پر تل گیا۔ ادھر جب میر چاکر کو اس کی جنگی تیاریوں کا حال معلوم ہوا تو اس نے بھی اپنے فوجی سرداروں کو طلب کر کے ان سے مشورہ کیا۔ میر مندو نے کہا کہ اگر میر گہرام سے جنگ لڑنا ہے تو طریقہ یہ ہے کہ عورتوں اور بچوں کو کوند کے محفوظ پہاڑوں میں پہنچا دینا چاہئے اور ہمیں یہ جنگ پہاڑوں اور چٹانوں کی آڑ لے کر لڑنا چاہئے۔ میر بیورغ نے بھی اس خیال کی تائید کی۔ میر میہان نے کہا کہ ہم اپنی جگہ سے کبھی نہ ہلیں گے اور یہیں گھروں میں بیٹھ کر کھلے میدان میں دشمن سے مقابلہ کریں گے۔

اس کے بعد میر چاکر نے اپنی فوج طلب کرلی۔ سب کے سب سروں پر خود رکھے ریشمی قبایئں پہنے گھوڑیوں پر سوار تھے اور ان کے ہاتھ فولادی دستانوں سے چھپے ہوئے تھے۔ یہ لوگ تلواروں تیر کمانوں ترکشوں اور دیگر ضروری ہتھیاروں سے لیس تھے۔ جنگ آزما بہادروں میں میہان، ریحان تلوار کا دھنی بیوزشہ، بجار، سوبھا، عالی میہاں، جام سحاق، ملن بیبتان، بیورغ، میر حسن اور میر براہم و میر محمد جیسی شخصیتیں شامل تھیں۔

ادھر میر گہرام نے بھی ایک لشکر جرار تیار کیا مزید امداد لینے کیلئے قبیلہ نوحانی کے پاس گیا۔ سردار عمر نوحانی نے جنگ میں ساتھ دینے کا وعدہ کر کے فوجی امداد دینے کے علاوہ سترہ سو بیل اور اٹھارہ سو دنبے اور ایک سو بوری گندم کا آٹا بھی دیا۔ چنانچہ بلوچی شاعر کہتا ہے کہ۔

ہبدہ صد پنذرو ہژدہ صد میش
گندیم درشت نیں صد گوالغ

بہرحال میر گہرام خان لاشار اپنے لاشاری بہادروں کے لشکر جرار کو لے کر مقررہ تاریخ پر میر چاکر کی فوجوں سے لڑنے کیلئے دابانی کے میدان میں پہنچ گیا۔

اُدھر سے میر چاکر خان رند بھی اپنی زبردست رندی فوج کے ساتھ میدان میں اترا اور فریقین کے بہادروں نے آمنے سامنے مورچے سنبھال لئے۔ دونوں طرف کے بہادروں کی شمشیریں نیاموں میں مچھلیوں کی طرح تڑپ رہی تھیں اور وہ ایک دوسرے سے دو دو ہاتھ کرنے کیلئے بے قرار نظر آرہے تھے۔

میر چاکر گھوڑی پر سوار ہو کر حملہ کرنے کی غرض سے میدان کی طرف بڑھنے لگا تو میر بیورغ نے کچھ سوچتے ہوئے آگے بڑھ کر میر صاحب کی گھوڑی کی باگ تھام لی اور کہا کہ اے چاکر خواہ مخواہ کی خونریزی ہماری اور لاشاری کی تباہی کا سبب بن سکتی ہے

سے میر گہرام کی گرج سنائی دی شاباش میرے لاشاری جانباز شاباش رند میدان میں کود پڑا ہے۔ آج اس کے چھکے چھڑا دو۔ میں خود اس کے مقابلے کیلئے آگے بڑھتا ہوں۔ ہر دو طرف سے بہادروں کو جوش دلانے کیلئے ڈھول بجنے لگے۔ دونوں طرف سے زبردست جنگ شروع ہوگئی۔ پہلے فریقین نے ایک دوسرے پر خوب تیر برسائے بعد ازاں فولادی تلواریں نیاموں سے نکل پڑیں۔ جنگ نے مزید شدت اختیار کرلی۔ خون کی ندیاں بہنیں لگیں۔ رندوں کا مشہور بہادر جاڑوجور جواب مارا گیا۔ میر حسن بھی ایک لاشاری کے تیر سے زمین پر گرگیا۔ دو رفیقوں کی موت نے میرچاکر کو برافروختہ کردیا۔ تیروں کی بوچھاڑ میں آگے بڑھا اور چلا کر بولا رند بہادرو میر حسن اور میرجاڑو کی روحیں تمہاری بہادری کا تماشا دیکھ رہی ہیں۔ آگے بڑھو اور دشمن کو کچل دو۔ رند بہادر یہ سن کر بپھرے ہوئے شیر کی طرح آگے بڑھے عالی خان رند نے تاک کر میر گہرام کو ایک تیر مارا جو اس کے پہلو میں پیوست ہوگیا اس کا بیٹا میر رامن لپک کر اس کے پیچھے سوار ہوگیا اور لاشاری سردار کو بچا کر لے گیا۔ دیگر لاشاری فوج کو رند بہادروں نے تلواوں پر دھرلیا۔ لاشاری فوج میں بھگدڑ مچ گئی اور شکست خوردہ ہوکر بھاگ کھڑی ہوئی۔ ان کے پیچھا کرنے سے رند بہادروں کو میرچاکر نے روک دیا۔ اس جنگ میں لاشار کے نو سو بہادر مارے گئے۔ رند فتح و نصرت کے شادیانے بجاتے ہوئے واپس ہوگئے۔

میرچاکر خان کا ایلچی قندھار میں

اس جنگ میں شکست کھانے کے بعد میرگہرام نے میرچاکر سے بدلہ لینے کیلئے زبردست تیاریاں شروع کردیں حاکم سندھ اور بھٹہ قوم کے پاس گیا تو انہوں نے بھی اسے فوجی امداد دینے کا وعدہ کیا۔



۔ ہماری آپس کی جنگ ہمیں کمزور کردے گی۔ یاد رکھنا یہ جنگ جو تم شروع کررہے ہو۔ اس کی انتہاء اور اس کا نتیجہ ہمارے دونوں فریقوں کے حق میں بے حد تباہ کن ثابت ہوگا۔ سوچو ہم اور لاشار آپس میں کیا ہیں۔ پھر اس نے میرچاکر کو جنگ سے روکنے کیلئے کہا کہ اے چاکر بس اب تلوار نیام میں کرلو ہم اور لاشاری آپس میں بھائی بھائی ہیں ہمیں آپس میں لڑنا نقصان دہ ہے۔ تم غصہ تھوک دو اور واپس چلو۔ میر چاکر نے کہا کہ یہ سب ٹھیک ہے لیکن مجھے اپنی رعایا کی نظروں میں ذلیل ہونا گوارا نہیں مجھے اپنے ناموس پر قربان ہونے سے مت روکو۔

جاڑو جور جواب اور ریحان نے آگے بڑھ کر کہا کہ اے بیورغ بس کر ہم جانتے ہیں کہ تو لاشاریوں کے زہریلے تیروں سے ڈرتا ہے اور ان کی فولادی تلواروں سے تجھے ہول آتا ہے۔ جب ہم اپنی تلواریں لڑائی کیلئے نیاموں سے نکالیں گے تو تجھے تلواروں اور تیروں کی زد سے دور بٹھائیں گے۔

یہ سن کر میربیورغ نے میرچاکر کی گھوڑی کی باگ چھوڑ دی اور ان سے کہا کہ بھائی جان تم نے غلط اندازہ لگایا ہے میرا مقصد اور تھا مگر تم نے میرے اصل مقصد کو میری بزدلی پر محمول کیا۔

سوگند گرانیں زرتگن
نام جناں نیں گپتگن
بیائے سروکاں گوں منن

یعنی میں نیز گن (باعصمت) خواتین کی عزت کی قسم کھاکر کہتا ہوں کہ اب تم سب آؤ۔ میدان جنگ میں سب سے آگے میں رہوں گا۔ ادھر سے میرچاکر نے نعرہ لگا کر گھوڑی بڑھائی اور للکار کر کہا کہ رند بہادرو شاباش آگے بڑھو اور دیکھتے ہی دیکھتے دشمن کو تہس نہس کردو۔ یہ سن کر رند فوج نے لاشاریوں پر یلغار کردی دوسری طرف

سیدی جانے کے شہزادی گراناز کو لے کر اپنے حریف اور جانی دشمن میر گہرام کے پاس گنداوہ چلا گیا اور وہاں پہنچ کر اس نے میر گہرام کو تمام احوال سے آگاہ کیا۔ میر گہرام نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا کہ اب آپ کسی قسم کا فکر نہ کریں۔ آپ دونوں میری امان میں ہیں۔ اب تمہیں کسی قسم کی تکلیف نہ ہوگی اور نہ تمہارا کوئی بال بھیکا کر سکے گا۔

میر گہرام کو یہ بھی معلوم تھا کہ قندھار کا حاکم اپنی اتنی بڑی بے عزتی پر خاموش نہ بیٹھا رہے گا۔ ضرور اس کی فوج بدلہ لینے کیلئے آتی ہوگی۔ اس خطرہ کے پیش نظر اس نے فورا" دس ہزار بہادروں کا ایک لشکر جرار درہ بولان پر متعین کردیا اور اس کے بعد نکاح خوان کو بلا کر میر بیورغ اور شہزادی گراناز کا نکاح پڑھا دیا اور انہیں اپنے محل میں ایک بہت عالیشان آراستہ و پیراستہ مکان بھی دے دیا۔

بلوچ حرف = خ = کو = ہ = اور حرف = د = کو = ز = کے مخرج سے ادا کرتے یعنی = خ = کو = ہ = اور = د = کو = ز = بولتے ہیں۔ اس لئے خیر کو = ہیر = خون کو = ہون = خدا کو = حذا = اور خان کو = ہان = کہتے ہیں جیسے جلالھان (جلال خان) عالمھان (عالم خان) لشکرہان (لشکرخان) جمالھان (جمال خان) وغیرہ وغیرہ بلوچی میں ہان کے معنی سردار کے ہیں۔

یہ خبر جب میر چاکر کو پہنچی تو میر صاحب نے بیرونی امداد حاصل کرنے کیلئے میر بیورغ کو امیر ذوالنون بیگ (ذنو) سلجوقی کے پاس اپنا ایلچی بنا کر بھیجا۔ اس نے امیر ذنو کے پاس پہنچ کر اسے تمام حقیقت سے آگاہ کرتے ہوئے میر صاحب کا پیغام دیا کہ آپ مہربانی فرما کر ہماری فوجی امداد کریں۔ میر گہرام ہم پر سمہ اور ہیتھ کی فوجیں چڑھا کر لا رہا ہے۔ اگر آپ نے ہماری امداد نہیں کی تو ہم ان کے ہاتھوں پس جائیں گے اسی طرح جو کچھ کہنا تھا کہہ دیا۔ تو امیر ذنو نے اپنے خدام کو حکم دیا کہ ہمارے معزز مہمان کو شاہی مہمان خانے میں نہایت عزت و احترام سے بٹھاؤ۔ پھر میر بیورغ کو کہا کہ فی الحال تم تھکے ہوئے ہو۔ آرام کرو۔ ہم اپنے فیصلے سے تم کو آگاہ کریں گے۔

میر بیورغ اور شہزادی گراناز

گراناز امیر ذنو کی چھوٹی اور پیاری چہیتی بیٹی تھی جس وقت میر بیورغ میر چاکر خان کا ایلچی بن کر امیر ذنو کے دربار میں پہنچا تو وہ اپنے والد کے ساتھ بیٹھی محو گفتگو تھی جب اس کی نگاہ میر بیورغ پر پڑی تو وہ اس پر فریفتہ ہو گئی اس وقت تو میر بیورغ کے دربار میں آنے کے بعد فوراً" چلی گئی مگر باہر جا کر اُس نے اوٹ لے کر میر بیورغ کے سراپا کو خوب غور سے دیکھا اور پھر مکمل طور پر اپنے دل کی گہرائیوں میں اسے جگہ دے دی۔ آخر کار اس نے اپنے راز دار باندھی کو میر بیورغ کے پاس بھیج کر اظہار عشق و محبت کر دیا۔ یہ سن کر میر بیورغ کا دل بھی محل کے سنہری کنگروں پر پرواز کرنے لگا۔

قصہ کوتاہ پروگرام کے مطابق مقررہ مقام پر گراناز کسی طریقہ سے رات کے وقت میر بیورغ کے پاس پہنچ گئی۔ میر بیورغ نفع و نقصان کو مد نظر رکھے بغیر شہزادی گراناز کو گھوڑی پر سوار کرکے اپنے وطن کی طرف چل کھڑا ہوا۔ بجائے اپنے گھر

میدان کارزار

یہاں سے بلوچی فوج درہ بولان پہنچ گئی اور وہاں سے ذنو کی فوج چنگھاڑتی ہوئی میدان میں آکر اتری فولادی تلواریں مچھلیوں کی طرح نیاموں میں تڑپ رہی تھیں بہادر گرج رہے تھے اور ایک دوسرے سے آمنہ سامنہ کرنے کیلئے بے تاب نظر آرہے تھے۔

میر گہرام نے اپنی فوج سے گرج کر کہا کہ اے میرے غیور جانبازو سن لو۔ ذنو کی قہاری فوج ہماری شجاعت اور بہادری کا امتحان لینے کیلئے قندھار سے چل کر یہاں آئی ہے۔ شاباش بہادرو حملہ آور پر باز کی طرح جھپٹو اور اس کے اوسان خطا کردو۔ انھیں ایسا سبق پڑھاؤ کہ پھر کوئی قندھاری ہماری طرف رخ کرنے کی بھی جرات نہ کرسکے۔

دونوں طرف سے فوجیں نعروں کی گونج میں آگے بڑھ کر ایک دوسرے سے گتھم گتھا ہوگئیں۔ سخت جنگ شروع ہوگئی۔ لوہے سے لوہے ٹکرانے لگا۔ چیخ و پکار اور آہ و فغاں سے کان پڑی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی اور خون سے خدا کی دھرتی سرخ ہوتی جارہی تھی۔ بلوچ بہادر نہایت جانبازی اور بہادری سے دشمنوں کو کاٹ رہے تھے۔ ذنو کی فوج بھی بڑھ چڑھ کر حملے کررہی تھی قندھاری فوج کا سپہ سالار میر گہرام اور میر عمر کے نرغے میں آگیا۔ تو انہوں نے اسے قتل کردیا۔ یہ دیکھ کر قندھاری فوج پیچھے ہٹنے لگی۔ آخر کار شکست کھا کر اور بے شمار لاشوں کو میدان جنگ میں چھوڑ کر بھاگ کھڑی ہوئی۔ میدان میں قندھاری فوج کے مقتول ہی مقتول نظر آرہے تھے۔

میر گہرام نے اپنی تلوار نیام میں ڈالتے ہوئے کہا کہ میرے بلوچ بہادرو تم کو فتح مبارک ہو۔ اب اپنے گھروں کو لوٹ چلو اور چل کر جشن مناؤ۔ بعد میں جو ہوگا سو دیکھا جائے گا۔



امیر ذنو کی برافروختگی

وہاں جب امیر ذنو کو معلوم ہوا کہ شہزادی گراناز میر بیورغ کے ساتھ چلی گئی ہے تو ہو بے حد برافروختہ ہوا۔ اس نے اپنی قہاری فوج کو حکم دیا کہ فوراً" میر بیورغ اور شہزادی گراناز کا تعاقب کیا جائے اور ان کو زندہ گرفتار کر کے میرے حضور لایا جائے۔ تاکہ ان کو عبرت ناک سزا دی جاسکے۔

یہ معلوم رہے کہ امیر ذوالنون بیگ کو بلوچ لوگ ذنو اور اس کی قندھاری فوج کو قہاری فوج کہا کرتے تھے۔

قہاری فوج کی روانگی

امیر ذنو کی قہاری فوج میر بیورغ اور شہزادی گراناز کے تعاقب میں نکلی تو ایک مخبر نے حاضر ہو کر میر گہرام کی خدمت میں عرض کیا کہ حضور والا قندھار کے بادشاہ امیر ذنو کی قہاری یا قندھاری فوج مار دھاڑ کرتی درہ بولان کی طرف بڑھتی چلی آرہی ہے۔ میر گہرام نے کہا کہ آنے دو۔ کوئی بات نہیں۔ جس گھڑی کا انتظار تھا وہ آہی گیا۔ نپٹ لیں گے۔ میر گہرام نے اپنے فوجی سرداروں کو طلب کر کے کہا کہ قندھار کا بادشاہ گراناز اور بیورغ کی روپوشی پر حواس کھو بیٹھا ہے۔ اب اس کی قہاری فوج نہایت جوش و جلال سے ہماری طرف بادو باراں کی طرح آرہی ہے۔ اب تم فوراً" تیار ہوجاؤ اور میدان کو قندھاری فوج کے خون سے لالہ زار کردو۔ یہ سن کر سب سردار اٹھ کھڑے ہوئے ان کے ساتھ میر گہرام بھی ہتھیار سجا کر اٹھ کھڑا ہوا اور آن کی آن میں ہزاروں بہادر جوانوں کے ساتھ درہ بولان کا رخ کیا۔ بہادر بلوچ ذنو کی ے نبرد آزما ہونے کیلئے شیر کی طرح دھاڑتے چلے جارہے تھے۔

کے مقابلہ کیلئے جمع ہو گئیں تھیں۔ بلوچی افواج ایک ہولناک جنگ لڑنے کیلئے پوری طرح تیار تھی۔ سویرے سویرے نقارے پر چوٹ پڑتے ہی تمام بلوچی لشکر حرکت میں آگیا۔ دونوں سرداروں نے کیمپ سے نکل کر ڈھاڈر کا رخ کیا اور بہادر بلوچوں کی ایک بہت بڑی فوج ان کے پیچھے فلک شگاف نعرے لگاتی اور دندناتی چلی جارہی تھی۔ ادھر امیر ذنو کو پل پل کی خبر پہنچ رہی تھی۔ اس نے بہت سوچ و بچار کے بعد جنگ کو بے سود اور بے مقصد سمجھ کر اپنی فوج کو واپس قندھار کی طرف کوچ کرنے کا حکم دیا۔

راستہ میں ایک ایلچی سوار میر چاکر خان اور میر گہرام کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا کہ میں شاہ قندھار امیر ذنو کا ایلچی ہوں۔ میرے بادشاہ نے کہا ہے کہ ہم نے میر چاکر اور میر گہرام کی فوجوں سے جنگ نہ کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ اب میری فوج واپس جارہی ہے۔ آپ خود کو پریشان نہ کریں اور بخیر و عافیت واپس ہوجائیں۔

میر چاکر اور میر گہرام یہ سن کر اپنی فوجوں کو لے کر نہایت خوشی و خرمی سے اپنے ٹھکانوں کو واپس چلے گئے۔

جنگ تلی

جب والپٹی کے میدان میں میر گہرام کو میر چاکر کے ہاتھوں شکست ہوئی تو اس نے میر چاکر سے بدلہ لینے کا ارادہ کیا اس نے اس بارے میں اپنے سرداروں سے مشورہ کیا تو ہر شخص نے اپنا اپنا مشورہ دیا۔ میر عمر نوحانی نے مشورہ دیتے ہوئے کہا کہ اس وقت ہمیں اپنے طاقتور ہمسایوں سے مدد لینی چاہئے۔ تو میر گہرام نے اس مشورہ کو بے حد پسند کیا۔ میر چاکر کو جب اس کی جنگی تیاریوں کا علم ہوا تو وہ خود بہ نفس نفیس چل کر میر گہرام کے پاس گیا اور اسے سمجھایا کہ آپ جنگ کی تیاری نہ کریں اس وقت

امیر دتو کی بہادر بلوچوں پر لشکر کشی

امیر دتو انتظار میں تھا کہ اس کی فوج ظفر سے بحال ہوئی واپس ہوگی مگر جب اسے معلوم ہوا کہ اس کی فوج بلوچ بہادروں کے ہاتھوں کٹ کر رہ گئی ہے۔ تو عالم غضب میں دھاڑنے لگا اور اپنے وزیر اعظم کو حکم دیا کہ تمام افواج کو تیاری کا حکم دیا جائے۔ فوج کو حکم دیا گیا۔ تیاری مکمل ہو گئی۔ امیر دتو نے اپنی فوج کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ اے میرے جانباز بہادرو ہم بلوچوں کو ایسا سبق پڑھانا چاہتے ہیں کہ وہ سات پشتوں تک یاد رکھیں۔ ہم ان گستاخ بلوچوں کیلئے قیامت کبریٰ برپا کریں گے۔ چلو اور ابھی ابھی کوچ کرو۔ ٹڈی دل سے قیامت کی گھٹائیں بلوچوں کے دیس کی جانب بڑھ رہی تھیں اور امیر دتو عالم غضب میں خود قہاری فوج لئے ہوئے بلوچستان کو تہس نہس کرنے کیلئے تڑپ رہا تھا۔

مخبر نے یہ اندوہناک خبر میر گرام کو آکر سنائی تو بہادر میر گرام نے گرج کر کہا کہ کوئی بات نہیں آنے دو ہم خود انتظار میں تھے۔ میر گرام نے اپنے بیٹے کو کہا کہ فوراً میر چاکر کو جا کر اطلاع دے اور اسے جا کر کہہ کہ میر بیورغ نے بے حد غلط قدم اٹھایا ہے اور اس نے امیر دتو کی بیٹی اغوا کی ہے اور وہ اس وقت ہماری امان میں ہے۔ دتو کی فوج ہمیں تہس نہس کرنے کے ارادے سے درہ بولان تک آ پہنچی ہے اور ان کا کمان خود امیر دتو کر رہا ہے۔ میر رامین نے فوراً میر چاکر کو اطلاع دی اور تمام احوال کہہ سنایا۔ تو میر چاکر نے اپنی فوج کو جمع کرنے کا حکم دیا اور دیکھتے ہی دیکھتے میر چاکر کی سرکردگی میں رندوں کا فوج ظفر موج گنداوہ کی طرف بہادر میر گرام کی فوج سے مل کر دتو کی فوج سے مقابلہ کرنے کیلئے چل پڑی۔

میر چاکر اور میر گرام اگرچہ ایک دوسرے کے سخت دشمن اور حریف تھے مگر اس وقت دتو کے مقابلہ کرنے کیلئے متحد ہو چکے تھے اور ان دونوں کی فوجیں مل کر دشمن

یعنی میں ٹھٹھہ کی فوجیں چڑھا لاؤں گا۔ جو ہاتھوں میں غضب کی آگ لئے ہوئے آئیں گی اور رندوں کو آگ لگا کر ایسا منتشر کردوں گا جیسے جنوبی ہوا جلتی آگ کو پھیلا دیتی ہے۔۔

بنگواں گراں نیں لوغاں موغ ناں نیں
تو سنے غاف دلی ترک د لیغیم بنت

یعنی اپنے دشمنوں کے گھروں کو جلا کر بھسم کردوں گا۔ ایسی آگ لگاؤں گا کہ اس کے دوست دہلی کے ترک بھی نہ بجھا سکیں گے۔

میر گہرام ٹھٹھہ چلا گیا۔ ٹھٹھہ کے حکمران نے اسے فوجی امداد دینے کا وعدہ کیا اور میر عمر کو بھٹہ سردار نے فوجی مدد دینا کیا۔ تاریخ مقررہ پر ٹھٹھہ اور بھٹہ کی فوجیں گنداوہ پہنچ گئیں۔ میر بیورغ کی طرح میر گہرام کا بزرگ والد میر نوز بندغ زرزوال (نہایت سخی) بے حد صلح جو اور امن پسند انسان تھا جب اس نے سمہ اور بھٹہ کی فوجیں اپنے بیٹے کی کمک میں دیکھیں تو حیران ہوگیا۔ اس نے اپنے بیٹے میر گہرام کو کہا کہ بیٹے کل تک تو تم دو بھائی لڑ رہے تھے۔ آج تم غیروں کو چڑھا لائے۔ اس کا نتیجہ کیا ہوگا۔ اگر چاکر کو شکست ہوئی اور رند ختم ہوگئے تو نقصان کس کا ہے تم میر چاکر سے جنگ نہ کرو اور میرا کہا مانو مگر میر گہرام نے ان کی بات نہیں مانی۔

میر گہرام جنگ کیلئے پوری طرح تیار ہوگیا۔ اس کے ساتھ دس ہزار فوج ٹھٹھہ کی اور پانچ ہزار فوج بھٹہ کی تھی اور اس کی اپنی فوج اس کے علاوہ تھی۔ اس نے میر چاکر کو جنگ کا پیغام بھیج دیا اور دونوں بلوچ فوجیں نلی کے میدان میں ایک دوسرے کے مقابل صف آراء ہوگئیں۔

میر گہرام نے اپنی فوج کا جائزہ لیتے ہوئے کہا کہ میرے جانباز بہادر جوانو خدا تعالیٰ

بلوچ قبائل آرام و آسائش کی زندگی گزار رہے ہیں۔ جنگ کی آگ ہم نے بڑی مشکل سے بجھائی ہے اسے دوبارہ ہوا نہ دیں۔ ہمارا پہلے بھی دونوں طرف سے ناقابل تلافی نقصان ہوا ہے۔

میر گہرام نے کہا کہ اے سردار تونے ہمارے نو سو آدمی قتل کر ڈالے ہیں۔ میری قوم بضد ہے کہ ہم ان کا بدلہ لیں گے۔ میں مجبور ہوں جنگ ہو کر رہے گی۔

میرچاکر میر گہرام سے مایوس ہو کر واپس ہوا تو میر گہرام نے کہا کہ میر صاحب اب ہم آپ سے میدان جنگ میں ملیں گے۔ میر صاحب نے کہا کہ جو خدا کی مرضی ۔ یہ کہہ کر میر صاحب مایوسی کے عالم میں واپس چلا گیا۔

صبح کو میر گہرام نے میر عمر کو جنگی امداد لینے کیلئے بھٹہ سرداروں کے پاس روانہ کیا اور خود سمہ حکمرانوں سے امداد لینے کیلئے ٹھٹھہ جانے کیلئے تیار ہو گئے۔ اس دوران چند اشعار بے ساختہ طور پر اس بہادر کی زبان پر آگئے جو اس کے خیالات و احساسات اور جذبات کی بہترین عکاسی کرتے ہیں۔

چھو نہ گمراہ کت ملک بیتھ
چھو منی مڑداں نہ مریں نیں

یعنی میر چاکر سچ مچ سمجھنے لگا ہے کہ شاید اس جیسا بادشاہ دنیا میں کوئی ہو ہی نہیں سکتا۔ وہ ہم لوگوں کو کسی کھاتے میں بھی نہیں سمجھتا۔

شاہ مناں باری اے دارو شے
ماں سمہ و بھٹی آں پہ چاری آں

یعنی خدا تعالیٰ مجھے کسی دن ضرور یہ موقعہ دے گا کہ میں اس پر سمہ اور بھٹہ کی

فوج چڑھا لاؤں۔ ٹھنھوی پوڑاں ماں سرار نیشاں
آساپہ چاپو آں ماں داراں



حوصلے بھی بڑھا رہا تھا۔ میر گہرام جانتا تھا کہ میر چاکر شمشیر زنی کا ماہر ہے اس کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا۔ اس لئے اس نے اپنے خاص دستے کو اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ شاباش میرے بہادرو چاکر نہ جانے پائے۔ یہ سن کر انہوں نے میرچاکر پر تیروں کی بارش کردی اس کی گھوڑی تیروں سے چھلنی ہوکر گر پڑی اور ساتھ ہی وہ خود بھی زخموں سے چور ہوکر گر گیا۔ میرچاکر کو گرتے دیکھ کر رند فوج میں بھگدڑ مچ گئی۔ اور وہ ذلت آمیز شکست کھا کر بھاگ نکلی۔ میرچاکر زخموں سے چور پڑا تھا کہ دفعتہ" میر گہرام کا والد بزرگوار میر نوز بندغ زرزوال آ پہنچا۔ اس نے اسے اٹھا کر اپنی پھول گھوڑی پر سوار کیا اور کہا کہ بہادر چاکر اب کسی طرف جلدی سے نکل جاؤ۔ دشمن تمہاری تلاش میں ہے۔ جاؤ جلدی جاؤ چاکر دیر مت کرو۔ میر نوز بندغ نے گھوڑی کو چھڑی لگائی اور وہ ہوا ہوگئی۔ میرچاکر گھوڑی کو بھگا کر صحیح و سلامت ایک پہاڑ چاکر تھنگ جسے کہتے ہیں اس کی چوٹی پر جا پہنچا۔

کوہستان مری میں ایک جگہ چاکر تھنگ ہے اور یہ پہاڑ کے اوپر ہے اور یہ پہاڑ چار ہزار فٹ اونچا ہے کہا جاتا ہے کہ یہاں پر اب تک میرچاکر کی زرہ پڑی ہے اور اس پہاڑ کی چوٹی تک کوئی نہیں جاسکتا۔ بلوچ لوگ یقین رکھتے ہیں کہ میرچاکر صاحب کرامت ولی تھے اور وہ اپنی کرامت کے زور سے وہاں پہنچے تھے اور بعد میں بھی ہمیشہ اس پر آیا جایا کرتے تھے۔

بریگیڈیر محمد عثمان حسن اپنی کتاب بلوچستان ص ۶۲ پر لکھتے ہیں کہ پہاڑ جس پر چاکر تھنگ ہے۔ اس کی چڑھائی واقعی مشکل ہے مگر یہ پرانی باتیں ہیں۔ اب لوگ وہاں آتے جاتے ہیں۔ ہم بھی وہاں گئے تھے مگر زرہ کا کوئی پتہ نہ چلا۔

میرچاکر کے نکل جانے کے بعد لاشاریوں نے اسے مقتولوں اور زخمیوں میں بہت تلاش کیا مگر اسے نہ پایا صرف میدان جنگ میں اس کی گھوڑی زخمی حالت میں پڑی



کے فضل و کرم سے آج ہم تعداد اور طاقت میں دشمن سے بہت زیادہ ہیں۔ شاباش میرے بہادرو گھوڑے بڑھاؤ اور نہایت جانبازی اور بہادری سے دشمن پر حملہ کردو اور ان کی تکا بوٹیاں کرکے رکھ دو۔ ادھر سے میرچاکر کی گرج سنائی دی۔ شاباش میرے جانباز بہادرو بہادری اور شجاعت کے جوہر دکھاؤ اور آگے بڑھ کر لاشاری فوج کو تہس نہس کرکے رکھ دو۔

دونوں طرف سے فوجیں حرکت میں آئیں نقاروں پر جنگی چوٹ پڑتے ہی رند لاشار ایک دفعہ پھر ایک دوسرے سے گتھم گتھا ہوگئے۔ لوہے سے لوہے ٹکرانے لگا۔ فولادی تلواروں سے چنگاریاں نکلنے لگیں۔ لاشے تڑپنے لگے۔ خون کی ندیاں بہہ نکلیں۔ زخمیوں کی آہ و فغاں سے آسمان پھٹا جارہا تھا۔ بہادروں کی ہاؤ ہو سے کان پڑی آواز نہیں سنائی دے رہی تھی۔ نعروں سے فضاء گونج رہی تھی۔ سنسناتے ہوئے تیروں کی بارش ہورہی تھی اور شمشیرزن بہادر اپنی شمشیرزنی کے جوہر خوب دکھا رہے تھے میرچاکر اور میرگہرام نہایت بے جگری سے لڑ رہے تھے۔ اس طرح رند اور لاشار کی یہ جنگ کئی دنوں تک جاری رہی رند بڑی بہادری سے لڑے مگر چونکہ تعداد میں تھوڑے تھے لاشار پر غالب نہ آسکے۔ میرہان خان شمشیرزن لاشاریوں کے نرغے میں آگیا۔ انہوں نے اسے گھیر کر بڑی مشکل سے قتل کردیا۔ میربیورغ گھوڑی بڑھا کر آگے نکلا تو میرگہرام اس کے مقابلہ میں آیا۔ دونوں بہادر سرداروں نے خوب داد مردانگی دی مگر ایسے عالم میں میرعمر نے کھینچ کر میربیورغ پر تیر پھینکا اور وہ بھی مارا گیا۔

میرچاکر نے دیکھا کہ اس کے بہادر ساتھی ایک ایک کرکے مارے جارہے ہیں تو اس پر سکتہ کی سی کیفیت طاری ہوگئی اگرچہ میرچاکر زخموں سے چور اور خون میں نہائے ہوئے تھا مگر اس کے باوجود گھوڑی پر سوار لڑ بھی رہا تھا اور اپنے جوانوں کے

باریابی حاصل کرنے کیلئے حاضر ہے۔ بادشاہ نے اس کے حاضر ہونے کا حکم دیا۔ میرابی بکر اپنے امراء کے ساتھ حاضر ہوا اور شاہی آداب بجالانے کے بعد بادشاہ کی خدمت میں تحفے تحائف پیش کئے۔ ان میں ایک قالین ایسا تھا جو سونے کے تاروں سے بنا ہوا تھا بادشاہ نے ان تحفوں کو بڑی بے توجہی سے قبول کیا کیونکہ یہ باتیں اس کی وعدہ وفائی میں رکاوٹ بن رہی تھیں اس کے بعد بادشاہ کی خدمت میں لاشاری وفد نے عرض کی کہ حضور ہم اس لئے حاضر خدمت ہوئے ہیں کہ ہماری آپس کی جنگ ہے۔ آپ دونوں فریقوں کے خیر خواہ ہیں اس لئے حضور کو غیر جانبدار رہنا چاہئے۔

بادشاہ کو لاشاری وفد کی باتیں درست معلوم ہوئیں۔ مگر وہ وعدہ کرچکا تھا۔ اب شش و پنج میں پڑ گیا کہ میر چاکر سے جان چھڑانے کیلئے کیا طریقہ اختیار کیا جائے اس موقعہ پر دفعتہ" بادشاہ کو ایک تجویز سوجھی اور پھر اس پر عمل کرنے کا ارادہ کیا۔ بادشاہ نے اپنے دربار میں میر چاکر کو بلالیا اور اسے کہا کہ ہمارے امراء فوجی امداد دینے سے پہلے آپ کے حربی کمالات اور فہم و تدبر کا امتحان لینا چاہتے ہیں۔ کیا آپ اس آزمائش کیلئے تیار ہیں۔ یہ سن کر میر صاحب اصل مطلب سمجھ گئے لیکن سوائے اس کے اور چارہ ہی کیا تھا۔ اس نے کہا کہ اگر بادشاہ کی مرضی یہی ہے تو مجھے کیا عذر ہوسکتا ہے اس وقت میر صاحب کے چہرے پر کسی قسم کے فکر و تردد کا نشان تک نہ تھا۔

بادشاہ نے میر چاکر سے سوال کیا کہ اے بلوچوں کے بہادر سردار بتائیے کہ اگر ایک آدمی تنہا ہو اور اس کی پاس ہتھیار بھی نہ ہو تو وہ اپنا بچاؤ کیسے کرسکتا ہے میر صاحب نے جواب دیا کہ ۔

دست و دل وزی انبرابی ہتھیارے کمی نین

یعنی مقابلے کیلئے اطمینان قلب ضروری ہے اگر حواس قائم رہیں تو ہاتھ اور دل خود اپنا ہتھیار ڈھونڈ لیتے ہیں ہتھیار وہی ہے جو ضرورت آنے پر میسر آجائے۔

تھی۔

تلی کی اس جنگ میں رندوں کے ستره سو بہادر مارے گئے جبکہ اس سے پہلی جنگ

دابانی میں لاشاریوں کے نو سو بہادر کام آئے تھے۔

میر چاکر اور شاه حسین

جب میر چاکر کے زخم ٹھیک ہوگئے تو اس نے چند سرداروں کو اپنے ساتھ لے کر ہرات کا رخ کیا۔ میر چاکر کا قافلہ ہرات کے قریب پہنچا اور بادشاہ کو ان کے آنے کی خبر ہوئی تو اس نے اپنا ایک معزز سرداران کے استقبال کیلئے بھیجا اور پھر بڑی عزت سے اپنے ہاں ٹھہرایا۔ ہرات پر ان دنوں تیمور نسل کا بادشاہ شاہ حسین بیقارہ حکومت کرتا تھا۔ اس سے میر چاکر کے تعلقات بے حد اچھے تھے۔ اس نے میر چاکر کی خیریت پوچھی اور اس کے بعد سیاسی اور ملکی حالات کے متعلق بادشاہ نے دریافت کیا۔ تو میر چاکر نے اپنے اور میر گہرام میں ہونے والی جنگ کے احوال سنا کر اس سے فوجی امداد کی اپیل کی بادشاہ نے افسوس کرتے ہوئے کہا کہ ٹھٹھہ کے حکمران جام فیروز سمہ اور بھٹہ کو پرائے پھٹے میں ٹانگ اڑانے کی کیا ضرورت تھی۔ یہ ان کی سراسر زیادتی ہے اس کے بعد میر صاحب نے بادشاہ کے حضور گراں قدر تحفے پیش کئے اور بادشاہ نے اپنی فوج ہمراہ کردینے کا وعدہ کیا۔

ادھر جب میر گہرام کو معلوم ہوا کہ میر چاکر شاہ حسین بیقارہ کے پاس فوجی امداد لینے ہرات گیا ہے تو اس نے اپنے بہادر بیٹے میرابی بکر کو قیمتی تحائف دے کر اور اپنا ایلچی بنا کر میر چاکر کے تعاقب میں ہرات روانہ کردیا اور عین اسی وقت جبکہ میر چاکر شاہ حسین بیقارہ کے دربار سے فوجی امداد کا وعدہ لے کر نکل رہا تھا۔ نقارے پر چوٹ پڑی اور چوبدار نے پکار کر کہا کہ لاشار قبائل کے سردار کا ولی عہد میرابی بکر شرف

ہے اور میرے پاس ذہن ' سامنے
دیکھ سات کنویں ہیں جن کا منہ
ہوشیاری سے ڈھکا ہوا ہے اور
ان کے اندر فولادی نیزے گڑے
ہوئے ہیں۔ خبردار دوستوں اور
دشمنوں کے سامنے خاموش کھڑا رہ
اور دم تک نہ ہلا' اور ان کنوؤں
پر ہشیاری سے چھلانگیں لگا کر گزر

گھوڑا یہ سن کر بے حد نرم پڑ گیا۔ میر چاکر لپک کر اس پر سوار ہوگیا اور سرپٹ دوڑا کر دربار عام سے باہر لے گیا اور پھر واپس لے آیا۔ دربار تالیوں سے گونج اٹھا۔

بادشاہ نے کہا کہ شاباش رند سردار آپ اس آزمائش میں بھی پورے اترے ہیں۔ بادشاہ تیسری بار میر صاحب کو کسی دوسری آزمائش میں ڈالنے کیلئے تیار نہ تھا مگر لاشار امراء نے بادشاہ کو پھر رشوت کے طور پر قیمتی چیزیں پیش کیں۔

جس پر بادشاہ نے تیسری بار بھی میر چاکر کو آزمانا چاہا۔ اس کے بعد بادشاہ نے میر چاکر سے کہا کہ میرا ایک طاقتور اور خونی شیر ہے میں نے تیری تلوار کی شہرت سنی ہے۔ لہٰذا اپنی تلوار کو اس شیر پر آزماؤ۔ میر صاحب نے کہا کہ اسے لاؤ۔ ایک بڑا آہنی پنجرہ لایا گیا۔ تمام لوگ مکانوں اور دیواروں پر چڑھ گئے۔ صرف رندوں کا بہادر سردار میر چاکر میدان میں تن تنہا کھڑا رہ گیا۔ میر صاحب کے چہرے پر فکر و تردد کا کوئی نشان نہ تھا۔ تین دن کے بھوکے شیر کو کھول دیا گیا تو شیر دھاڑتا ہوا میر چاکر پر حملہ آور ہوا۔ رند سردار نے تلوار نیام سے نکالی اور ایک ہی وار سے شیر کے دو ٹکڑے کردیئے۔ رندوں کے بہادر سردار کو اس دفعہ بھی فتح ہوئی تو ہر طرف سے

بادشاہ نے میر صاحب کے ہتھیار لے لئے۔ اور اس کے تمام ساتھیوں کو بھی نہتا کردیا۔ اور ان کو ایک میدان میں لے گئے۔ بادشاہ اور ارکان حکومت تماشا دیکھنے کیلئے دیوان عام کی چھت پر چڑھ گئے اور میر صاحب سے کہا کہ آپ اپنی بہادری اولوالعزمی اور مستقل مزاجی کے ثبوت دینے کیلئے یہاں ٹھہرے رہیں۔

اسی اثناء میں ایک بدمست خونی ہاتھی لایا گیا۔ جس نے چھوٹتے ہی میر صاحب پر حملہ کردیا۔ رند سردار نے دائیں بائیں دیکھا اسے اور تو کوئی چیز نہ ملی ایک کتیا پاس لیٹی ہوئی تھی۔ میر صاحب نے اسے ٹانگ سے پکڑ کر ہاتھی کے سونڈھ پر دے مارا۔ کتیا ہاتھی کے سونڈھ سے چمٹ گئی اور ہاتھی چنگھاڑتا ہوا واپس بھاگ گیا چاروں طرف سے واہ واہ کا شور بلند ہوا اور سردار صاحب فاتحانہ انداز میں میدان سے باہر نکل گیا۔

پھر بادشاہ نے کہا کہ اے بہادر سردار شاہی اصطبل میں ایک سرکش گھوڑا ہے۔ دوستوں اور دشمنوں کے سامنے اس پر اس جگہ سواری کرکے دکھاؤ۔ میر صاحب نے بلا کسی تردد کے فرمایا کہ لے آیئے۔ میں اس پر سواری کروں گا۔ چنانچہ سات آدمی فولادی لگام تھامے گھوڑے کو لے آئے اور اندھے کنویں کے پاس لا کر کھڑا کر دیا۔ گھوڑے نے اچھلنا کودنا شروع کردیا۔ میر صاحب گھوڑے کے قریب آئے اور کہا کہ تم گھوڑے کو چھوڑ دو اور سب چلے جاؤ۔ میر صاحب نے گھوڑے کو تھپتھپایا اور اس کے کان میں سرگوشی کرتے ہوئے کہا کہ۔

اے گھوڑے تم دلدل کی اولاد ہو
اور میں ٹھیک بزرگ کا بیٹا ہوں
تیرے ساتھ جبر کیاجارہا ہے اور میرے
ساتھ بے ایمانی 'تیرے پاس قوت



ہتھیار بند تھے اور ادھر لاشار بھی پوری طرح تیار تھے رند سردار نے میدان جنگ میں نگاہ کی تو اسے ہر طرف اپنی فوج ہی فوج نظر آئی۔ زنو کی قہاری فوج اور اپنی رندی فوج دیکھتے ہوئے اس نے اپنی فوجی طاقت اور کثرت پر بھروسہ کرتے ہوئے میر گہرام کو خطاب کرتے ہوئے کہا کہ اے گہرام تم ایک مرتبہ اپنے کھیل میں کامیاب ہوئے اور رندوں کی تیز رفتار گھوڑیوں کو ہلاک کیا انتقام کو یاد رکھو کیونکہ دیگر رندوں کے علاوہ تم نے بنگی 'میر حسن مولاناغ' ابن نودک ' آدم ' احمد ' میر بیورغ اور عظیم الشان کلو جیسے بہادروں کو قتل کیا۔ اب میں ایک بہادر انسان ہونے کی حیثیت سے تم پر ٹوٹ پڑوں گا۔ ہم تیز رفتار گھوڑیوں والے رند ہیں۔ اب ہم تمہیں پھونک دیں گے۔

اسی طرح میر گہرام نے بھی اپنے لشکر کی طرف نگاہ کی تو سمہ ' بھٹہ اور لاشاریوں کی مشترکہ فوج کو ایک ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر پایا اور فرطِ مسّرت سے قہقہہ لگا کر کہا کہ آہا ہماری فتح کیسی فتح تھی۔ جب میں نے اپنے دشمنوں پر بلہ بول کر رگید دیا تھا۔ چاکر بھاگ کر مخروطی چٹان پر چڑھ گیا تھا اور میر مندو کے پیارے بیٹے نے پیٹھ پھیری تھی اس دفعہ بھی میں وہی گہرام ہوں۔ جنگ میں رندوں کا نام و نشان مٹا دوں گا۔ رند و لاشار کی فوجیں ایک دوسرے کے آمنے سامنے صف بستہ ہوگئیں تو میر گہرام نے اپنی عظیم فوج سے یوں خطاب کیا۔ میرے جانباز بہادرو۔ ہوشیار ہوجاؤ۔ رند اپنی خفت مٹانے کیلئے ترکوں (زنو کی قہاری) فوج لے کر چڑھ آیا ہے۔ ترک فوج سے تم واقف نہیں ہو اور رندوں سے تم گزشتہ جنگیں لڑ چکے ہو۔ آج پھر تمہاری تلواروں کی زد میں ہیں۔ انہیں ایسا سبق پڑھاؤ کہ پھر بھول کر بھی ادھر کا رخ نہ کریں اسی طرح میر عمر اور میر رامن نے بھی فوج سے خطاب کیا اور ان کو جوش دلایا۔

ادھر سے میر چاکر کی گرج سنائی دی اور وہ کہہ رہا تھا کہ اے میرے شیر دل بہادرو گزشتہ جنگ میں ہم طاقت اور قوت میں دشمن سے بہت کم تھے۔ آج خدا تعالیٰ

آفرین صد آفرین کی صدائیں بلند ہوئیں۔

ان آزمائشوں کے بعد شاہ حسین ہمقارہ میر چاکر کی شرافت بہادری اور بے باکی سے بے حد متاثر ہوا اور پھر اس نے میر چاکر اور اس کے رفیقوں کو اپنے دربار میں خاص دعوت دی اور ان کو بہت انعام و اکرام سے نوازا اور شجاع الدین ذوالنون بیگ (ذنو) حاکم قندھار کے نام ایک فرمان جاری کیا کہ ترکوں کا لشکر جرار لے کر میر چاکر خان رند کے ہمراہ بلوچستان جائے اور لاشار کو فیصلہ کن شکست دے کر رندوں کا بدلہ لے لے۔

میر چاکر بادشاہ سے رخصت ہو کر قندھار پہنچا اور ترکوں (مغلوں) کا ایک بہت بڑا لشکر امیر ذنو کی سرکردگی میں لے کر روانہ ہوا اور کاہا کاہ کرتا ہوا سیوی (سبی) پہنچا۔ امیر ذنو کی قیادی یا قندھاری فوج پھر ایک دفعہ سیوی کے میدان میں دکھائی دینے لگی۔

رند لاشار کی آخری جنگ

کچروک کے میدان میں

میر گہرام نے بھٹہ، سمہ اور اپنی فوجیں رندوں سے جنگ لڑنے کیلئے گنداوہ میں لاکر جمع کیں۔

میر چاکر نے بھی ذنو کی قیادی فوج اور رندی لشکر کو سبی میں لے آکر اکٹھا کیا۔ اس کے بعد فریقین کی فوجیں ایک ہولناک جنگ لڑنے کیلئے کچروک کے میدان میں پہنچ گئیں۔

ایک طرف رندوں اور ترکوں کا بے قیاس فوج تھی اور دوسری طرف جام فیروز سمہ، بھٹہ اور لاشار کا مشترکہ عظیم لشکر تھا۔ رندوں کے چہرے جوش انتقام سے

میر بندغ نے پانی مانگا میری چاکر نے اپنی چھاگل سے اس کے حلق میں پانی ٹپکایا۔
میر نوزبندغ میں ابھی جان باقی تھی۔ اس نے آنکھیں کھول کر اور میرچاکر کو پہچان کر کانپتی ہوئی آواز میں کہا چاکر بیٹا اگر جنگ کا پانسہ پلٹ جائے تو خاندان کی عورتوں کا خیال رکھنا کہ ہماری عزتیں اور ناموس آپ کی عزتیں اور ناموس ہیں۔ آنچ نہ آنے پائے۔ میرچاکر نے کہا کہ چچا جان آپ بے فکر رہیں اگر مجھے فتح ہوئی تو میں آپ کے خاندان کی مستورات اور بچوں کا ہر طرح کا خیال رکھوں گا۔ میر نوزبندغ زرزوال نے کہا کہ شکریہ بیٹا میرے کلمہ کے گواہ رہو **لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ** ہچکی لی اور جان جان آفرین کے سپرد کردی۔ اس کے بعد خان اعظم میر چاکر خان نے کہا کہ پیردزشہ اس بزرگ کی لاش میرے خیمہ میں لے جاؤ اور نہایت عزت و احترام سے جاکر رکھو۔

ادھر میر گہرام کو جب اپنے والد بزرگوار کا حال معلوم ہوا تو اس پر رنج و غم کے بادل چھاگئے۔ ایک آہ کھینچ کر کہا کہ اف خدایا میرا شفیق اور بزرگ والد ہمیشہ ہمیشہ کیلئے مجھ سے بچھڑ گیا۔ آہ ابا جان آپ کے بغیر جینا بے کار ہے۔ یہ کہہ کر بہادر گہرام خان نہایت پامردی اور بہادری سے تلوار چلانے لگا میدان جنگ میں ایک دفعہ پھر جان پڑ گئی اور اس کے بہادر ساتھی جان توڑ کر لڑنے لگے۔

ادھر میر چاکر نے پکار کر کہا کہ شاباش بہادرو دشمن تھک چکا ہے۔ یہ اس کی آخری کوشش ہے آگے بڑھو اور تیس سال کی طویل جنگ کو اسی لمحے ختم کردو۔ ادھر سے میر گہرام کی درد بھری آواز سنائی دی۔ میرے جانباز بہادرو لاشار کے ناموس کی لاج رکھو۔ تمہاری تھوڑی سی غفلت تمام لاشاریوں کو موت کے منہ میں جھونک سکتی ہے۔

اسی اثناء میں رند بہادروں کی طرف سے تیروں کی بے پناہ بارش شروع ہوگئی۔

کے فضل و کرم سے ہم تعداد اور طاقت میں زیادہ ہیں۔ دشمن پچھلی فتح کے گھمنڈ میں آج بھی بڑے فخر و غرور سے سر اٹھائے چلا آیا ہے۔ ان سے اپنے مقتولوں کا بدلہ لینا ہے۔ انہوں نے تمہارے بے شمار بہادروں کو مار ڈالا ہے۔ ایک ایک کے بدلہ میں ان کے بیٹکڑوں کو کاٹ کر رکھ دو۔ اسی دوران دونوں فوجیں ایک دوسرے کے محاذ پر تھیں۔ گھوڑوں کے ہنہنانے اور سپاہیوں کے شور و غل سے کان پڑی آواز بھی سنائی نہیں دیتی تھی۔

خان اعظم میرچاکر خان اور خان بہادر میر گہرام خان کا جھنڈا حرکت میں آیا۔ نقاروں پر جنگی چوٹ پڑی دونوں طرف سے حملہ شروع ہوگیا۔ تلواروں کی کھٹا کھٹ نیزوں اور تیروں کی بارش اور مار دھاڑ کے شور و غل سے قیامت برپا ہوگئی تھی۔ رند لاشار جنگ جو آج سے تیس سال پہلے شروع ہوئی تھی آج پورے شباب پر تھی۔ لاشے تڑپنے لگے، خون کی ندیاں بہنے لگیں۔ چاکر اعظم اور ان کے بہادر ساتھی انتہائی بے جگری سے لڑ رہے تھے۔ جدھر رُخ کرتے صفوں کی صفیں اُلٹ دیتے تھے۔ میر نوز بندغ زرزوال جو ضعیف العمر ہونے کے باوجود لڑ رہا تھا۔ ترک فوج کے نرغے میں آگیا خان بہادر میر گُہرام خان نے اپنے بہادروں سے کہا کہ بائیں طرف زور کرو اور ابا جان کو بچانے کی کوشش کرو میر چاکر نے جب بوڑھے بہادر میر نوز بندغ زرزوال کا یہ حال دیکھا تو گھبرا کر کہا کہ میر نصرت ذرا میر نوزبندغ ترکوں کے نرغے میں ہیں اس بزرگ مرد کا مرنا میں پسند نہیں کرتا اسے ہر قیمت پر بچاؤ۔ اسی اثناء میں میر نوزبندغ پر تیروں کی بارش کردی گئی اور وہ چھلنی چھلنی ہو کر گر پڑا۔ چاکر اعظم انہیں سنبھالنے کیلئے لپکے اور سپاہیوں کو ڈانٹ کر کہا کہ ہٹ جاؤ اس بزرگ مرد کو چھوڑ دو۔ یہ میرا محسن ہے، اس نے پہلی جنگ میں جبکہ میں زخموں سے چور تھا۔ مجھے اپنی گھوڑی پر سوار کرکے روانہ کیا تھا۔

واپس ہو کر اچانک [illegible]

میر گہرام کے بہادر بیٹے میر رامن اور میر الی کرا اپنے شکست [illegible]
کو مزید تباہی سے بچانے کی خاطر انہیں متحد کر کے ٹھٹھہ کی طرف روانہ [illegible]
چاکر کی فوج بھی ان کے تعاقب میں بڑھتی رہی۔ یہاں تک کہ وہ ٹھٹھہ کے [illegible]
جا پہنچے تو میر رامن نے یہاں سے اپنے بھائی میر الی کو [illegible]
(گجرات) کی طرف روانہ کردیا اور خود اپنی بچی کچی فوج لے کر میر چاکر کی [illegible]
طرف متوجہ ہوا۔ ٹھٹھہ کے قریب جو مقام اب "رامن اوتھل" کے نام سے [illegible]
ہے۔ یہاں پر میر رامن اور میر چاکر کی فوجوں کے درمیان شدید جنگ ہوئی [illegible]
رامن انتہائی پامردی کے باوجود میر چاکر کی فوج کو شکست نہ دے سکا اور [illegible]
ہزیمت اٹھا کر خود بھی بڑودہ (ہندوستان) کی طرف چلا گیا۔

جو جنگ تیس سال پہلے شروع ہوئی تھی۔ وہ آج لاشاریوں کی [illegible]
کر ختم ہوئی۔ لاشاری جو نہایت بہادر بلوچ قبائل میں سے تھے۔ شکست کھانے کے
بعد در بدر ہوگئے۔ اور ان کی قومی حیثیت بھی جاتی رہی۔ آج ان کو [illegible]
بھی کوئی شخص تیار نہیں۔

اس جنگ کے بعد فاتح رندوں کو بھی چین نصیب نہ ہوئی وہ بھی [illegible]
(بلوچستان) کو چھوڑ کر پنجاب کی طرف بکھر گئے ان کی طاقت و شجاعت اور ان کا اتفاق
و اتحاد قصہ پارینہ بن کر رہ گیا۔

نہ وہ رند و لاشار رہے نہ ان کی بہادری رہی
سب بکھر گئے نہ ان کی شجاعت و دلاوری رہی

ایک تیر شائیں کرتا ہوا آیا اور میر گہرام کے سینے میں پیوست ہوگیا۔ سنسناتا ہوا ایک دوسرا تیر آیا اور اس کے پہلو سے پار ہوگیا۔ اف خدایا دشمن کا مقصد پورا ہوگیا۔ یہ کہہ کر میر گہرام گھوڑے سے گر پڑا۔ میر عمر نے کہا دوڑو دوڑو میر گہرام کو بچالو مگر میر گہرام ایسے اولوالعزم جری اور بے مثال بہادر کو موت کے آہنی پنجے سے کوئی نہ بچاسکا۔ اور وہ بہادر اپنی بہادری اور شجاعت کے جوہر دکھاتا ہوا میدان کارزار کی نذر ہوگیا۔

رندوں کا لشکر پوری شدت کے ساتھ لاشاری فوج پر حملہ آور ہوا۔ بغیر سردار کے لڑنے والی فوج شکست خوردہ ہوکر پیچھے ہٹنے لگی۔ چاکر اعظم کے لشکر میں فتح کا نقارہ بجنے لگا۔ لاشاری فوج مسلسل پسپا ہوتی جارہی تھی اور آخر کار شکست خوردہ ہوکر بھاگ کھڑی ہوئی۔ رند بہادر اس کا پیچھا کرنے لگے تو میر چاکر نے ان سے کہا کہ خبردار بھگوڑوں کا تعاقب مت کرو۔ ایک ترک سردار نے کہا کہ اے سردار اگر ان کا تعاقب نہ کریں گے تو مال غنیمت کہاں سے ملے گا۔ میر صاحب نے فرمایا کہ مال غنیمت سے میں منع نہیں کرتا مگر لاشاری میری قوم ہے ان کا ناموس مجھے اپنی جان سے زیادہ عزیز ہے۔ ہاں جام فیروز سمہ اور بھٹہ کے لشکریوں کا خوب تعاقب کرو اور جو مرضی آئے سو کرو۔

رند لاشار کی اس ہولناک جنگ میں رندوں کے ہاتھوں لاشاریوں کو زبردست شکست ہوئی۔ رند بہادروں نے لاشاری بہادروں کو اپنی فولادی تلواروں سے گاجر مولی کی طرح کاٹ ڈالا۔ میدان جنگ لاشاری بہادروں کی لاشوں سے پٹا پڑا تھا اور کچروک کا میدان خون سے تر بتر ہوچکا تھا۔

اس کے بعد میر چاکر نے ترکوں کی فوج کو انعام و اکرام دے کر اور انہیں خوش کرکے رخصت کردیا اور خود اپنی فوج لے کر بقایا لاشار کی طرف متوجہ ہوا کہ کہیں وہ



کہلاتے تھے۔ اسی طرح جو جو قبائل میر چاکرخان رند کے ساتھ اس جنگ میں شریک تھے وہ سب رند کہلاتے تھے اور وہ اسی نام سے معروف تھے۔ اسی لئے کوہ سلیمان اور اس کے دامانی علاقوں کے رہنے والے بلوچ قبائل رند ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ رند کہنے اور کہلانے سے ایک قسم کی برتری' اعلیٰ نسبی اور بلند مرتبتی کا احساس دل پر چھا جاتا ہے۔ لفظ "رند" بہادر جانباز شمشیر زن بے باک نڈر باغیرت و باحمیت اور داد رس شخصیت کیلئے بولا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ بلوچوں کے جس قدر اپنے قومی قوانین ہیں ان کو رائے رندی (رندی قوانین) کہا جاتا ہے اور انصاف پر مبنی فیصلے چاکری فیصلے کہلاتے ہیں۔

پنجاب کی طرف بلوچوں کی ہجرت

خشک سالی کے سبب رند اور لاشار قبائل جب نویں صدی ہجری میں اپنے سابقہ ٹھکانوں سے سیوی (سبی) اور گنداوہ کی طرف روانہ ہوئے تھے۔ تو چند دوسرے قبائل اپنے اپنے سرداروں کی ماتحتی میں پنجاب کی طرف چلے آئے تھے۔

ملتان اور بکھر کے گرد و نواح میں لتہ قوم نے لوٹ مار سے ایک قیامت بپا کررکھی تھی۔ کوئی شخص امن و چین سے زندگی بسر نہیں کرسکتا تھا۔ ایک دن حضرت شیخ حمید الدین حاکم قریشی رحمتہ اللہ علیہ خوش بیٹھے تھے کہ چند مریدوں نے حاضر ہوکر عرض کی کہ یا حضرت ہم لتہ قوم کے لٹیروں اور ڈاکوؤں کے ہاتھوں سخت پریشان ہیں۔ دعا فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ ان ظالموں سے نجات دے۔ آپ کچھ دیر خاموش بیٹھے رہے۔ اس کے بعد مغرب کی طرف رخ کرلیا۔ ایک سندھی فقیر جو آپ سے کافی بے تکلف تھا اس نے عرض کیا کہ یا حضرت، مغرب کی طرف سے ٹھنڈی ہوا چل رہی ہے شاید جناب نے اسی وجہ سے اس جانب منہ کرلیا ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ یہ بات نہیں بلکہ لتہ قوم کے لٹیروں اور ڈاکوؤں کو ختم کرنے کیلئے اپنے شیر بگھان (شیر کے

رند لاشار جنگ میں شریک قبائل

تیس سالہ رند لاشار جنگ میں کچھ بلوچ قبائل نے میر چاکر کا ساتھ دیا اور کچھ نے میر گہرام کا اور کچھ غیر جانبدار رہے جن جن قبائل نے میر چاکر کا ساتھ دیا ان کے نام یہ ہیں۔

رند ، چاکرانی ، میرانی ، اللہ دادی ، میر دادی ، بجارانی ، نوحانی ، بگرانی ، مجمرانی ، ذو بکی ، براہمانی ، ریحانی ، نوشیروانی ، عالیانی ، سندرانی ، بیستانی ، نندوانی ، حیدرانی ، گورشانی ، فروزی ، کھیازئی ، مریدانی ، قیصرانی ، جمالانی ، لغاری ، کلوئی ، جسکانی ، فیروزانی ، رخشانی ، ذراری ، سیاہ لاف ، کلمتی ، میرالی ، بلفت ، جنگلانی ، رستمانی ، سارنگانی ، آسکانی ، مستیانی ، عمر زئی ، بابرانی ، لنڈ ، جاودانی ، رابیجہ ، گنگوری ، دشتی ، ہوتکانی ، کیری ، عبدانی ، دریشک ، یوسفانی ، شہکانی ، علی خانی ، گرگیج ، شاہل زئی ، پڑیہ بندی ، بج ، عباسانی ، متدوانی ، حسانی ، گرگیڑ ، پندرانی گرگیڑ ، جلبانی ، مسوری ، ہڈگری ، گبول اور سریانی۔

اس جنگ میں میر گہرام کا ساتھ دینے والے قبائل کے نام یہ ہیں۔

لاشاری ، چھک ، شہدانی ، رشیدانی ، ملکانی ، چھتانی ، بنگلانی ، میردادانی ، مبارکانی ، میرنانی ، نوحانی ، مجمرانی ، دیدادانی ، حاروانی ، موسانی ، نوحکانی ، سوریانی ، سلارانی ، پیر محمرانی ، بجارانی ، مزارخانی ، کمالانی ، جاگوانی ، سلمانی ، توہم خانی ، اخوانی ، عالیانی ، شاہوانی ، بہرامانی ، ہڈیانی ، نوطہ بندیانی ، چاروانی ، بگرانی ، جلالانی ، سمیلانی ، سلامانی ، منگھیانی ، طلقانی ، گمسی اور نوکلانی۔

اس جنگ میں شریک تمام قبائل اپنے اپنے سرداروں کے ماتحت اپنے اپنے جھنڈے لئے ہوئے میر چاکر اور میر گہرام کی فوجوں میں شامل تھے۔ جس قدر بلوچ قبائل اس جنگ میں میر گہرام خان لاشاری کے ساتھ شریک تھے وہ سب لاشاری

لاہور تک چھائے ہوئے تھے۔ لاہور اور بھیرہ میں ان کا طوطی بول رہا تھا۔ بابر نے بلوچوں کو اپنے ساتھ ملانے کیلئے اپنا ایک مصاحب حیدر علمدار نامی کو ان کے پاس بھیجا۔ چنانچہ ان مقامات کے بلوچ سردار شہنشاہ بابر کی خدمت میں حاضر ہوئے اور نذرانے پیش کرکے اپنی اطاعت کا اظہار کیا۔ بابر نے ان کی جاگیریں بحال رکھیں اور پھر آگے بڑھ گیا۔ لاہور اور اس کے گردو نواح میں بلوچ سردار اتنا سیاسی اقتدار حاصل کرچکے تھے کہ جسے چاہتے لاہور کا صوبیدار بنادیتے اور جسے چاہتے ہٹا دیتے تھے۔

ایسے حالات میں جبکہ لاہور اور بھیرہ میں بلوچوں کا طوطی بول رہا تھا۔ بلوچوں کا ایک اور قافلہ پنجاب کی طرف بڑھا۔ ان دنوں ملتان پر سلطان حسین لنگاہ بادشاہی کرتا تھا۔ اسے آئے دن بغاوتوں اور شورشوں سے واسطہ پڑتا تھا۔ بادشاہ حسین لنگاہ نے بغاوتوں سے پیچھا چھڑانے اور اپنی طاقت بڑھانے کیلئے اپنے قدیمی دوستوں سردار سہراب خان دودائی اور سردار اسماعیل خان ہوت کو ملتان آنے کی دعوت دی۔ یہ لوگ مکران سے ہزاروں جانباز بلوچ جوانوں کو اپنے جلو میں لئے ہوئے ملتان پہنچے۔ تو بادشاہ نے دین کوٹ سے کوٹ کروڑ تک کا علاقہ ان کو دے دیا۔

جب یہ خبر بلوچستان پہنچی تو سردار حاجی خان میرانی بھی اپنے جواں سال بیٹے سردار غازی خان اور اپنے قبیلے کے سینکڑوں کڑیل جوان ہمراہ لے کر ملتان پہنچ گیا۔ بادشاہ نے اسے بھی ہاتھوں ہاتھ لیا اور کوٹ کروڑ سے سیت پور تک کا علاقہ کوہ سلیمان کے دامن تک اسے دے دیا۔

جب کوہستانی بلوچوں کو ان نئے قابضین کا علم ہوا تو وہ بگڑ گئے اور اپنی اپنی گھاٹیوں سے نکل کر دریائے سندھ تک پھیل گئے۔ سردار حاجی خان کو اپنی ریاست پر قبضہ کرنے کیلئے ان سے کافی جنگیں لڑنا پڑیں اور اس نے اتنے قبائلی قتل کئے کہ ان کے خون سے دریائے سندھ کا پانی سرخ ہوگیا۔

بچوں) کو بلا رہا ہوں۔ آپ کے اس ارشاد کے کچھ عرصہ بعد بلوچ قوم گروہ در گروہ اس طرف بڑھنا شروع ہوئی اور اس نے لٹہ قوم کے ان ڈاکوؤں اور لٹیروں کو بالکل ختم کر دیا۔

شیخ حمید الدین کیچ مکران کے بادشاہ تھے انہوں نے بادشاہت ترک کر کے درویشی اختیار کی تھی اور کیچ مکران کو چھوڑ کر لاہور چلے گئے اور اپنے نانا حضرت سید احمد توختہ علیہ الرحمتہ کی خدمت میں حاضر ہو کر ان سے بیعت کی اور خلافت حاصل کر کے مئو مبارک میں ڈیرہ لگایا۔ رحیم یار خان سے شمال کی جانب تقریباً" آٹھ میل کے فاصلہ پر مئو کا قدیمی قلعہ واقع ہے۔ رائے ہنس کھروڑ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں اپنی ماں کی رہائش کیلئے بنوایا تھا لیکن مئو نام ہوا رائے بھوج کے عہد میں جب سلطان محمود غزنوی سومنات کو جاتے ہوئے یہاں سے گزرے تو راجہ بھوج نے مزاحمت کی سلطان محمود نے قلعہ پر حملہ کر کے اسے تباہ و برباد کر دیا۔ اس کی عمارت اور برجوں کے کھنڈرات اب بھی صاف طور دکھائی دیتے ہیں اور اس کا ٹیلہ تقریباً" پچاس فٹ بلند ہے اور دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ مؤرخین لکھتے ہیں کہ ساتویں صدی ہجری تک مئو کے قلعہ کے آس پاس اچھی خاصی آبادی تھی اور یہ شہر بڑا بارونق تھا۔ دریا اس کے قریب بہتا تھا چاروں طرف ہرے بھرے باغات اور سرسبز شاداب کھیت لہلہا رہے تھے۔ حضرت حمیدالدین حاکم رحمتہ اللہ علیہ کا مزار یہاں پر زیارت گاہ خلائق ہے۔ آپ نے ۷۳۷ ھج میں انتقال کیا تھا۔

چونکہ بلوچ آپ کے مرید تھے اور آپ کا خاندان کافی عرصہ تک بلوچوں پر حکومت کرتا رہا۔ اس لئے آپ بلوچوں کو شیر بچگان (شیر کے بچے) کہا کرتے تھے۔ بلوچوں نے پنجاب میں وارد ہو کر اپنی خداداد صلاحیتوں کی بناء پر سیاست اور دیگر امور میں بڑی ترقی کی۔ شہنشاہ بابر نے ۱۵۱۹ء میں جب ہندوستان پر حملہ کیا تو اس وقت بلوچ

علاقوں کالاپی وغیرہ پر بھی قبضہ کرلیا۔ اسی طرح بہت سے علاقے پٹھانوں نے ہتھیا لئے۔ اور نواب نصرت خان کی حکومت صرف ڈیرہ کے ارد گرد تک محدود ہو کر رہ گئی۔ نواب نصرت خان کا جب پٹھانوں پر بس نہ چلا تو اس نے اپنے علاقے کو بڑھانے کیلئے قلعہ بھکر پر حملہ کردیا اور وہاں کے نوابزادہ نصرت خان جو بڑے بہادر اور جری انسان تھے ان سے چھین لیا۔ اس کی فوج تھوڑی تھی مگر وہ شیر کی طرح دھاڑ کر میدان میں نکل آیا اور نہایت بہادری سے لڑتا ہوا گرفتار ہو گیا نواب نصرت خان قلعہ بھکر کو فتح کرنے کے بعد فتح و نصرت کے شادیانے بجاتا ہوا واپس لوٹا۔ جب یہ خبر نواب فتح خان رند نواب منکیرہ کو ہوئی تو اس نے اپنے بیٹے کو رہا کرانے کیلئے ڈیرہ اسماعیل خان پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا مگر چونکہ اس کی فوج تھوڑی تھی۔ اس لئے اس نے اپنے وزیر حسین خان لشکرانی سے مشورہ کیا تو اس نے مشورہ دیا کہ سب سے پہلے زبردست فوج فراہم کرکے مقابلہ کی اچھی طرح تیاری کی جائے۔ اس نے اس مشورے کو پسند کیا مگر نوابزادہ نصرت خان کی ماں کی ممتا اس قدر دیر کو کب گوارہ کرسکتی تھی۔ وہ شدت غم سے بے قابو ہو کر خود ڈیرہ کو روانہ ہوگئی۔ کیونکہ بلوچوں کا شروع سے یہ دستور چلا آتا ہے کہ وہ عورت کی بے حد عزت کرتے ہیں اور عورت کے آنے پر ہر قسم کے جرم معاف کردیتے ہیں۔ بالعموم مجرموں کی رہائی کے سلسلہ میں بلوچ بی بیوں کی درخواست بے حد موثر ہوتی ہے۔

نواب فتح خان کی بیوی کو امید تھی کہ نواب نصرت خان اس کی درخواست رد نہیں کرے گا بلکہ دیکھتے ہی اس کے بیٹے کو رہا کردے گا۔ اس قسم کی کئی امیدیں نواب سے وابستہ کئے ہوئے دارالحکومت ڈیرہ اسماعیل خان پہنچی۔ لیکن اس بدبخت اور بدضمیر انسان نے اس کے بیٹے کو رہا کرنے کی بجائے بی بی کو بھی قید کرنے کا ارادہ کیا۔ سردار فتح خان کی اہلیہ نے جب اس کم بخت نواب کے دربار کا یہ رنگ دیکھا تو



اسی طرح سردار سہراب خان اور سردار اسماعیل خان کو بھی اپنے علاقوں پر قبضہ کرنے میں خاصی دشواریاں پیش آئیں سردار سہراب خان کو بادشاہ نے اپنے دربار سے وابستہ کر لیا تھا۔ اس لئے وہ مستقل طور پر ملتان میں رہتا تھا۔ جاگیر میں اس کا بیٹا بابر بن سہراب حکومت کرتا تھا۔ بابر کو کافی عرصہ میرانی اور کو ہستانی بلوچوں سے جنگیں لڑنا پڑیں آخر کار طویل جنگوں سے تنگ آکر اپنے والد کے ہاں ملتان چلا آیا اور باپ کی طرح شاہی دربار سے منسلک ہو کر رہ گیا۔

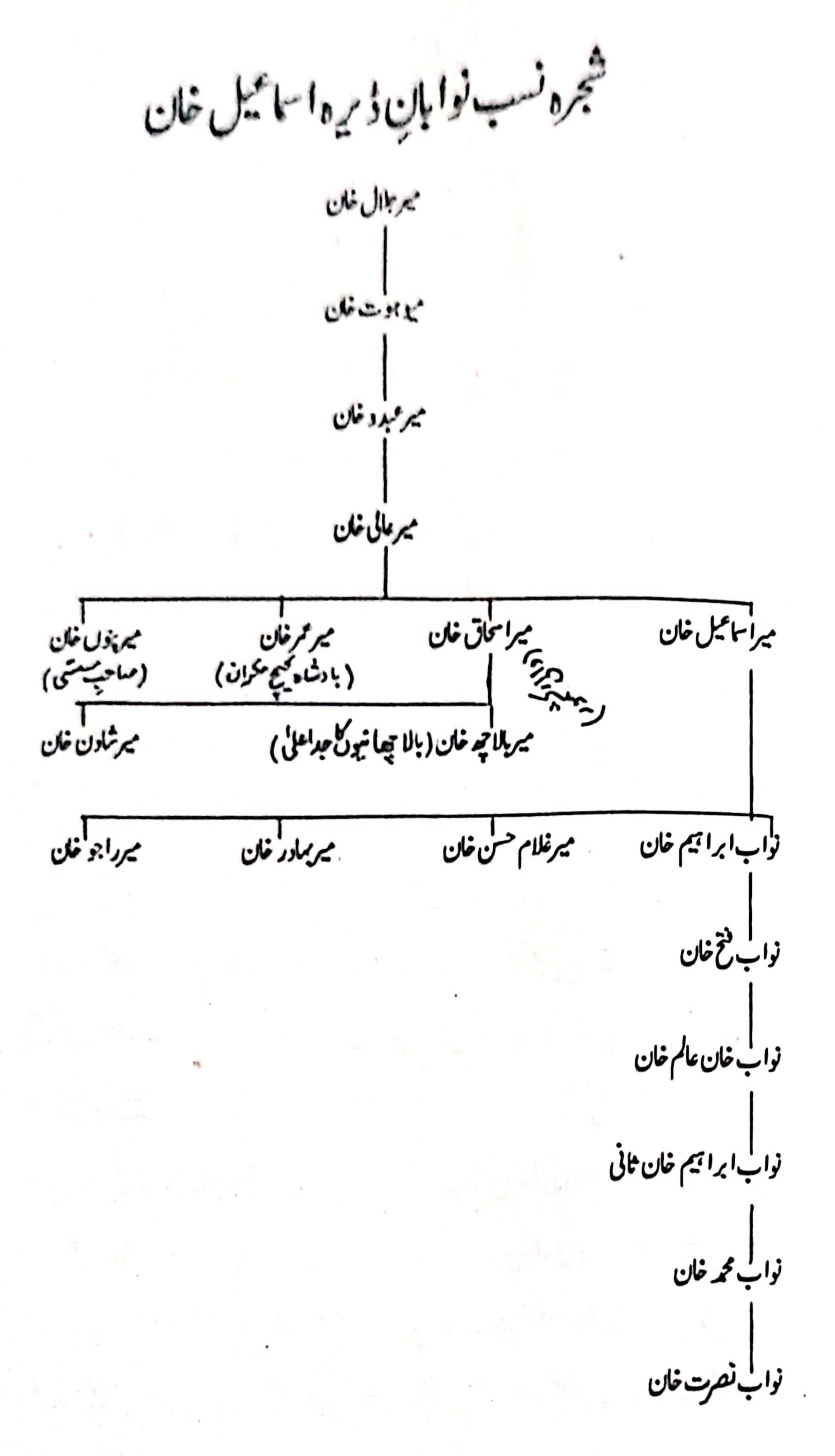
ڈیرہ اسماعیل خان

سردار اسماعیل خان ہوت نے بے شمار لڑائیاں لڑ لڑ کر جنگجو قبائل سے اپنی ریاست خالی کرائی اور امن قائم کردیا۔ تو اس نے دریائے سندھ کے مغربی کنارے ایک شہر بسایا اور اس کانام ڈیرہ اسماعیل خان رکھا۔ اس شہر کی بنیاد اس نے ۱۴۸۸ء میں اپنے ہاتھوں سے رکھی۔

سردار اسماعیل خان نے اپنی ریاست پر نہایت جاہ و جلال سے حکومت کی۔ اس کے بعد اس کی کئی پشتوں نے بھی بڑی شان و شوکت سے یہاں حکومت کی مگر جب نصرت خان تخت نشین ہوا تو اس سے ایسی بے جا حرکتیں ہوئیں کہ نہ صرف وہ حکومت سے ہاتھ دھو بیٹھا بلکہ ہمیشہ ہمیشہ کیلئے یہ ملک بلوچوں کے ہاتھوں سے نکل گیا۔

ایک بار سردار نصرت خان نے عجب خان میاں خیل سے اس کی ہمشیرہ کا رشتہ طلب کیا۔ تو اس پر عجب خان کو سخت غصہ آیا۔ اس نے ایک لشکر جمع کرکے نواب نصرت خان پر حملہ کردیا۔ چاکر کوٹ کے مقام پر بلوچوں اور پٹھانوں کے مابین خونریز جنگ ہوئی۔ جس میں نواب نصرت خان شکست کھاکر ڈیرہ کی طرف بھاگ آیا۔ اس سے قبل پٹھان صرف موضع روڑی تک قابض تھے۔ اب انہوں نے بلوچی

شجرہ نسب نوابانِ ڈیرہ اسماعیل خان



جس کے دور میں ڈیرہ اسماعیل خان سے بلوچوں کی حکومت ختم ہوئی۔

کسی بہانے باہر کھسک آئی اور رات کو زہر کھا کر مرگئی۔ صبح کو جب نواب نصرت خان نے یہ خبر سنی تو دم بخود ہوگیا اور اس وقت نوابزادہ نصرت خان کو رہا کردیا۔ جب اسے اپنی والدہ کی خود کشی کی خبر ہوئی تو اس نے بھی مارے شرم کے زہر کھا کر خود کشی کرلی اس حادثہ سے سارے شہر میں نواب کے خلاف غم و غصہ کی لہر دوڑ گئی ماں بیٹے کی لاشیں جب منکیرہ پہنچیں تو وہاں اک الگ کہرام مچ گیا۔

نواب فتح خان نے بڑے صبر وسکون سے اپنے بیٹے اور اپنی اہلیہ کی لاشوں کو دفنایا۔ اور اپنے عزیزو اقارب سے ہر قسم کے قصور معاف کرا کر اور رات کو زہر کھا کر خود کشی کرلی۔ یہ ایسا واقعہ نہ تھا کہ لوگ سنتے اور چپ رہ جاتے۔ منکیرہ کے چھوٹے بڑے سب پرجوش سے دیوانگی طاری ہوگئی۔ شہر کے درودیواروں سے انتقام انتقام کی صدائیں سنائی دینے لگیں۔ ریاست منکیرہ کے وزیر میرحسن خان نے اپنے ایک قریبی رشتہ دار کو تحفے تحائف دے کر ایک عرضداشت کے ساتھ کابل بھیجا تاکہ تیمورشاہ کو تمام صورت حال سے آگاہ کرے اس کے بعد وہاں سے نواب قمرالدین خان کے نام شاہ کا پروانہ آیا کہ نواب نصرت خان کو گرفتار کرکے کابل بھیج دے۔ چنانچہ ڈیرہ اسماعیل خان کا آخری فرمانروا ہوت خاندان کا چشم و چراغ نواب زادہ نصرت خان کو نہایت ذلت کے ساتھ گرفتار کرکے کابل بھیج دیا گیا۔

بیس برس جیل میں رہنے کے بعد ۱۷۹۱ء کو رہا ہوا اور پھر اسے ڈیرہ کی حکومت کی تازہ سند ملی مگر اس کی یہ حکومت نہایت مختصر تھی۔ ۱۷۹۴ء میں شاہ افغانستان نے اسے ڈیرہ کی نوابی سے معزول کرکے نواب محمد خان سدھوزئی کو حکمران بنادیا۔ جس پر نصرت خان کو مجبوراً" ڈیرہ اسماعیل خان چھوڑنا پڑا۔ نواب نصرت خان نے آخری ایام نہایت غربت میں گزارے وہ کسی قسم کی جائیداد کا مالک نہ تھا۔ صرف معمولی سی پنشن پر گزارا کرتا تھا جو اسے سدو زئی نواب کی طرف سے ملتی تھی اور بعد میں وہ بھی بند ہوگئی۔

ہے اس کی بذلہ سنجی ذہانت اور ظرافت طبع کے قصے آج تک زبان زد خاص و عام ہیں۔

سردار کاسمن خان کی قبر اوچ شریف میں حضرت سید جلال الدین سرخ بخاری رحمتہ اللہ علیہ کے مزار کے قریب مشرقی جانب واقع ہے اور زیارت گاہ خلائق ہے لوگ اس پر منتیں مانتے ہیں اور چڑھاوے چڑھاتے ہیں۔ کاسمن سیار کی قبر کے گرد اگرد سات چکر دوڑ کر منت مانتے ہیں کہتے ہیں کہ دوڑتے وقت اگر ہنسی نہ آئی تو مراد پوری ہوگی۔ اگر ہنسی آئی تو پھر پوری نہ ہوگی۔

نواب غازی خان دوم کو عمارتیں بنانے کا بڑا شوق تھا۔ دیگر عمارات کے علاوہ حضرت سخی سرور رحمتہ اللہ علیہ کا مقبرہ بھی اس نے ہی تعمیر کرایا اور زائرین اور معتکفین کیلئے حجرے اور مسافر خانے بھی بنوائے۔

بلوچوں کے رواج کے مطابق حاجی خان کے بعد غازی خان اور غازی خان کے بعد حاجی خان وارث بنے ان کی حکومت کئی پشتوں تک برقرار رہی۔ حاجی خان سات اور غازی خان نام کے بھی سات حکمران گزرے ہیں۔ بعض مورخین کا کہنا ہے کہ غازی خان نام کے آٹھ حکمران ہوئے ہیں۔

وثوق سے نہیں کہا جاسکتا کہ کس نواب نے کتنے برس حکومت کی۔ کیونکہ ان کی عملداری کی مکمل تفصیل کسی کتاب میں نہیں ملتی۔ سوائے چند حوالہ جات کے جو بعض کتابوں سے حاصل کئے جاسکتے ہیں۔

اسی طرح ان بلوچ نوابوں کی حکومت کئی پشتوں تک چلتی رہی یہاں تک کہ حاجی خان آخر کا زمانہ آیا حاجی خان نے مرتے وقت اپنے کمسن صاحبزادے غازی خان کو اپنے وزیر محمود گوجر کے سپرد کیا اسے امید تھی کہ اس کا وزیر ضرور حق نمک ادا کرے گا مگر محمود گوجر نے اپنے آقا سے جو سلوک کیا اس کے ذکر سے انسانیت

ڈیرہ غازی خان

سردار حاجی خان میرانی کو بادشاہ حسین لنگاہ نے کوٹ کروڑ سے سیت پور تک علاقہ کوہ سلیمان کے دامن تک دے دیا۔ تو اس نے اپنی ریاست پر مکمل قبضہ کرنے اور امن قائم کرنے کے بعد ۸۸۷ھ بمطابق ۱۴۸۴ء میں دریائے سندھ کے مغربی کنارے ایک شہر کی بنیاد ڈالی اور اس کا نام اپنے بہادر بیٹے سردار غازی خان کے نام پر ڈیرہ غازی خان رکھا۔ نواب نے اس شہر میں ایک عالیشان مسجد تعمیر کرائی شہر کافی وسیع و عریض تھا۔ بلوچ سرداروں کے خوبصورت عمارتوں اور ہرے بھرے باغات نے اس کو جنت نظارہ بنادیا تھا۔ یہ شہر میرانی ریاست کا دارالحکومت قرار پایا۔ نواب حاجی خان نے اپنے لئے اعلیٰ شان محلات بنوائے۔ جب ۱۴۵۰ء میں حاجی خان نے انتقال کیا تو اس کا بیٹا غازی خان اول حکمران بنا۔ سردار غازی خان اول بڑا نیک بخت اور بلند اقبال حکمران تھا۔ انہوں نے کئی شہر آباد کئے۔ اراضی کی سیرابی کیلئے نہریں نکالیں۔ اس نے اپنے ملک کو بے حد ترقی دی اور کافی علاقے فتح کر کے اپنی حکومت میں شامل کر لئے تھے۔ اس کی وفات ۱۴۹۴ء کو ہوئی اس علاقے میں پوتے کا نام دادا کے نام پر رکھا جاتا ہے اس لئے یہاں کے نواب حاجی خان اور غازی خان کے ناموں پر وہ بادشاہ مشہور ہوئے۔

نواب غازی خان کے بعد اس کا بیٹا نواب حاجی خان دوم حکمران بنا اور اس کے بعد اس کا بلند اقبال فرزند نواب چاکر خان عرف غازی خان دوم تخت نشین ہوا۔ اس کا وزیر اعظم سردار کاٹمن خان کورائی بلوچ تھا۔ جو ضلع جھنگ موضع کل کورائی کا باشندہ تھا۔ یہ نہایت بذلہ سنج فطری لیاقت ذہانت ظرافت طبع اور دیگر ہر قسم کی اچھی صفات سے متصف تھا۔ اس کے علاوہ وہ حد درجہ راست گو بھی تھا۔ اس لئے نواب نے اسے سچار (راستباز) کا خطاب مرحمت کیا تھا عوام میں اب تک کاٹمن سچار مشہور

چوتھائی آمدنی پر قناعت کرکے ڈیرہ کی حکومت محمود گوجر کو دے کر چلا گیا اور اس کے ساتھ ساتھ نواب غازی خان کو بھی گرفتار کرکے سندھ لے گیا اور لے جا کر اس یتیم اور معصوم شہزادے کو قید خانہ میں ڈال دیا۔

نواب غازی خان چھ سال قید میں رہ کر ۱۷۷۳ء کو فوت ہوگیا۔ حیدر آباد سندھ میں نواب صاحب کا مقبرہ موجود ہے اور اس پر یہ ابیات فارسی تحریر ہیں۔

چوں غازی زدنیا رفت محروم
مسافر بے وطن مردست مظلوم
خرد تاریخ وے گفتہ است بشنو
ظفر جاہ بشماری اے یار معصوم
(۱۷۷۳ء)

غلام شاہ کلہوڑہ نے محمود گوجر کو ڈیرہ غازی خان کا والی مقرر کیا اس نے تمیں برس تک حکومت کی اس کی وفات کے بعد اس کا بھائی نور محمد گوجر برسراقتدار آیا۔ بعدہ سردار نور محمد خان بزدار نے اسے قتل کرکے ڈیرہ پر قبضہ کرلیا اور پھر ہمیشہ ہمیشہ کیلئے گوجر خاندان کی حکومت کا خاتمہ ہوگیا۔

نواب غازی خان آخر کے بعد ڈیرہ کی سلطنت طوائف الملوکی کا شکار رہی۔ تقریباً" سولہ افراد اس کے حکمران بنے اور ان میں سے کوئی بھی کامیاب نہ ہوسکا۔ یہ ریاست تباہ و برباد ہوکر رہ گئی اور امن تک مفقود ہوگیا

۱۸۱۴ء میں اس پر مہاراجہ رنجیت سنگھ نے قبضہ کرلیا چونکہ امیر صادق محمد خان دوم نواب بہاولپور نے اس ملک کے فتح کرنے میں مہاراجہ کی امداد کی تھی اس لئے مہاراجہ نے ۱۸۱۹ء میں نواب مذکور کو یہ ملک بطور اجارہ کے دے دیا اور نواب صاحب کی طرف سے غلام قادر خان ناظم مقرر ہوکر حکمرانی کرتا رہا۔ ملک کا انتظام قدرے

شہرائی ہے۔

محمود گوجر ایک غریب لڑکا تھا۔ ابھی کم سن بچہ تھا کہ اس کا باپ فوت ہوگیا۔ اس کی بیوہ ماں اس کی اور اس کے چھوٹے بھائی نور محمد کی پرورش کرتی اور تعلیم دلاتی رہی۔ محمود گوجر جب پڑھ لکھ کر فارغ ہوا تو اس نے نواب حاجی خان کے پیر طریقت سے سفارشی خط حاصل کیا اور نواب صاحب کے دربار میں ملازمت کیلئے حاضر ہوا۔ نواب صاحب نے اسے اپنے دربار میں بطور منشی رکھ لیا اور پھر اس کی قابلیت اور صلاحیت کے پیش نظر اس کا اعزاز و منصب بڑھاتے رہے یہاں تک کہ اسے وزارت عظمیٰ کا قلمدان دے کر اپنی ریاست کے سفید و سیاہ کا مالک بنادیا۔

نواب حاجی خان اپنی طبعی عمر ختم کرچکے اور انہیں موت قریب نظر آنے لگی تو انہوں نے محمود گوجر کو بلایا اور اپنا کم سن بچہ غازی خان اس کے سپرد کرکے فرمایا کہ محمود میں نے تجھے فرش سے اٹھا کر عرش پر پہنچایا ہے میں نے تجھے کبھی اپنا نوکر نہیں سمجھا ہمیشہ چھوٹا بھائی خیال کرتا رہا ہوں۔ اب میں مرنے کو ہوں۔ میرے احسانات کا خیال رکھتے ہوئے اس یتیم سے دھوکا نہ کرنا یہ وصیت کرکے نواب صاحب انتقال کرگئے اور محمود گوجر نے تمام ریاست کے اختیارات سنبھال لئے۔ کچھ عرصہ تک تو ٹھیک کام کرتا رہا مگر بعد میں اس کی نیت بدل گئی اور وہ در پردہ اس کوشش میں رہنے لگا کہ کسی طرح غازی خان کو معزول کرکے خود حاکم بن جائے۔

آخرکار اس نے اپنی سازشوں سے رعایا کا دل غازی خان سے پھیر دیا اور ساتھ ہی اس نے غلام شاہ حاکم سندھ کو درخواست کی کہ غازی خان کو بے دخل کرکے ڈیرہ غازی خان کی آمدنی کی چوتھائی لے کر اسے اس ریاست کا حاکم بنادے۔ وزیر کی سفارش عوام کی ناراضگی اور ریاست کی آمدنی کے چوتھے حصہ کی لالچ کی وجہ سے غلام شاہ کلہوڑہ نے ۱۷۶۷ء میں آکر ڈیرہ غازی خان پر قبضہ کرلیا اور حسب معاہدہ

دیکھتے اس کو ہڑپ کر گیا۔ انگریز سامراج نے اس کو بچانے کیلئے اپنا سارا زور صرف کیا مگر ان سے کچھ نہ بن پڑا۔

تا سحر تو نے نہ چھوڑی اے باد صبا
یادگار رونق محفل جو تھی پروانے کی خاک

شجرہ نسب نوابانِ ڈیرہ غازی خان

نواب حاجی خان اول
|
نواب غازی خان اول
|
نواب حاجی خان دوم
|
نواب چاکر خان عرف غازی خان دوم
|
نواب کمال خان عرف حاجی خان سوم — سردار سلطان خان — سردار داؤد خان

نواب کمال خان عرف حاجی خان سوم
|
نواب غازی خان سوم
|
نواب حاجی خان چہارم
|
نواب غازی خان چہارم
|
نواب حاجی خان پنجم
|
نواب غازی خان پنجم
|
نواب حاجی خان ششم
|
نواب مبارک خان عرف غازی خان ششم
|
نواب میر عالم عرف حاجی خان ہفتم
|
نواب غازی خان آخری حکمران وقت [illegible]

ہمارے علاقوں میں اب کچھ غیر بلوچ ممانہ قوم کے لوگ خود کو میرانی کہلاتے ہیں یہ اصل میرانی بلوچ قبیلے سے نہیں جن کی حکومت ڈیرہ غازیخان پر رہی۔

ابھی یہ ہو چلا تھا کہ کسی بات پر مزاری سردار نواب صاحب کے خلاف ہو گئے جس سے فضا مکدر ہو گئی اور مہاراجہ نے ملک کا انتظام نواب صاحب سے واپس لے کر جرنیل ونتورہ کو ناظم مقرر کروایا۔ یہ شخص بڑا ہوشیار تھا۔ اس نے ممکن حد تک ملک کی اصلاح کی اور جو نظام پہلے سے رائج تھا اسے قائم رکھا اور بگڑنے نہ دیا۔ اس کے بعد یہ ملک مہاراجہ نے دیوان ساون مل ناظم ملتان کی تحویل میں دے دیا۔

دیوان ساون مل بڑا زیرک اور معاملہ فہم حکمران تھا۔ اس نے بلوچوں کو مطیع کرنے کیلئے ہر قسم کے حربے استعمال کئے مگر سوائے معدودے چند کے اکثر بلوچ اس سے باغی رہے۔ مزاری سرداروں نے تو اسے اوپر اوپر اچھالے رکھا ان جنگجوؤں سے بچنے کیلئے مہاراجہ کو اپنا ولی عہد کنور کھڑک سنگھ بھیجنا پڑا۔ ان جنگوں اور جھڑپوں کی تفصیل آگے آتی ہے۔

تھوڑی مدت کے بعد دیوان ساون مل 'مہاراجہ رنجیت سنگھ 'کنور کھڑک سنگھ ' کنور نونہال سنگھ سب مر گئے۔ ملتان میں دیوان ساون مل کی جگہ اس کا لڑکا دیوان مولراج ناظم مقرر ہوا۔ جسے مہاراجہ کی رانی جنداں نے مقرر کیا تھا۔

۱۸۴۹ء میں انگریزوں نے ملتان فتح کر لیا تو ڈیرہ غازی خان بھی دوسرے علاقوں کی طرح یونین جیک کے نیچے آ گیا۔ برطانوی حکومت نے ظالمانہ حربے برتے اور غیور بلوچوں کے وطن کو کئی حصوں میں تقسیم کرنے کی پالیسی پر عمل کرتے ہوئے ڈیرہ غازی خان کو ضلع قرار دے کر اس پر جنرل کورٹ لینڈ کو ڈپٹی کمشنر مقرر کیا گیا اور پہاڑی علاقوں کو الگ کر کے ان میں فوج اور بارڈر پولیس رکھی۔

ڈیرہ غازی خان میں میرانی نوابوں کے پر شکوہ قلعے اور شاہی محلات موجود تھے۔ جن سے بلوچوں کی عظمت رفتہ کا اندازہ ہو سکتا تھا۔ قضائے قدر کو یہ بھی گوارہ نہ ہوا۔ ۱۹۰۹ء میں دریائے سندھ نے رخ بدلا اور ڈیرہ غازی خان کی طرف بڑھا اور دیکھتے ہی



ہونے کے علاوہ چند اسباب جو مورخین نے بیان کئے ہیں ان میں سے ایک یہ کہ رند لاشار جنگ کے بعد سلطان حسین نے شجاع الدین ذوالنون بیگ (ذنو) کو سیوی بطور جاگیر دے دی تھی۔ ذنو نے اپنی جاگیر پر قبضہ کرنے کیلئے سیوی پر چڑھائی کر دی اور اس کے بعد اس نے فتح پور کا محاصرہ کر لیا اور اسے بھی فتح کر لیا۔ فتح پور وہ شہر ہے جسے میر چاکر نے لاشار پر فتح حاصل کرنے کے بعد آباد کیا تھا۔ اس کے کھنڈرات اب بھی موجود ہیں۔ اس دوران میر چاکر اور ذنو کے مابین بے شمار جنگیں ہوئیں ان جنگوں میں اکثر و بیشتر ذنو کا پلہ بھاری رہا۔ آخر کار جب میر چاکر کمزور اور مجبور ہوا تو اس نے بلوچستان کو چھوڑ کر پنجاب جانے کا ارادہ کیا۔ بعض نے لکھا ہے کہ ذنو خود نہیں تھا بلکہ اس کا بیٹا شاہ بیگ بن ذنو تھا۔ جس نے میر چاکر کو بلوچستان چھوڑنے پر مجبور کر دیا تھا۔

ایک روایت یہ بھی ہے کہ جب سلطان حسین شاہ ہرات نے میر چاکر کو لاشار کے مقابلہ میں فوجی امداد دی تھی تو میر صاحب کے اشارہ سے حیدر خان جو کہ سلطان حسین کا بھانجا تھا قتل کروا دیا گیا۔ میر صاحب کا اسے قتل کرانے کا یہ مقصد تھا کہ حیدر کے قتل کو میر گہرام کے سر تھوپا جائے گا اور اس پر بادشاہ کا غصہ بھڑکے گا۔ تو میرا مقصد آسانی سے پورا ہو جائے گا اور بادشاہ اس بات پر لاشار کو تباہ و برباد کر دے گا مگر رند لاشار جنگ کے بعد کسی طریقہ سے سلطان حسین کو اصل سازش کا پتہ چل گیا۔ تو بادشاہ میر چاکر پر سخت برہم ہوا۔ اس نے ذنو کو بلوچستان پر حملہ کرنے اور حیدر خان کے بدلہ لینے کا حکم دے دیا۔ جب ذنو کی قہاری فوجیں بلوچوں کو نیست و نابود کرنے کیلئے سبی اور فتح پور کی طرف بڑھیں تو رند قبائل اپنے اپنے علاقوں سے بھاگنے لگے اس دوران میر چاکر کی جنگیں ذنو کی فوجوں سے ہوتی رہیں مگر ذنو کی قہاری فوجوں کو شکست دینا آسان نہ تھا۔

بلوچستان سے میر چاکر کی ہجرت

رند لاشار جنگ کے بعد خان اعظم میر چاکر خان کا دل سیوی (سبی) (بلوچستان) سے اچاٹ ہوگیا۔ اگرچہ اب وہ اپنے ملک کے علاوہ لاشار کے وسیع خطے پر بھی قابض تھا مگر اس کو اس طویل جنگ کے بعد سبی اور اس کے مضافات سے نفرت پیدا ہوگئی تھی۔ تو اس نے یہاں سے ہجرت کرکے پنجاب کی سرزمین کو اپنا وطن بنانے کا ارادہ کیا کیونکہ یہ بے آب و گیاہ سرزمین بلوچوں کی مقتل گاہ بن چکی تھی۔ اس پر میر جلال خان کے ہزاروں فرزندوں کی لاشیں تڑپ تڑپ کر ٹھنڈی ہوئی تھیں اس میں رند ولاشار قبائل کے بہادروں کا خون جذب ہوچکا تھا اور میر صاحب کے بیٹے بھتیجے بزرگ اور پیارے رفیق اس سرزمین کی نذر ہوگئے تھے۔ میر چاکر کے بلوچستان سے ہجرت کرنے کے اور اسباب بھی مورخین نے بیان کئے ہیں جن کا ذکر آگے آئے گا۔

بلوچستان سے روانہ ہونے سے پہلے انہوں نے اپنے مقبوضات کو تین حصوں میں تقسیم کیا۔ سیوی (سبی) شوران ' قلات اور کھران پر اپنے نائب مقرر کئے۔ سیوی اور شوران کی حکومت اپنے چچا زاد بھائیوں میر براہم اور میر محمد کے حوالے کیا اور قلات کی حکومت اپنے خسر میر مندو کو دے دیا۔ اس سے قبل قلات پر میروانی بلوچوں کی حکومت تھی۔

میر چاکر نے قلات کو فتح کرنے کیلئے ایک بہت بڑی فوج جمع کی تھی اور اس زمانہ کے لحاظ سے ان کو ہر قسم کے اسلحہ سے لیس کرکے قلات پر حملہ کردیا تھا۔ قلات کے میدان میں ایک خونریز جنگ لڑنے کے بعد میر چاکر کو فتح حاصل ہوئی تھی اور انہوں نے قلات پر قبضہ کرکے اس کی حکومت اپنے خسر میر مندو کے حوالے کی تھی۔ جو کافی عرصہ تک اس کے قبضہ میں رہی۔

میر چاکر کے بلوچستان سے پنجاب کی طرف ہجرت کرنے کے اس کے دل اچاٹ

میر صاحب اپنے ٹھکانے پر واپس آئے۔ یہ رات کا وقت تھا۔ حکم دیا کہ فوراً تیاری کرو مگر ایک شتر بچہ ' ایک مرغا ' ایک گدھا اور ایک کتا یہاں باندھ دو۔ یہ بولتے رہیں گے۔ان کی آواز سن کر ترک اس خیال میں رہیں گے کہ رند اپنے ٹھکانے پر موجود ہیں اور ہم یہاں سے نکل کر راتوں رات سرحد پار کر جائیں گے۔ میر صاحب نے ان چاروں جانوروں کو یہاں چھوڑا اور اندھیری رات میں بخیر و عافیت سرحد پار کرگئے۔ ان جانوروں کے بولنے کی وجہ سے ترکوں نے سمجھا کہ رند اپنے ٹھکانے پر موجود ہیں مگر صبح کو انھیں معلوم ہوا کہ وہ یہاں سے چلے گئے ہیں۔ ترک فوجوں نے ان کا پیچھا کیا مگر وہ ان کے پہنچنے سے پہلے پنجاب میں داخل ہوچکے تھے۔

ایک اور روایت جو بریگیڈیر عثمان حسن نے اپنی کتاب بلوچستان ص ۶۲ پر نقل کی ہے یوں ہے کہ میرچاکر جب سیوی سے نکل کر میوند کی طرف آئے تو چاکر تمنگ پر ترک فوجوں نے انکا گھیرا تنگ کردیا۔ ترکوں کے ساتھ بڑی فوج تھی گھڑسوار ہاتھی اور پیدل فوج مگر سب سے زیادہ خطرہ ہاتھیوں سے تھا۔ جب ترک فوج نے ارد گرد سے میرچاکر کو گھیر لیا تو اس نے اپنی اہلیہ مائی ہانی سے صلاح ومشورہ کیا اس عقلمند خاتون نے جو مشورہ دیا وہ واقعی مؤثر اور فوجی لحاظ سے بے حد کامیاب ثابت ہوا۔ مائی ہانی کہنے لگی کہ میر صاحب گھبرانے کی ضرورت بالکل نہیں ترکوں کا گھیرا عقلمندی سے توڑا جاسکتا ہے۔ سارے اونٹوں کے بچوں کو اکٹھا کرو۔ ان کی دموں پر مشعلیں باندھ کر کجاووں پر لکڑیاں لاد دو۔ جب رات ہوجائے مشعلوں کو آگ لگا کر چھوڑ دو۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ رات کو جب مشعلوں کو آگ لگادی گئی تو لکڑیوں نے آگ پکڑلی اونٹوں کے بچے ادھر ادھر بھاگ کر فوج میں گھس گئے۔ آگ کی حرکت کو دیکھ کر ہاتھی گھبرا اٹھے۔ ہاتھیوں کے ساتھ گھوڑے اور اونٹ بھی ادھر ادھر بھاگ نکلے اس افراتفری کے عالم میں گھیرا ٹوٹ گیا۔ تو میرچاکر اور ان کے ساتھیوں نے پنجاب کی راہ لی اور

ایک روایت یہ بھی ہے کہ سلطان حسین شاہ ہرات نے خود بذاتہ بلوچستان پر فوج کشی کی اور اس کی ترک فوجوں نے اس مقام کو جہاں میر چاکر فروکش تھے گھیر لیا۔ اسی دوران ایک بار میر صاحب کو بادشاہ نے اپنے دربار میں حاضر ہونے کا حکم دیا۔ میر صاحب بادشاہ کی نیت بھانپ گئے کہ وہ انہیں دربار میں بلا کر قتل کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ انہوں نے دربار میں جانے سے پہلے اپنے لوگوں سے کہا کہ سامان باندھ کر یہاں سے چلے جانے کیلئے تیار ہوجاؤ میں ابھی آیا۔ میر صاحب بادشاہ کے دربار میں اپنے ساتھ گود والا ایک معصوم بچہ بھی لے گئے بادشاہ نے معصوم بچے کو ان کی گود میں دیکھا تو ان کے قتل کرنے کے بہانے تلاش کرنے لگے۔ اس دوران میر صاحب نے بچے کو چٹکی (ناخن) ماری۔ تو بچہ رونے لگا۔ میر صاحب کے قتل کرنے کا بادشاہ کو بہانہ مل گیا۔ اس نے سوال کیا کہ میر صاحب فوراً بتائیے کہ یہ بچہ کیوں رو رہا ہے۔ میر صاحب نے فرمایا جہاں پناہ یہ دودھ مانگ رہا ہے۔ بادشاہ نے فوراً دودھ منگوایا۔ پھر آنکھ بچا کر میر صاحب نے بچے کو ناخن مارا۔ تو بچہ رونے لگا میر صاحب کا مقصد تھا کہ بادشاہ معصوم بچے کو روتا دیکھ کر اسے جانے کی اجازت دے دے گا مگر بادشاہ نے بچے کے رونے کو بہانا بنا کر سوالات کرنے شروع کردیئے کہ اگر میر صاحب ان کے جوابات نہ دے گا تو اسے قتل کردیا جائے گا۔

بادشاہ نے پھر پوچھا کہ میر صاحب اب بتاؤ کہ بچہ کیوں رو رہا ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ حضور یہ کہہ رہا ہے کہ دودھ میں پانی ملادو۔ دودھ میں فوراً پانی ملا دیا گیا۔ پھر بچہ رونے لگا تو بادشاہ نے سوال کیا کہ میر صاحب بتاؤ کہ اب یہ بچہ کس لئے رو رہا ہے۔ میر صاحب نے کہا کہ جناب یہ کہہ رہا ہے کہ دودھ اور پانی الگ الگ کردو۔ یہ باتیں سن کر بادشاہ نے میر صاحب کو جانے کی اجازت دے دی اور انہیں کہا کہ کل میرے پاس ضرور آنا مگر بچہ ساتھ ہرگز نہ لانا۔

صحیح مان لیں۔

بعض مؤرخین کا خیال ہے کہ میر چاکر اور شہنشاہ ہمایوں کا زمانہ ایک نہیں اور نہ کبھی ان کی آپس میں ملاقات ہوئی ہے۔ جن مؤرخین نے میر چاکر اور ہمایوں کی ملاقات اور ان کے ساتھ مل کر جنگ کا تذکرہ کیا ہے دراصل وہ شیر شاہ سوری کا جرنیل اعظم ہیبت خان نیازی تھا۔ جسے شیر شاہ سوری نے ہمایوں اعظم کا لقب دے رکھا تھا۔ ریورٹی کا خیال ہے کہ برطانوی دور کے بعض لکھنے والوں نے جن میں مسٹر ڈیوک ' مسٹر ڈیمز اور مسٹر گرگیر کے نام قابل ذکر ہیں تاریخ سے اپنی ناواقفیت کی بناء پر ہمایوں اعظم کو ہمایوں بادشاہ تصور کر کے میر چاکر رند سے اس قسم کے واقعات منسوب کئے۔ جو اس زمانہ میں کبھی بھی درپیش نہیں آئے۔ دیکھئے کتاب۔ بلوچستان تاریخ کی روشنی میں ص ۳۹۸ ۔ ریورٹی کی یہ تحقیق بالکل درست ہے مگر بلوچی روایات اس کی تائید و تصدیق نہیں کرتے اور بہت سے مؤرخین بھی اس میں اختلاف رکھتے ہیں۔

بہرحال اس بارے میں مؤرخین کے اختلافات کچھ بھی ہوں ہمیں ان سے کسی قسم کا سروکار نہیں۔ ہم تو اپنے مقصود کو مدنظر رکھ کر ان مؤرخین کی اقتداء میں خامہ فرسائی کر رہے ہیں جنھوں نے میر چاکر اور شہنشاہ ہمایوں کی ملاقات اور دونوں کا دہلی کی جنگ میں شریک ہو کر لڑنے کا ذکر کیا ہے۔

صحیح سلامت سرحد پار کرکے پنجاب میں داخل ہو گئے۔

اس کتاب میں ایک اور روایت یہ بھی ہے کہ ہمایوں بادشاہ جب خراسان سے چلا اور دہلی پر چڑھائی کرنے کی غرض سے درہ بولان سے گزرا تو میر چاکر کو مع بلوچی فوج کے ساتھ لے گیا۔ جب فتح یاب ہوکر اس نے تخت دہلی حاصل کی تو بلوچیوں کو ان کی بہادری اور خدمات کے صلہ میں علاقہ سنگھرہ کا عطا کیا۔

ان تمام روایات کے علاوہ علامہ نور احمد خان فریدی رند اپنی کتاب چاکر اعظم ص۱۹۲ پر لکھتے ہیں کہ بلوچستان کا فاتح اعظم میر چاکر خان رند اپنے خاندان اور بہادر بلوچوں کا ایک عظیم لشکر لے کر کوہ مری کی طرف روانہ ہوا۔ اسے معلوم ہوا کہ ہندوستان کا شہنشاہ نصیر الدین محمد ہمایوں شیر شاہ سوری سے شکست کھا کر ایران جارہا ہے تو اس کے دل میں ہمدردی کی لہر پیدا ہوئی اور وہ اپنے عظیم لشکر کو کوہ مری میں چھوڑ کر چند امراء کے ساتھ شاہی کیمپ کو روانہ ہوا۔ شہنشاہ سے ملا۔ اسے کہا کہ اس وقت میرے ساتھ چالیس ہزار بلوچ بہادر موجود ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ واپس دہلی چلیں۔ میں دوبارہ تخت دہلی دلادوں۔ اسی مقصد کیلئے حاضر ہوا ہوں۔ بادشاہ نے کہا کہ اس وقت میں ایران جارہا ہوں جب دیکھوں گا کہ قسمت آزمائی کا وقت آگیا ہے تو آپ کے جنگ آزما لشکر کو جلو میں لے کر دہلی کی طرف بڑھوں گا آپ فی الحال سرزمین پنجاب کی طرف بڑھ جائیں۔ میر چاکر نے کہا کہ حضور میں اس وقت ملتان کا رخ کررہا ہوں۔ جب بھی آپ مناسب سمجھیں تشریف لائیں۔ میرے چالیس ہزار سپاہی آپ کے جھنڈے کے نیچے داد شجاعت دینے کیلئے ہر وقت تیار ہوں گے۔

مؤرخین نے میر چاکر خان کے بلوچستان چھوڑ کر پنجاب جانے کے مندرجہ روایات بیان کئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ ان میں کون سی روایت صحیح اور درست ہے۔ ہم نے یہ فیصلہ قارئین حضرات پر چھوڑا ہے۔ جس روایت کو چاہیں

صحیح مان لیں۔

بعض مؤرخین کا خیال ہے کہ میرچاکر اور شہنشاہ ہمایوں کا زمانہ ایک نہیں اور نہ کبھی ان کی آپس میں ملاقات ہوئی ہے۔ جن مؤرخین نے میرچاکر اور ہمایوں کی ملاقات اور ان کے ساتھ مل کر جنگ کا تذکرہ کیا ہے دراصل وہ شیر شاہ سوری کا جرنیل اعظم ہیبت خان نیازی تھا۔ جسے شیر شاہ سوری نے ہمایوں اعظم کا لقب دے رکھا تھا۔ ریورٹی کا خیال ہے کہ برطانوی دور کے بعض لکھنے والوں نے جن میں مسٹر ڈیوک ' مسٹر ڈیمز اور مسٹر گریگر کے نام قابل ذکر ہیں تاریخ سے اپنی ناواقفیت کی بناء پر ہمایوں اعظم کو ہمایوں بادشاہ تصور کرکے میر چاکر رند سے اس قسم کے واقعات منسوب کئے۔ جو اس زمانہ میں کبھی بھی درپیش نہیں آئے۔ دیکھئے کتاب۔ بلوچستان تاریخ کی روشنی میں ص ۳۹۸ ۔ ریورٹی کی یہ تحقیق بالکل درست ہے مگر بلوچی روایات اس کی تائید و تصدیق نہیں کرتے اور بہت سے مؤرخین بھی اس میں اختلاف رکھتے ہیں۔

بہرحال اس بارے میں مؤرخین کے اختلافات کچھ بھی ہوں ہمیں ان سے کسی قسم کا سروکار نہیں۔ ہم تو اپنے مقصود کو مد نظر رکھ کر ان مؤرخین کی اقتداء میں خامہ فرسائی کر رہے ہیں جنہوں نے میر چاکر اور شہنشاہ ہمایوں کی ملاقات اور دونوں کا دہلی کی جنگ میں شریک ہو کر لڑنے کا ذکر کیا ہے۔

صحیح سلامت سرحد پار کرکے پنجاب میں داخل ہو گئے۔

اس کتاب میں ایک اور روایت یہ بھی ہے کہ ہمایوں بادشاہ جب خراسان سے چلا اور دہلی پر چڑھائی کرنے کی غرض سے درہ بولان سے گزرا تو میر چاکر کو مع بلوچی فوج کے ساتھ لے گیا۔ جب فتح یاب ہو کر اس نے تخت دہلی حاصل کی تو بلوچیوں کو ان کی بہادری اور خدمات کے صلہ میں علاقہ سنگھرہ کا عطا کیا۔

ان تمام روایات کے علاوہ علامہ نور احمد خان فریدی رند اپنی کتاب چاکر اعظم ص۱۹۶ پر لکھتے ہیں کہ بلوچستان کا فاتح اعظم میر چاکر خان رند اپنے خاندان اور بہادر بلوچوں کا ایک عظیم لشکر لے کر کوہ مری کی طرف روانہ ہوا۔ اسے معلوم ہوا کہ ہندوستان کا شہنشاہ نصیر الدین محمد ہمایوں شیر شاہ سوری سے شکست کھا کر ایران جارہا ہے تو اس کے دل میں ہمدردی کی لہر پیدا ہوئی اور وہ اپنے عظیم لشکر کو کوہ مری میں چھوڑ کر چند امراء کے ساتھ شاہی کیمپ کو روانہ ہوا۔ شہنشاہ سے ملا۔ اسے کہا کہ اس وقت میرے ساتھ چالیس ہزار بلوچ بہادر موجود ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ واپس دہلی چلیں۔ میں دوبارہ تخت دہلی دلادوں۔ اسی مقصد کیلئے حاضر ہوا ہوں۔ بادشاہ نے کہا کہ اس وقت میں ایران جارہا ہوں جب دیکھوں گا کہ قسمت آزمائی کا وقت آگیا ہے تو آپ کے جنگ آزما لشکر کو جلو میں لے کر دہلی کی طرف بڑھوں گا آپ فی الحال سرزمین پنجاب کی طرف بڑھ جائیں۔ میر چاکر نے کہا کہ حضور میں اس وقت ملتان کا رخ کررہا ہوں۔ جب بھی آپ مناسب سمجھیں تشریف لائیں۔ میرے چالیس ہزار سپاہی آپ کے جھنڈے کے نیچے داد شجاعت دینے کیلئے ہر وقت تیار ہوں گے۔

مؤرخین نے میر چاکر خان کے بلوچستان چھوڑ کر پنجاب جانے کے مندرجہ روایات بیان کئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ ان میں کون سی روایت صحیح اور درست ہے۔ ہم نے یہ فیصلہ قارئین حضرات پر چھوڑا ہے۔ جس روایت کو چاہیں

ہو سکتی ہے۔ چونکہ ملتان کی حکومت چند دنوں کی مہمان نظر آتی تھی اور اس لئے بھی کہ حکومت کے اہم عہدوں پر بلوچ فائز تھے۔ میر چاکر نے کسی سے الجھنا مناسب نہ جانا اور شور کوٹ کی طرف بڑھ گیا۔

شور کوٹ کا حکمران جام بایزید جام ابراہیم سمہ کا قریبی رشتہ دار تھا۔ اس نے میر چاکر کو اپنا معتمد دوست سمجھ کر بڑی عزت کی اور اپنی ذاتی جاگیر سے اسے اور اس کے لڑکوں کو معقول اراضی عطا کی۔ جو راوی سے دیپالپور تک پھیلی ہوئی تھی۔ میر چاکر خان نے جدید اراضیات پر قبضہ کرنے کے بعد انھیں آباد کرنے اور ان میں اپنے اور اپنے فرزندوں اور عزیزوں کے محلات اور قلعے تعمیر کرنے شروع کئے۔ اس نے پرانے ستگھرہ کے قریب جدید ستگھرہ کی بنیاد رکھی۔ عالیشان محلات تعمیر کرائے اور ان کے گردا گرد سربفلک فصیل کھڑی کرکے ایک ایسا قلعہ بنا کر کھڑا کردیا۔ جو لاہور کے شاہی قلعے سے چشمک زنی کرتا تھا۔ اسی طرح میر چاکر خان کے بڑے صاحبزادے میر شہداد خان نے راوی کے کنارے اپنے نام پر ایک شہر کوٹ شہداد کے نام سے آباد کیا اور کچھ فاصلے پر اپنے بیٹے میر میراں کے نام پر میرپور تعمیر کرایا۔ اسی طرح پاکپتن کے قریب میر شاہو خان نے ساہیوال اور ستگھرہ کے مابین میر شیشک خان نے اپنے اپنے نام کے قلعے اور شہر تعمیر کئے۔

ستگھرہ اور کوٹ شہداد کے درمیان گنگوری اور گرگیج بلوچوں کو جاگیریں دی گئیں۔ جن میں کوٹ گنگوری فتح پور اور گرگیجن نام کے کئی قلعے تعمیر ہوئے۔ میر چاکر خان اور ان کے صاجزادے اگرچہ اپنے نئے وطن کے سنوارنے میں لگے ہوئے تھے تاہم ملتان کے حالات سے غافل نہیں تھے ست گھرہ ملتان اور لاہور کے درمیان میں واقع تھا تمام قافلے جو ملتان سے لاہور جاتے تھے یہاں سے گزرتے تھے۔

میر چاکر کا پنجاب میں ورود

بہر حال میر چاکر بلوچستان سے ہجرت کرکے اوچ شریف پہنچے اور یہاں کے حاکم سے کچھ اراضی طلب کی تاکہ عارضی طور پر قیام کرکے اپنی فوج کو تازہ دم کرسکے۔ ان دنوں جام ابراہیم سمہ لنگاہ حکومت کی طرف سے اوچ شریف کا صوبیدار تھا مگر سلطان محمود لنگاہ کی غلط روش کے سبب تقریباً" خود مختار ہوچکا تھا۔ لیکن چونکہ ملتان کی فوجی طاقت سے اسے ہر وقت خوف رہتا تھا۔ اس لئے اس نے چاکر اعظم کی آمد کو غنیمت جان کر اوچ اور ملتان کے درمیان معقول اراضی پیش کردی۔ میر چاکر نے اس اراضی میں اپنے نام کا ایک قلعہ تعمیر کرایا جو اب تک جلال پور پیر والا اور لودھراں روڈ پر سر اٹھائے گویا بلوچوں کے قافلے کی واپسی کا انتظار کررہا ہے جو قبائل میر چاکر کے ہمراہ آئے تھے۔ انہیں یہاں چھوڑ کر خود اپنے بڑے لڑکے میر شہداد اور چند سرداروں کے ہمراہ بادشاہ محمود لنگاہ کے دربار میں بمقام ملتان حاضر ہوئے۔ اس زمانہ میں لنگا ہوں کا تو صرف نام تھا۔ ان کے پردے میں بلوچ حکومت کر رہے تھے۔ سرزار سہراب خان وزیراعظم اور سردار لنگر خان سپہ سالار تھا میر چاکر کی آمد کا سن کر سردار سہراب خان سہم گیا اور اسے اپنا اقبال نقش بر آب نظر آنے لگا اس نے بادشاہ سے صاف صاف کہہ دیا کہ جو شخص اقتدار کی خاطر اپنے تیس ہزار بھائیوں کا گلا کاٹ سکتا ہے وہ ہمیں کب چھوڑے گا۔ بالخصوص جبکہ وہ جام ابراہیم سمہ سے جاگیر حاصل کرچکا ہے اسی حالت میں اس پر اعتماد کرنا بہتر نہیں ہے۔ بہتر یہ ہے کہ اسے چلتا کیجئے ورنہ میرا استعفا قبول کرلیجئے۔

بادشاہ میر چاکر کی خون آشامی سے پہلے خائف تھا۔ سردار سہراب خان دودائی نے جوں اس پر رنگ و روغن چڑھا دیا تو وہ گھبرا گیا۔ اس نے میر چاکر سے کہا کہ ملتان ایک چھوٹی سی ریاست ہے۔ آپ جیسے اولوالعزم جنگ آزمودہ جرنیل کی کیونکر متحمل

محاصرہ کرلیا۔ اسی حال میں ایک سال کا عرصہ گزر گیا۔ خلق خدا تنگ آگئی۔ غلہ کی کمی کے سبب عوام جانیں بچانے کی خاطر مردار جانور کھانے پر مجبور ہوگئے۔ ارغونی فوج نے فیصلہ کن حملہ کرکے لوہاری دروازہ توڑ دیا اور شہر میں داخل ہوگئی اور لوٹ مار شروع کردی اور اس نے ملتان شہر کی اینٹ سے اینٹ بجا کر رکھ دی۔ لنگاہ سر چھپانے کیلئے حضرت شاہ رکن عالم رحمتہ اللہ علیہ کے مقبرے میں گھس گئے مگر محب خان ترکمان نے انہیں چن چن کر قتل کیا اور جو بچے انہیں قیدی بنالیا۔

شاہ حسین نے دولت خان آخور خواجہ شمس الدین اور سردار لنگر خان بلوچ کو ملتان کے انتظام پر چھوڑا اور خود بکھر روانہ ہوگیا۔ لنگر خان خاموشی سے شہر کی مرمت اور اہل شہر کی دلجوئی کرتا رہا۔ لوگ اس سے محبت کرنے لگے۔ جب اس کا اہل شہر سے رابطہ بڑھ گیا اور اس نے خاصی قوت پیدا کرلی تو اس نے دولت خان اور خواجہ کو نکال کر شہر پر قبضہ کرلیا مگر چونکہ وہ اپنی بادشاہت پر یقین نہیں رکھتا تھا۔ اس لئے اس نے میر چاکر خان سے مشورہ کیا۔ میر چاکر خان نے کہا کہ بہتر تو یہ ہے کہ ہم اور تم مل کر یہاں بلوچ سلطنت قائم کریں میں تمہیں اپنا وزیر بنالوں گا۔ اگر یہ صورت قابل قبول نہ ہو تو پھر ملتان کو بابر بادشاہ کے حوالے کردو میں جانوں اور وہ جانے۔ لنگر خان نے دوسری صورت کو پسند کیا اور دہلی جاکر ملتان بابر کے حوالے کردیا۔ بابر اس پیش کش پر بے حد خوش ہوا۔ چونکہ پنجاب اور کابل اس نے اپنے بیٹے مرزا کامران کو دے رکھے تھے۔ اس لئے ملتان بھی اسے عنایت کیا اور سردار لنگر خان بلوچ کو کابل کی صوبیداری دے کر وہاں روانہ کردیا۔

میر چاکر خان کا ملتان پر قبضہ

میر چاکر خان نے شہنشاہ بابر کی زندگی تک تو مرزا کامران کے عمل دخل کو گوارہ

ملتان کے حاکم

میر چاکر خان نے ملتان کو بلوچوں کے دربار سرکار میں گہرے عمل اور اثر و رسوخ کی وجہ سے چھوڑ دیا تھا۔ اگر وہ اس شہر پر حملہ آور ہوتے تو ہزاروں بلوچ خانوادے تباہ ہوجاتے سردار سراب خان وزیراعظم اور سردار لنگر خان امیر الامراء دونوں بلوچ سردار تھے۔ راعی اور رعایا میں دونوں مقبول تھے مگر لنگاہ خاندان کی بدقسمتی سے سردار سراب خان انتقال کرگیا اور اس کی جگہ سید شجاع بخاری کو وزیر اعظم بنایا گیا۔ یہ شخص انتہائی ظالم اور عیاش انسان تھا بادشاہ محمود لنگاہ نے اس کے خلاف تادیبی کارروائی کرنا چاہی مگر وزیراعظم نے زہر دے کر اسے مار ڈالا بادشاہ کی وفات کے بعد اس کا کمسن صاحبزادہ حسین کو تخت نشین کیا گیا مگر یہ بچپنے کے سبب وزیراعظم اور بیگمات کے ہاتھ کٹھ پتلی بن کر رہ گیا۔ امرائے دربار ہر قسم کی من مانی کرنے میں آزاد تھے۔ جسے چاہتے قتل کردیتے اور جس کا چاہتے مال و اسباب ضبط کرلیتے۔ لوگوں کی عزتیں اور آبروئیں سرعام لٹنے لگیں۔ ملتانی لنگاہوں کی ظالمانہ حکومت سے لوگ بے حد تنگ آچکے تھے۔ معززین شہر نے بابر بادشاہ کی خدمت میں اپنے قاصد بھیج کر فریاد کی کہ خدارا ہمیں اس اذیت ناک صورت حال سے نجات دلائی جائے۔ ان کی فریاد سن کر مغل تاجدار نے شاہ حسین ارغون کو حکم دیا کہ وہ فوراً بڑھ کر ملتان پر قبضہ کرلے۔

ملتان پر شاہ ارغون کا قبضہ

شاہ حسین ارغون کو شہنشاہ بابر کا حکم ملا تو ۹۳۲ھ کو وہ اپنی زبردست فوج لے کر مارا مار کرتا ہوا ملتان پہنچا۔ ارغون نے آتے ہی ایک معمولی جھڑپ کے بعد شہر کا

میروانیوں نے حملہ کرکے ملک پر قبضہ کرلیا تھا تو یہ دونوں حضرات اپنی جانیں بچا کر کوہ سلیمان کی طرف منتقل ہوگئے اور جو جو قبائل میرچاکر خان کے ساتھ پنجاب کی طرف نہیں گئے تھے ان کو اپنے جھنڈے کے نیچے جمع کرکے ایک زبردست قوت پیدا کرلی اور اس کی بعد ڈیرہ غازی خان کے میرانیوں اور ڈیرہ اسماعیل خان کے ہوتوں سے چپقلش شروع کردی اور ان کے علاقوں میں مار دھاڑ کرنے لگے اور ان سے لڑ کر کافی علاقے پر قبضہ کرلیا میر براہم خان اور میر محمد خان ان کا ملک چھیننا چاہتے تھے ان کی فوجوں نے ڈیرہ جات کے علاقوں پر اپنی یلغاریں سختی سے جاری رکھیں اور روز بروز آگے بڑھنے لگے۔ ان کی کار ستانیوں سے ڈیرہ جات کے نوابوں کی نیندیں اچاٹ ہوچکیں تھیں۔ انہوں نے میر براہم خان اور میر محمد خان کی فوجوں کے ساتھ بہت سی جنگیں کیں مگر ہر جنگ میں وہ ان سے شکست کھا جاتے۔

ہنوز انہوں نے تنگ آکر میرچاکر خان سے فریاد کی کہ آپ کے چچازاد بھائیوں نے ہمیں بہت تنگ کرر کھا ہے اور وہ ہم سے ہمارا ملک چھیننا چاہتے ہیں۔ ذرا اس طرف آپ کی توجہ درکار ہے۔ ڈیرہ جات کے نواب میر چاکر خان کے اتحادی تھے۔ میر صاحب نے اپنے چچا زاد بھائیوں کو سمجھانے کیلئے پیغام دے کر اپنا ایک سردار ان کے پاس بھیجا۔ اس نے میر صاحب کا پیغام دیتے ہوئے انہیں کہا کہ آپ اپنے سابقہ ٹھکانوں پر چلے جائیں اور ہمارے اتحادیوں کو تنگ نہ کریں مگر میر براہم خان اور میر محمد خان نے اپنی تلواوں پر ہاتھ مار کر کہا کہ ہم جو کچھ بھی کرر ہے ہیں سب ٹھیک کرر ہے ہیں۔ دیکھیں سامنے آکر ہمارا راستہ کون روکتا ہے۔

میر چاکر خان کو جب ان کاحال معلوم ہوا تو انہوں نے میر براہم خان اور میر محمد خان کی چپقلش اپنے خلاف تصور کی اور برہم ہوکر کہا کہ ہے کوئی جو جاکر ان باغیوں کو قرار واقعی سزا دے۔ لیکن اس وقت میر براہم خان اور میر محمد خان کی فوجی قوت اتنی



کیا۔ لیکن اس کے بعد اس نے اپنے بلوچ بہادروں کا ایک لشکر جرار لے کر ملتان پر چڑھائی کردی اور مرزا کامران کے گورنر کو نکال کر ملتان پر قبضہ کرکے اپنی حکومت کا اعلان کردیا۔

اہل ملتان جو ایک عرصہ سے درندہ صفت حکمرانوں کے نیچے پڑے کراہ رہے تھے۔ انہوں نے اطمینان کا سانس لیا۔

عمائدین اور معززین شہر بلوچ سردار کے عمل دخل پر بے حد خوش ہوئے اور انہوں نے حاضر ہوکر مبارک بادیاں دیں۔

اس کے بعد میر چاکر خان نے اپنے بیٹے میر میراں خان کو جو اوچ شریف میں مقیم تھا اور باپ کے نائب کی حیثیت سے بلوچ قبائل سے رابطہ قائم کئے ہوئے تھا بلا کر ملتان کی حکومت اس کے حوالے کردیا اور خود ستگھرہ چلے گئے۔

بعض مؤرخین کا کہنا ہے کہ میر صاحب نے اپنے بڑے بیٹے میر شہداد خان کو ملتان کی گورنری عنایت کی تھی۔ میر شہداد خان نے شیعہ مذہب اختیار کرلیا تھا اور ملتان میں شیعیت اس نے پھیلائی تھی۔

میر چاکر خان حضرت مخدوم سید محمد غوث اوچی جیلانی رحمتہ اللہ علیہ کے مرید تھے۔ جو سلسلہ عالیہ قادریہ کے بہت معروف ولی اللہ ہو گزرے ہیں جن کا مزار پرانوار اوچ شریف میں مرجع خلائق ہے۔

میر براہم خان اور میر محمد خان کی جنگ

میر براہم خان زہر نوش اور میر محمد خان میر چاکر خان کے چچا میر حسن خان مولاناغ (مولانا) کے بیٹے تھے۔ میر چاکر خان جب پنجاب کی طرف روانہ ہوئے تھے تو اپنے تمام مقبوضات ان کے حوالے کرکے آئے تھے۔ میر صاحب کے بعد ترکوں اور

میر بیبتان اور میر بجار کی جنگیں

میر بیبتان خان اور میر بجار خان، میر چاکر خان کے دست راست تھے۔ میر بالاچ خان اور میر محمد خان کے قتل کے واقعہ سے مشتعل ہوکر میر صاحب سے الگ ہوگئے۔ میر صاحب نے ان کو رام کرنے کی بڑی کوشش کی مگر اس کا نتیجہ، خاطر خواہ نہ ہوا۔

انہوں نے بے شمار مخلوق قبائل اپنے جھنڈے کے نیچے اکٹھے کیے۔ میر میرو خان اور میر تمام خان بھی اپنی قسمت آزمائی کے لئے ان سے مل گئے۔ ان سب نے مل کر ایک بہت بڑی قوت پیدا کرلی۔ انہوں نے اپنا سردار میر بیبتان خان چن کر بجائے ڈیرہ غازی خان کے علاقوں پر یلغاریں شروع کردیں۔

میر چاکر خان کو دہلی میں نواب غازی خان قریشی والئ ڈیرہ غازی خان کا خط ملا جس میں ان حملوں کا ذکر کیا گیا تھا جو میر بیبتان خان کی سرکردگی میں ڈیرہ تک ہوتے آرہے تھے۔ میر چاکر خان نے میر بیبتان خان کو پیغام بھیجا کہ خدا کا شکر ہے ہے اگر تم ہمارے ساتھ موافقت نہیں کرسکتے تو کسی اور طرف نکل جاؤ اور اپنے بھائیوں کو تنگ نہ کرو۔ میر صاحب کے پیغام کا اس نے کوئی اثر قبول نہ کیا اور بڑی شدت سے میر اتحاد اور بھائیوں پر حملے شروع کر دیئے۔ میر چاکر خان کے پاس جب میر بیبتان خان کے حملوں کی اطلاع پہنچی تو انہوں نے اپنے مشیروں سرداروں کی طرف متوجہ ہوکر کہا کہ تم میں کوئی ایسا ہے جو جاکر میر بیبتان خان کو لگام لگائے قبیلوں کے سردار میر یاسل خان (لاشاری خان) نے کھڑے ہوکر کہا کہ میں اپنی تمام قوم کو ساتھ لے جا کر اس سے جنگ کروں گا۔ میر صاحب میر یاسل خان (لاشاری خان) کی بہادری اور جرأت پر بے حد خوش ہوئے۔ انہوں نے اپنے بیٹے میر شیہک خان اور میر جلال خان ایک دستہ سوار کو جو دستہ لاشاری جنگ میں بڑا مشہور ہوا تھا اس کے

چونکہ یقینی تھی کہ کسی نے اس مہم پر جانے کا بیڑہ نہ اٹھایا آخر کار بڑی تیاری کے بعد دو والی بعد، تیار ہو گئے اور پھر ان کی زبردست فوج مکران سے چل کر میر براہم خان اور میر محمد خان کی گوشمالی کیلئے پہنچ گئی۔

میر چاکر خان کے فرمان کے مطابق دو والی سردار نے ان کو سمجھانے کی بڑی کوشش کی مگر انہوں نے کوئی بات نہ مانی اور لڑنے مرنے پر تیار رہے اس کے بعد دونوں طرف سے جھڑپیں شروع ہو گئیں ان جھڑپوں نے ایک خونریز جنگ کی صورت اختیار کرلی۔ دونوں طرف کے سورما ایک دوسرے کے سامنے ہو گئے۔ سخت جنگ ہوئی۔ جس میں میر محمد خان میر شریف خان بن میر براہم خان نہایت بہادری سے لڑتے ہوئے مارے گئے۔ میر میرو خان بن میر محمد خان اور میر آدم خان بن میر براہم خان اپنی شکست خوردہ فوجیں لے کر کوہ سلیمان کی طرف منتقل ہو گئے۔ میر براہم خان اس جنگ میں سخت زخمی ہو کر اور زخموں کی تاب نہ لا کر بعد میں فوت ہو گیا اور مقام دھوا (شاخ ڈیرہ غازی خان) میں مدفون ہوا۔ اس کے مزار پر عالیشان مقبرہ تعمیر کیا گیا ان کا مزار زیارت گاہ خلائق ہے لوگ یہاں منتیں مانتے ہیں اور چڑھاوے چڑھاتے ہیں۔

میر چاکر خان کو اس جنگ کا حال اور اپنے چچازاد بھائیوں کے قتل کا علم ہوا تو سخت نادم ہوئے اور دو والیوں کو بلا کر سخت سرزنش کی کہ تم نے میرے چچا زاد بھائیوں کو کیوں قتل کیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ آپ کا حکم تھا۔ چاکر اعظم نے کہا کہ میں نے کہا تھا کہ انہیں توڑ ڈالو اور ان کی طاقت کو توڑ دو نہ کہ انہیں قتل کرو۔ خان اعظم غصہ سے بے قابو ہو گئے چونکہ میر براہم خان اور میر محمد خان کی جنگ میں ان کے چار تن مارے گئے تھے۔ میر صاحب نے قصاص کے طور پر دو والیوں کے چار تن تہ تیغ کرادیے۔

بڑھ چکی تھی کہ کسی نے اس مہم پر جانے کا بیڑہ نہ اٹھایا آخر کار بڑی تیاری کے بعد دو دائی بہادر تیار ہوگئے اور پھر ان کی زبردست فوج ملتان سے چل کر میر براہم خان اور میر محمد خان کی گوشمالی کیلئے پہنچ گئی۔

میر چاکر خان کے فرمان کے مطابق دو دائی سردار نے ان کو سمجھانے کی بڑی کوشش کی مگر انہوں نے کوئی بات نہ مانی اور لڑنے مرنے پر تیار رہے اس کے بعد دونوں طرف سے جھڑپیں شروع ہوگئیں ان جھڑپوں نے ایک خونریز جنگ کی صورت اختیار کرلی۔ دونوں طرف کے سورما ایک دوسرے کے سامنے ہوگئے۔ سخت جنگ ہوئی۔ جس میں میر محمد خان ،میر بشریر خان بن میر براہم خان نہایت بہادری سے لڑتے ہوئے مارے گئے۔ میر میرو خان بن میر محمد خان اور میر آدم خان بن میر براہم خان اپنی شکست خوردہ فوجیں لے کر کوہ سلیمان کی طرف منتقل ہوگئے۔ میر براہم خان اس جنگ میں سخت زخمی ہوکر اور زخموں کی تاب نہ لاکر بعد میں فوت ہوگیا اور بمقام دھوا (ضلع ڈیرہ غازی خان) میں مدفون ہوا۔ اس کے مزار پر عالیشان مقبرہ تعمیر کیا گیا ان کا مزار زیارت گاہ خلائق ہے لوگ وہاں منتیں مانتے ہیں اور چڑھاوے چڑھاتے ہیں۔

میر چاکر خان کو اس جنگ کا حال اور اپنے چچازاد بھائیوں کے قتل کا علم ہوا تو سخت نادم ہوئے اور دودائیوں کو بلا کر سخت سرزنش کی کہ تم نے میرے چچا زاد بھائیوں کو کیوں قتل کیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ آپ کا حکم تھا۔ چاکر اعظم نے کہا کہ میں نے کہا تھا کہ انہیں خوف دلاؤ اور ان کی طاقت کو توڑو نہ کہ انہیں قتل کرو۔ خان اعظم غصہ سے بے قابو ہوگئے چونکہ میر براہم خان اور میر محمد خان کی جنگ میں ان کے ستر آدمی مارے گئے تھے۔ میر صاحب نے قصاص کے طور پر دودائیوں کے ستر آدمی تہ تیغ کرادیئے۔

میر ہیبتان اور میر بجار کی جنگیں

میر ہیبتان خان اور میر بجار خان ' میر چاکر خان کے دست راست تھے۔ میر براہم خان اور میر محمد خان کے قتل کے واقعہ سے مشتعل ہوکر میر صاحب سے الگ ہوگئے۔ میر صاحب نے ان کو رام کرنے کی بڑی کوشش کی مگر ان کا غیظ و غضب ٹھنڈا نہ ہوا۔

انہوں نے بے شمار بلوچ قبائل اپنے جھنڈے تلے جمع کرلئے میر میرو خان اور میر آدم خان بھی اپنی شکست خوردہ فوجیں لے کر ان سے مل گئے۔ ان سب نے مل کر ایک بہت بڑی قوت پیدا کرلی۔ انہوں نے اپنا سربراہ میر ہیبتان خان پڑرند کو بنالیا اور ڈیرہ غازی خان کے علاقوں پر یلغاریں شروع کردیں۔

میر چاکر خان کو ملتان میں نواب حاجی خان فرماں روائے ڈیرہ غازی خان کا خط ملا۔ جس میں ان حملوں کا ذکر کیا گیا تھا۔ جو میر ہیبتان خان کی سرکردگی میں ڈیرہ تک بڑھ آئے تھے۔ میر چاکر خان نے میر ہیبتان خان کو پیغام بھیجا کہ خدا کا ملک وسیع ہے۔ اگر تم ہمارے ساتھ موافقت نہیں کرسکتے تو کسی اور طرف نکل جاؤ اور اپنے بھائیوں کو تنگ نہ کرو۔ میر صاحب کے پیغام کا اس نے کوئی اثر قبول نہ کیا اور بڑی شدت سے میرانیوں اور دودائیوں پر حملے شروع کردیئے۔ میر چاکر خان کے پاس دوبارہ میر ہیبتان خان کے حملوں کی اطلاع پہنچی تو انہوں نے اپنے درباری سرداروں کی طرف متوجہ ہوکر کہا کہ تم میں کوئی ایسا ہے جو جاکر میر ہیبتان خان کی گوشمالی کرے۔ مذاریوں کے سردار میر باطل خان (بازل خان) نے کھڑے ہوکر کہا کہ میں اپنی مذاری قوم کو واپس لے جا کر اس سے جنگ کروں گا۔ میر صاحب میر باطل خان (بازل خان) کی بہادری اور جرات پر بے حد خوش ہوئے۔ انہوں نے اپنے بیٹے میر شیہک خان اور میر بجار نامی ایک رند سردار کو جو رند لاشار جنگ میں بڑا نام پیدا کرچکا تھا اس کے

ساتھ کردیا۔ میر بازل خان نذاری میر شیہک خان اور میر بجار خان اپنی فوجوں کو لیکر ڈیرہ غازی خان کی طرف چل پڑے۔ جہاں میر ہیبتان خان پڑا اور میر بجار خان مری ادھم مچائے ہوئے تھے۔ ان کی فوجوں نے دریائے سندھ عبور کیا اور میدان میں پہنچ کر میر ہیبتان خان کی فوجوں سے ٹکرا گئے۔ زبردست جنگ ہوئی جس میں دونوں طرف کے بہادروں نے شمشیر زنی کے جوہر خوب دکھائے مگر میر بازل خان نے شکست کھائی اور میر ہیبتان خان نے اس کی فوجوں کو منتشر کردیا۔ اس جنگ میں میر شیہک خان بن میر چاکر خان اور میر بجار خان رند مارے گئے۔

میر چاکر خان کو جب اس واقعہ کی خبر ملی تو اس نے اپنی تلوار فورا" نیام سے نکال کر انتقام انتقام کا نعرہ بلند کیا اور اپنی فوج تیار کرکے میر ہیبتان سے اپنے بیٹے اور اپنے ساتھیوں کے انتقام لینے کیلئے چل کھڑا ہوا اور اپنے جانباز بہادروں کے ساتھ بگولے طرح دریائے سندھ کے کنارے آ پہنچا اور دریا عبور کرنے کے بعد میر ہیبتان خان اور میر بجار خان کو للکارا۔ میر ہیبتان خان اور میر بجار خان بھی پوری طرح تیار تھے۔ دونوں فوجوں کا آمنہ سامنہ ہوا۔ سخت جنگ ہوئی مگر ہار جیت کا فیصلہ نہ ہوسکا۔ اس کے بعد میر چاکر خان نے محسوس کیا کہ اسی طرح اس کی کامیابی مشکل ہے۔ دوسرے دن جب میدان جنگ میں دونوں طرف کی فوجیں آمنے سامنے ہوئیں تو ایک جنگی چال کے تحت میر صاحب نے اپنی فوج کو پیچھے ہٹنے کا حکم دیا۔ جسے میر ہیبتان خان کی فوج نے میر چاکر خان کی عام پسپائی پر محمول کیا۔ سرکنڈوں (بوٹوں) کے جنگل میں میر صاحب کا مشہور جرنیل میر شاہنواز خان نذاری (شاہو خان) چھ ہزار سواروں کے ہمراہ دشمن کی گھات میں تھا۔ جب میر ہیبتان کا لشکر صفیں توڑ کر آگے بڑھا تو پیچھے سے میر شاہو خان نذاری نے حملہ کردیا۔ ادھر سے میر چاکر خان نے بھی پلٹ کر جوابی حملہ کردیا۔ میر ہیبتان خان کی فوج گاجر مولی کی طرح کٹنے لگی۔ میر چاکر خان کی

فوج نے کشتوں کے پشتے لگا دیئے۔ حتیٰ کہ میر صاحب نے میر ہیبتان خان کی فوج کو کچل کر رکھ دیا اور بقایا فوج حواس باختہ ہو کر بھاگ کھڑی ہوئی ۔ میر ہیبتان خان اپنی جان بچانے کی خاطر پہاڑ کی طرف بھاگ نکلا مگر آگے جا کر کسی غار میں گر کر مر گیا بنگو خان سارنگانی مذاری نے جو اس کے تعاقب میں تھا غار میں اترا اور اس کا سر کاٹ کر میر صاحب کے پاس لے آیا۔ میر صاحب کے حکم پر اس کے سر کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے پھینک دیا گیا۔ میر چاکر خان اپنے بیٹے اور اپنے پرانے رفیقوں اور فوجیوں کے خون کا بدلہ لے کر واپس چلا گیا۔

میر چاکر خان کے واپس جانے کے بعد میر بجار خان مری نے شکست خوردہ قبائل اور کوہ سلیمان کے دیگر بلوچوں کو اکٹھا کر کے ایک بہت بڑی فوج تیار کی اور ڈیرہ غازی خان کے علاقوں کو پامال کرنا شروع کر دیا۔ حاجی خان فرمانروائے ڈیرہ غازی خان نے پھر میر چاکر خان کے پاس میر بجار خان کے حملوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھا کہ اس کی جمعیت کافی ہے۔ میں اکیلا اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ خدارا میرے ملک کو اس سے بچائیے۔ میر چاکر نے میر بجار خان کے پاس لکھا کہ حاجی خان ہمارا بھائی ہے۔ اس سے کسی قسم کی چھیڑ چھاڑ نہ کرو۔ میر بجار خان میر چاکر خان کے اس فرمان سے رک جاتا لیکن کوہ سلیمان کے بلوچ قبائل نے سابقہ جنگوں میں شکست کے بدلہ لینے کے پیش نظر صورت حال کچھ ایسی پیدا کر دی کہ لڑائی ناگزیر ہو گئی۔ اسی حالت میں ڈیرہ اسماعیل خان اور ڈیرہ غازی خان کے تمام سرداروں نے خواہ وہ کلاچی تھے یا دودائی یا لنڈ یا مذاری و ہوت سب نے میر بجار کے خلاف متحدہ محاذ بنا لیا۔

میر بجار خان اور ڈیرہ جات کے سرداروں کے مابین جنگیں جاری تھیں کہ میر چاکر خان ایک بہت بڑا لشکر لے کر ان کی مدد کو آ پہنچا۔ ڈیرہ جات اور میر چاکر کی فوجوں نے متحدہ محاذ بنا لیا اور میدان میں اتر آئے۔ وہاں سے میر بجار خان بھی اپنی

تک نہیں سمجھا جاتا اور ان کے ہر قول و فعل پر طنز کیا جاتا ہے یہ ایک مسلم حقیقت ہے کہ شکست خوردہ قوموں کو ہمیشہ ایسے حالات سے دوچار ہونا پڑا ہے۔ دیکھئے لاشار جو ایک بے حد بہادر بلوچ قبیلہ ہے۔ رند لاشار جنگ میں شکست کھانے کے بعد اس کی حیثیت کہاں گئی۔ اب تو اسے بلوچ تک ماننے کیلئے بھی کوئی شخص تیار نہیں۔

تبدیلی حالات

میر چاکر خان نے پندرہ برس تک ملتان پر نہایت ٹھاٹھ باٹھ سے حکومت کی اس دوران ملک میں بے انتہا سیاسی تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ میر چاکر خان جو منصوبے بنا کر سبی سے چلا تھا یا جس توقع کے تحت اس نے ملتان فتح کر کے اس پر اپنی حکومت قائم کی تھی۔ یہ تمام آرزوئیں اور یہ تمام منصوبے خاک میں ملتے دکھائی دے رہے تھے۔ شیر خان ہمایوں کو ملک سے باہر نکال کر شیر شاہ بن چکا تھا اور اب وہ بلوچوں کے درپے تھا اس نے اپنے ایک تجربہ کار جرنیل خواص خان کو اس مہم پر مقرر کیا اور وہ بڑے لاؤ لشکر سے بلوچوں پر حملہ آور ہوا مگر میر چاکر خان نے اس کی ایک نہ چلنے دی اور مار مار کر بھگا دیا۔ پھر اس نے ہیبت خان نیازی کو بلوچوں کے استیصال پر تعینات کیا۔ میر چاکر خان نے اپنے بیس سالہ بہادر بیٹے میر میراں خان کو جو ملتان کا گورنر بھی تھا۔ دشمن سے مقابلہ کرنے کیلئے روانہ کیا۔ ہڑپہ کے مقام پر میر میراں خان اور ہیبت خان کے درمیان خونریز جنگ ہوئی۔ اس جنگ میں ہیبت خان نے شکست کھائی اور میر میراں خان فتح و نصرت کے پھریرے آڑاتا ہوا ملتان پہنچ کر اپنے والد بزرگوار کے قدم بوس ہوا۔

میر چاکر خان کو یقین تھا کہ اب ہیبت خان نچلا نہیں بیٹھے گا اور پوری طاقت سے حملہ کرے گا۔ اس لئے بلا توقف ڈیرہ غازی خان پہنچا تاکہ اپنے بلوچ بھائیوں کو

ان دنوں پاکپتن ہیبت خان کی تحویل میں تھا۔ اس نے کئی ہزار پٹھان کے
لشکر کی تشکیل میں فوجوں کو دو بیجان کے علاقے کی طرف روانہ کر دیا۔ ملتان فتح خان
نے لیا اور پٹھان کا غالب ہوا اگرچہ ہیبت خان کے پاس تین چار ہزار سے زیادہ سپاہ
نہیں تھی تاہم اس نے اپنے دستے آگے بڑھا کے پناہ گیر کو ملتان کی جانب بھیجا کے
ہاتھ پکڑ کے ان کا دروازہ کھلوا کر اندر داخل ہوئے۔ ہیبت خان کی فوجیں کامیاب نہیں
اور انہوں نے شہر کا محاصرہ کر لیا اور فریقین کے مابین جنگ شروع ہو گئی۔ تین ماہ
بعد جنگ جاری رہی اور اہل قلعہ کے تنگ ہونے کے باوجود مزاحمت جاری رہی۔ فتح
خان نے اپنے ساتھیوں کو جانوں سے بچانے کی خاطر جنگ ختم کی اور شیخ سے
کہا کہ آپ کے درمیان صلح کرا دیں اور اس نے حضرت شیخ ابراہیم کے ذریعے ہیبت خان
سے بات چیت شروع کر دی اور آخر کار اس نے اپنے آپ کو شیخ ابراہیم کی وساطت
سے ہیبت خان کے حوالے کر دیا۔ تو اس نے شیخ ابراہیم سے کہا کہ میں شیخ ابراہیم کا
احترام کرتا ہوں لیکن اس کا حکم ہے کہ اس پر عمل کریں گا اور فتح خان کو قتل کر دیا۔

ہیبت خان اپنے ملک کی حفاظت کیلئے نواب بہادر سے لڑتا رہا۔ لیکن جب
اسے جنوبی علاقوں کی ضرورت پڑی تو اس نے اپنے تین ہزار پٹھانوں کے گروہ سے آگے
بڑھ کر حملہ کیا۔ شیر شاہ سے ایک ہی نواب بہادر سے لڑتا رہا اور اس کے بعد سے
ان پر حملہ کر دیا۔ ہیبت خان نے ملتان فتح کر لیا۔ فتح خان کے ساتھی گرفتار ہو گئے۔
گرفتار شدہ خان پٹھانوں سے قتل کر دیا گیا۔ بلوچ سردار کے پاس کا کوئی دستہ نہ تھا۔
بلوچ سردار نے ہتھیار ڈال دیے اور ہیبت خان کے پاس لے آیا گیا۔

ہیبت خان نیازی کا ملتان پر حملہ

جہاں دار خان گکھر سے شکست کھا کر روانہ ہوا اور بہاں پہنچ کر اس نے اپنا

چابک مار دی گئی۔ گھوڑا اپنے پیچھے اس بوجھ کو دیکھ کر بھڑک اٹھا اور تھوڑی دیر میں اس خوبصورت نوجوان سردار کی روح پرواز کرگئی۔ وہ سر جو خدا تعالیٰ کے سوا کسی کے آگے نہ جھکا تھا۔ اب ریزہ ریزہ ہو کر ملتان کی گلیوں اور سڑکوں میں بکھر گیا۔

میر میراں خان کے رفیقوں نے اسے حضوری باغ کے قریب دفن کردیا تھا۔ جب میر چاکر خان کو اطمینان نصیب ہوا تو اس نے اپنے بہادر بیٹے کی قبر پر ایک شاندار مقبرہ تعمیر کرایا۔ سکھوں کے حملوں میں مقبرہ تو منہدم ہوگیا البتہ اس کے آثار اور میر میراں خان کی قبر اچھی حالت میں موجود ہے اور میراں شاہ بلوچ کے نام سے یہ زیارت گاہ معروف ہے۔

دہلی کی فتح

شیر شاہ سوری کا بلوچی ریاستوں پر قبضہ کرنے کے بعد ملکی اور سیاسی حالات بدل گئے۔ میر چاکر خان واپس ستگھرہ آکر اپنے بیٹے میر میراں خان کے انتقام لینے کے بارے میں سوچنے لگا۔ ہمایوں سے بھی میر صاحب کا خط وکتابت جاری تھا۔ اس دوران شیر شاہ کے بعد اس کا لڑکا سلیم شاہ تخت نشین ہوا اور نو سال حکومت کرکے فوت ہوگیا اس کے بعد امراء نے اس کے کم سن بچے فیروز شاہ کو تخت نشین کیا مگر اس کے ماموں مبازر خان نے اسے قتل کرکے تخت پر خود قبضہ کرلیا لیکن احمد خان سوری جو شیر شاہ کا بھتیجا اور داماد تھا اس سے الگ ہوگیا اور اس نے ملتان، سندھ اور دوسرے علاقہ جات پر قبضہ کرکے سلطان سکندر کے لقب سے اپنے نام کا سکہ اور خطبہ جاری کردیا۔ میر چاکر خان کو اطلاع ملی کہ جلا وطن بادشاہ نصیر الدین محمد ہمایوں اپنے تاج و تخت کی واپسی کیلئے غزنی سے آگے بڑھ چکا ہے۔ تو میر صاحب کو بے حد خوشی ہوئی۔ میر صاحب ہمیشہ سے ہمایوں کا خیر خواہ تھا۔ پہلی دفعہ جب کوہ بولان پر اس کی ملاقات

ہمایوں سے ہوئی تھی تو اس نے ہمایوں کو فوجی امداد دینے کا وعدہ کیا تھا۔ جب ہمایوں پشاور پہنچا تو میر صاحب نے حاضر ہو کر دوسری بار ان سے ملاقات کی اور سوریوں سے جنگ لڑنے کیلئے فوجی تیاریوں اور جنگی حکمت عملی پر تبادلہ خیال کیا اور پھر واپس سنگھڑ پہنچا اور پھر سکندر شاہ سوری سے جنگ لڑنے کی تیاریوں میں مصروف ہو گیا اور چالیس ہزار فوج تیار کرلی اور ۱۵۴۱ء میں جب ہمایوں بادشاہ ہندوستان پر حملہ آور ہوا تو چاکر اعظم چالیس ہزار کا لشکر جرار لئے ہوئے اس کے ہمراہ تھا۔ لاہور تک کا علاقہ تو بغیر جنگ کے ہاتھ آگیا مگر سرہند میں میدان کارزار خوب گرم رہا۔

یہ معلوم ہو کہ میر چاکر خان کا ہمایوں کے ساتھ شریک ہو کر سوریوں سے جنگ لڑنے کا حال صرف بلوچی روایات سے ملتا ہے اور اس کے علاوہ صرف انگریز مؤرخ مسٹر لونگ ورتھ ڈیمز نے اپنی کتاب پاپولر پوئٹری آف بلوچیز یعنی "قدیم بلوچی شاعری" میں میر شداد خان کا جنگ میں آنکھوں دیکھا حال بیان کیا ہے۔ جو بلوچی اشعار میں ہے۔ ہمارے پاس سوائے ان کے اور کوئی کتابی شہادت نہیں۔

میر شہداد خان کہتا ہے کہ میر چاکر خان رند نے اپنا لشکر جمع کیا دو تلواروں والے لنگاہ ناہڑ اور کنگ فاتحانہ جذبے سے سرشار اس کے جھنڈے کے نیچے روانہ ہوئے دودائی بھی تلواروں سے مسلح ان کے ہمراہ تھے ان کے کندھوں پر نرم اور خوشبو دار ہراتی چمڑے لپٹے ہوئے تھے اور ان کی تلواریں سبز رنگ کی پیٹیوں سے آویزاں تھیں۔ میر چاکر خان کا لشکر چالیس ہزار افراد پر مشتمل تھا۔ تیس ہزار میر عالی بلیدی اور دس ہزار اوچی مزید برآں تھے۔ دشمن کی تعداد چار لاکھ نفوس سے کہیں زیادہ تھی۔

سورج نکلتے وقت دہلی کی لاتعداد فوج نمودار ہوئی نیزوں کی چھاؤں نے زمین کو ڈھانپ دیا تھا۔ انسانوں اور گھوڑوں سے کوئی جگہ خالی نہیں تھی۔ جب جنگ کا طبل

بچا تو چالیس ہزار رند بہادر حملہ آور ہوئے جن کے دل خوف سے نہ آشنا تھے وہ تیز ہتھیاروں کے ساتھ آگے بڑھے۔ جنگ چھوٹی توپوں کی باڑھ سے شروع ہوئی جن کو خاکستری رنگ کے گھوڑوں پر رکھا ہوا تھا۔ ذرا سی دیر میں خون کی ندیاں بہہ گئیں۔ اچانک چاکر اعظم کے جھنڈے سے غبار اٹھتا دکھائی دیا۔ خان اعظم کے بائیں جانب بلیدی پسپا ہو رہے تھے اور کئی اپنی جگہ سے بھاگ چکے تھے۔ میسرہ پیچھے ہٹ آیا دلی والے شدت سے آگے بڑھے۔

اس وقت چاکر اعظم کی شیر دل بہن مائی بانڑی ہاتھی کے ہودج میں جم کر کھڑی ہو گئی۔ اس نے اپنے طلائی زیور اتار کر جمع کر لئے اور ایک ایک رند پہلوان کا نام لے کر نچھاور کرنے شروع کئے وہ کہہ رہی تھی۔

بلوچ بہادرو تمہاری ماؤں ' بیٹیوں ' بہنوں ' بیویوں اور تمہارے ملک و وطن کی عزت و عصمت خطرے میں ہے۔ میں تمہیں خدا کا واسطہ دیتی ہوں۔ ایک بار پانسہ مٹھی میں لے کر پھینک دو یا سب کچھ ہار جاؤ یا سب کچھ جیت لو۔

عام بلوچی روایت یہ ہے کہ مائی بانڑی صاحبہ نے کہا کہ اے بلوچ بہادرو اگر تم لڑائی سے منہ موڑنا چاہتے ہو تو اپنا لباس اور اپنے ہتھیار ہم عورتوں کو دے دو ہم خود دشمن سے مقابلہ کریں گی اور تم زنانہ لباس پہن کر پردہ نشین ہو جاؤ۔ افسوس ہے تم پر ایک بار دشمن پر شیر کی طرح سنبھل کر حملہ کردو اور اس کے چھکے چھڑا دو۔ فتح تمہاری ہے۔

میر شہداد خان کہتا ہے کہ ہم لوگوں نے یہ سن کر سر کی بازی لگا دی اور یک بارگی حملہ کرکے سوریوں (سکندر شاہ سوری) کی فوج سے گتھم گتھا ہوگئے تیز تیز تلواریں جو تازہ تازہ سان (سران) پر چڑھی ہوئی تھیں دشمنوں کے سروں اور شانوں پر برسنے لگیں۔ تھوڑی دیر نہ گذری تھی کہ جنگجو افغان (سوری فوج) پیٹھ دے کر

بھاگنے لگے۔ اور دہلی کے نمک حرام ترکوں میں بھگدڑ مچ گئی دشمن کے دس ہزار آدمیوں کو ہم نے آن کی آن میں شیر نر کی طرح پھاڑ کر رکھ دیا اور قضاء کی چکی میں پیس ڈالا۔

سوری لشکر کے غیر مسلم فوجی بڑی تعداد میں قتل ہوئے ان کے گھوڑے چھین لئے گئے اور ان کی نازک اندام بیویاں ' لونڈیاں بنائی گئیں اور دہلی کے خزانے لوٹ لئے گئے۔ ہم نے (دہلی پہنچ کر) چار راتیں وہاں گزاریں۔ تاکہ ہمارے بہادر آرام کریں اور گھوڑوں کی تھکان دور ہو اور ان کے پیروں کی سوجن رفع ہو۔

ہمارے لشکر سے سات ہزار آدمی کام آئے تین سو بلوچ مارے گئے۔ جن میں ملن خان بھی شامل تھا جو ڈینگیں مارنے والے دشمن پر حملے میں پہل کرتا تھا۔ اس کے علاوہ نوح خان جو نوحک خان کے ہمراہ آیا تھا۔ بالش خان جو شاہی خاندان میں سے میر صاحب کے ساتھ آیا تھا مارے گئے اور میں اپنے گھرانے کے اٹھارہ نوجوانوں میں سے نو مروا کر نو کے ساتھ واپس لوٹ رہا ہوں۔ خدا تعالیٰ میر چاکر خان کو سلامت رکھے اور اس کا سایہ ہمیشہ ہمارے سروں پر قائم رہے۔

جب سرہند (دہلی) کے میدان جنگ سے دشمن سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ گیا تو ہمایوں بادشاہ فتح و مسرت کے شادیانے بجواتا ہوا دہلی کو روانہ ہوا اور رمضان المبارک ۹۶۲ ھج کو اس شہر میں داخل ہوا اور اپنے آبائی تخت پر جلوس کرکے اپنے رفیقوں اور دوستوں کو انعام و اکرام سے مالا مال کیا۔

بلوچی روایات سے یہ بھی ثابت ہے کہ فتح کے بعد رندوں نے شہنشاہ ہمایوں کو اپنے کندھوں پر اٹھا لیا اور فتح و نصرت کے شادیانے بجاتے ہوئے دلی لا کر تخت پر بٹھا دیا۔ اس کے ساتھ سب رند بھی تخت پر چڑھ بیٹھے۔ تخت ٹوٹ گیا اور سب گر پڑے۔ چنانچہ بلوچی شاعر کہتا ہے کہ۔

ہر شنگت د لی گوں د لی تخت ء
رند بنا نشتگنت گوں بلند بخت ء

علامہ نور احمد خان فریدی لکھتے ہیں کہ اس کا یہ مطلب نہیں بلکہ اس طرح ہے
کہ پایہ تخت دلی کو فتح کرنے کے بعد رندوں کو آرام نصیب ہوا۔

میر چاکر خان کی قدر افزائی

تخت پر متمکن ہونے کے بعد شہنشاہ نے میر چاکر خان کو دہلی سے آگرہ تک کا درمیانی علاقہ اور ست گھرہ کی ریاست مرحمت فرما کر اسے اس ریاست کا خودمختار حکمران بنادیا۔

چاکر اعظم نے اپنے رفیقوں کو بلند شہر میرٹھ تھانہ بھون ' غازی آباد وغیرہ سیر حاصل مقامات میں آباد کیا اور اپنے فرزندوں میں سے میر نوح خان کو دہلی سے آگرہ جانے والی سڑک پر ایک جاگیر مرحمت فرمائی۔ میر باگڑ خان کو متھرا کے قریب شاہ پور میں میر اللہ داد خان کو جمنا کے کنارے آباد کیا غرضیکہ میر صاحب نے مختلف مقامات پر اپنے تمام بیٹوں کو جاگیریں دیں اور انہوں نے اپنے اپنے نام کے شہر اور قلعے تعمیر کئے اور اسی طرح بلوچ تمام پنجاب پر چھاگئے۔

ہمایوں کی قدردانی نے چاکر اعظم کیلئے سکون و اطمینان کے لمحات پیدا کردیئے۔ بوڑھا جرنیل اپنی خون آشام تلوار نیام میں ڈال کر ایک منتظم حکمران کی صورت میں منظر عام پر آیا اور اس نے اپنی زندگی میں بلوچ قوم کو ہرے بھرے میدانوں میں آباد کیا اور تمام پنجاب میں بلوچ ہی بلوچ نظر آنے لگے۔ اگرچہ خان اعظم کا برصغیر پر حکومت کرنے کا خواب پورا نہ ہوسکا تاہم وہ بلوچوں کو ایسی آسودگی اور فارغ البالی سے ہمکنار کرگیا کہ وہ آج جہاں کہیں بھی ہیں سکون اور اطمینان سے زندگی بسر

کر رہے ہیں۔

ستگھرہ

ستگھرہ ضلع ساہیوال میں ایک مشہور مقام ہے۔ زمانہ قدیم سے یہ شہر ہندوؤں کا متبرک مقام تھا۔ اس کی شہرت ایک عظیم مندر کے سبب تھی۔ پاک و ہند کے گوشے گوشے سے ہندو یہاں آتے اور اس کے تالاب میں اشنان کرتے۔ میر چاکر خان نے اس شہر کو اپنے لئے پسند کیا اور اسے اپنا دارالحکومت بنایا۔ کیونکہ یہ شہر شاہراہ پر واقع تھا اور ادھر ادھر جانے والے قافلے یہاں سے گزرتے تھے۔ اس طرح یہاں رہ کر بلوچ سردار نہ صرف پنجاب بلکہ بلوچستان تک کے حالات سے باخبر رہ سکتا تھا۔

میر صاحب نے پرانے شہر کے نزدیک نئے شہر کی بنیاد اپنے مرشد کامل حضرت مخدوم محمد غوث بالا پیر رحمتہ اللہ علیہ کے مبارک ہاتھوں سے رکھوائی۔ عالی شان محلات، دیوان عام اور دیوان خاص تعمیر کرائے۔ دریا سے نہریں نکال کر باغات لگوائے اور اس شہر کو جنت نظارہ بنا دیا۔

ست گھرہ کا قلعہ دنیا کے عجائبات میں شمار ہوتا تھا۔ زیر زمین تہ خانے اور سرداب تھے اور اس کے اوپر دو منزلہ سہ منزلہ عمارتیں تھیں۔

جب قلات کے حکمران میر نصیر خان نوریؒ بلوچ نے احمد شاہ ابدالیؒ کے ہمراہ سکھوں پر تابڑ توڑ حملے کئے۔ تو ان کے واپس جاتے ہی سکھوں نے ستگھرہ کے بلوچوں سے سخت انتقام لیا۔ ست گھرہ کے بلوچ تلوار کے دھنی تھے مگر توپوں کا جواب ان کے پاس نہ تھا۔ بے شمار لوگ لڑ کر مارے گئے اور ایک بڑی تعداد اہل و عیال کے ساتھ جنگلوں میں جا چھپی۔ سکھوں نے خزانوں اور دفینوں کے لالچ میں تمام قلعے کو تہ و بالا کردیا۔ جو سامان اور اینٹیں لے جاسکے لے گئے جو نہ اٹھا سکے انہیں اونے پونے

داموں میں بیچ ڈالا پرانے سنکھرہ کے مکانات میں نئے سنکھرہ اور اس کے قلعے کی اینٹوں سے عمارتیں بنائی گئیں۔ صرف اس شہر میں نہیں بلکہ چھ چھ میل تک جو چاہات یا مکانات بنائے گئے۔ سب میں اسی شہر کی اینٹیں لگی ہیں۔

میرچاکرخان (چاکرِاعظم) بلوچ قوم کا زبردست ہیرو دیوتا صفت انسان کہلاتا تھا۔ کیونکہ وہ زور آوری اور حق پرستی کا مجموعہ تھا اسکے دربار میں ہرچیز پرسکون تھی۔ سب پرسکوت و صموت طاری ہوتا تھا اس کے فخرومباہات اور دبدبہ اور طنطنہ کے سامنے اسکے ہمسر بھی مفلوج ہوکر رہ جاتے تھے حاضرین اس کے سامنے کٹھ پتلیاں بن کر رہ جاتے تھے۔ اسکی نظر سے آنکھیں خیرہ ہوجاتی تھیں۔ ہرسر اس کے سامنے خم ہو جاتا تھا اس کا ہر لفظ جچاتلا ہوتا تھا ساری رند سلطنت اس کے اشارۂ ابرو پر چلتی تھی۔ وہ ان بے نظیر سالاروں میں سے تھا جو قدیم زمانہ سے تاریخ و تقدیرِ بلوچستان کو نئے برے سے ڈھالتے رہے ہیں۔ یہ جلیل القدر اِنسان ان گنت خوبیوں کا مالک تھا۔ جو بلوچوں کی قومی اُفق پر اولین و آخرین ستارے کی طرح جگمگایا ابھی وہ انصاف شفقت اور انسانیت کا مجسمہ ہوتا تھا اور ابھی نفرت بربریت کا پہاڑ بن جاتا تھا۔ میرچاکرخان ان تہذیب پرور ایشیائی قسمت آزماؤں میں تھا جو قوائے تقدیر کے ہمراز ہوتے ہیں میرچاکر خان کی غیرفانی عظمت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ اس کی وفات کے ساڑھے چار سو سال بعد آج بھی اس کی جنگیں ترکتازیاں اور داستانیں زبان زد خاص وعام ہیں۔ موت کے بعد اس بلوچ سردار کو جو تعظیم و تکریم حاصل ہوئی وہ دنیا کے دوسرے حکمرانوں کیلئے باعث رشک ہے۔ بلوچی قصے اور روایات اس رند شمشیرباز اور عظیم ترین بلوچ حکمران کے گن گاتی ہیں۔ مرحوم میرچاکر تختِ بلوچستان پر نشستہ زندہ چاکر سے زیادہ مقبول اور عزت مآب ہے۔ (از انور رومان)

میر چاکر خان کا وصال

ایک عرصہ تک ریاست سکھرہ پر نہایت شان و شوکت سے حکومت کرنے کے بعد چاکر اعظم نے وفات پائی محمد سردار خان اپنی کتاب تاریخ بلوچ میں لکھتے ہیں کہ میر چاکر خان اندازا" ۱۴۵۷ء کو پیدا ہوئے اور تیس سال کی عمر میں اپنے والد بزرگوار کی جگہ تخت نشین ہوئے اور چھیانوے برس کی عمر پاکر ۱۵۵۷ء کو فوت ہوئے۔ فوتگی کی وجہ یہ ہوئی کہ دو وحشی بیل لڑ رہے تھے۔ میر صاحب ان کو چھڑانے کی غرض سے درمیان میں آگئے اور دونوں کے ٹکر لگنے سے وصال کر گئے۔

اس کے علاوہ عام بلوچی روایت یہ ہے کہ میر صاحب نے دو چھترے پال رکھے تھے اور ان کو لڑانا سکھایا ہوا تھا۔ دونوں ہاتھوں کو لمبا کرکے چھتروں کو آکرتے تو وہ ان کے ہاتھوں پر ٹکر مار کر پیچھے ہٹ جاتے ایک بار حسب معمول ان دونوں چھتروں سے اسی طرح کھیل رہے تھے کہ ان دونوں کی ٹکریں بجائے ہاتھوں کے میر صاحب کے سینے پر زور سے لگیں تو میر صاحب وصال کر گئے۔ اس واقعہ کی صحت کے بارے میں کچھ نہیں کہا جاسکتا بہر حال اس قسم کا واقعہ میر چاکر خان کے پڑپوتے میر جسک خان کو پیش آیا تھا۔ علامہ نور احمد خان فریدی لکھتے ہیں کہ میر صاحب بیمار ہو کر تقریبا" ۹۷۲ھج بمطابق ۱۵۶۵ء میں فوت ہوئے اور ان کو سکھرہ میں سپرد خاک کیا گیا اور پھر اس پر عالیشان مقبرہ تعمیر کردیا گیا۔ جو مغل تعمیر کا بہترین نمونہ تھا۔ سکھوں کے دور میں قمر سنگھ نے میر چاکر خان کے مقبرہ کے گنبد کو گرا کر اس پر دو منزلہ عمارت تعمیر کرنے کا منصوبہ بنایا لیکن مقبرہ کافی کشادہ تھا سکھ سردار کو لمبا شہتیر نہ مل سکا۔ تو اس نے قبر کے ارد گرد ستون کھڑے کرکے اس پر چھت ڈال دی اور قبر ملبے میں دب کر رہ گئی۔ ۱۹۵۷ء میں محکمہ آثار قدیمہ نے ملبہ ہٹا کر اصل قبر کو برآمد کرکے ایک چوکیدار مقرر

کردیا۔ میر چاکر خان کا مزار زیارت گاہ خاص و عام ہے۔

حال دنیا پر سیدہ ام ازیک فرزانہ
گفت یا بادیست یا خوابیست یا افسانہ

میر چاکر خان کی اولاد

میر صاحب کی تمام اولاد کی کچھ خبر نہیں کہ وہ کتنی تھی بہر حال بلوچی اشعار سے میر صاحب کے اٹھارہ بیٹے ثابت ہوتے ہیں۔ جو رند لاشار جنگ میں شریک ہوئے تھے۔

چاکر گوں وزی ہژدہ بنگویں بچھاں
گوں ہزار ڈاڈے پوترویں رنداں

اللہ معلوم اس جنگ میں کتنے مارے گئے اور کتنے بچ رہے۔

علامہ نور احمد خان فریدی نے اپنی کتاب میں میر صاحب کے صرف گیارہ بیٹوں کی فہرست دی ہے۔

(۱) میر شہداد خان ' جد اعلیٰ میرانے بلوچ ' بلوچان گڑھی بلوچ ' فتح پور ' نورنگ پور ' بادشاہ پور

(۲) میر اللہ داد (دادن خان) جد اعلیٰ بلوچان خوشاب ' فرخ نگر ' خرم پور ' ملتان وغیرہ

(۳) میر شیہک خان (شہید) درجنگ ' ڈیرہ غازی خان

(۴) میر میراں خان گورنر ملتان

(۵) میر باقر خان گورنر متھرہ

(٦) میر قائم خان

(۷) میر جلال خان

(۸) میر نوح خان

(۹) میر بجار خان جد اعلیٰ سرداران ساہیوال

(۱۰) میر شاہو خان

(۱۱) میر سپہ دار خان جد اعلیٰ سرداران منگیرہ

میر چاکر خان کی صاحبزادیوں ' ہمشیراؤں اور بیویوں کی کوئی خبر نہیں کہ وہ کتنی تھیں البتہ تاریخ میں صرف ایک بیوی مائی ہانی صاحبہ اور دو بہنوں مائی بانڑی صاحبہ اور مائی مزی صاحبہ کا نام آتا ہے۔

انگریز مؤرخ مسٹر لونگ ورتھ ڈیمز نے اپنی معروف کتاب "پاپولر پوئٹری آف بلوچیز" میں لکھا ہے کہ رند لاشار جنگ کے زمانہ میں میر چاکر خان نے میر گہرام خان کو بد دعا دی تھی اور جو کچھ اس کی زبان سے نکلا تھا وہی کچھ میر گہرام اور اس کی اولاد کو پیش آیا۔ میر گہرام خان جنگ میں ذلت آمیز شکست کھا کر مارا گیا۔ اس کی اولاد تباہ و برباد ہوکر اپنے ملک سے جلا وطن کالے کوسوں دور گجرات (ہندوستان) میں جاکر پناہ گزین ہوئی اور پھر نہ معلوم اسے کن کن مصیبتوں کا سامنہ کرنا پڑا اور کس حال میں اپنی زندگی گزار کردنیا سے رخصت ہوئی آج اس کی نسل کا نام و نشان تک نہیں ملتا۔

اسی طرح میر گہرام خان نے بھی میر چاکر خان سے تنگ آکر اسے یوں بد دعا دی تھی کہ۔

...اں ڈیہاکہ آتژواں نیں شیر
ماں دف ودیم و برنجیں ریشاں
چنک ف بلوچی آ لیلھلیاں
زال ف جاموزی آ گال آیاں

چھک شریک بنتے گوں جٹ وگوپانگاں

یعنی ۔ خدا کرے تو ایسے ملک میں جلا وطن ہوجائے جہاں تجھے جڑی بوٹیوں کا دودھ نصیب ہو۔ تیری اولاد بلوچی زبان سے محروم رہے۔ تیری عورتیں بجائے بلوچی زبان کے تجھ سے دوسری زبانوں میں بات کریں۔ تیری غیرت و حمیت جاتی رہے اور تیری اولاد پچ قوموں سے رشتہ داریاں کرتی رہے۔

میر گہرام خان کی بددعا نے زبردست اثر دکھایا۔ رند لاشار جنگ کے کچھ عرصہ بعد ترکوں نے سیوی پر یلغار کردی اور رندوں کو سخت مصیبتوں نے گھیر لیا۔ میر چاکر خان نے سیوی کو خیرباد کہا اور رندوں کو لے کر پنجاب کی راہ لی۔

رند کھپت غاں ماں وزی آ

سیوی شمو ختا چاکرا

میر چاکر خان اپنے ملک و وطن سے نکل کر سرزمین پنجاب میں پہنچا اسے وہاں بھی آئے دن مصیبتوں کا سامنہ رہا۔ دنیا سے رخصت ہونے کے بعد بھی اسے وطن کی مٹی نصیب نہیں ہوئی اور اس کی اولاد بھی وہاں کی ہوکر وہاں رہ گئی۔

پنجاب کے مختلف علاقوں میں میر چاکر خان کی نسل اور رند بڑی تعداد میں آباد ہیں مگر وہ بلوچی قواعد و ضوابط رسم و رواج ' تہذیب و تمدن اور زبان و لباس کو نہیں جانتے۔ شہروں میں مصنوعی دودھ (آتڑواں نیں شیر) استعمال کرتے ہیں اور یہ معلوم نہیں کہ۔

چھک شریک بنتے گوں جٹ و گوپانگاں

وہ پچ قوموں سے بھی رشتہ داریاں کرتے ہیں یا نہیں اور رندی غیرت و حمیت ان میں کس حد تک پائی جاتی ہے۔ میں تو صرف اس قدر کہوں گا کہ۔

کئی نسلوں کی تنسیخ تمیت کا سبب ہوگا
جو بچہ ناشناس مسلک اجداد رہتا ہے

بلوچوں کے بادشاہ اور قومی ہیرو خان اعظم میر چاکر خان رند کی داستان یہاں ختم ہوئی۔ اب آیئے ذرا واپس بلوچستان چلیں!

قلات

مؤرخین کا بیان ہے کہ قلات میں سب سے پہلے ایک مسلمان حکمران برسر اقتدار آیا تھا۔ اس کے بعد یہاں پر ایک ہندو خاندان راجہ سیوا کی حکومت قائم ہوگئی۔ راجہ سیوا خود قلات میں رہتا تھا اور اس کا بیٹا سنگین اس کے نائب کی حیثیت سے جھلا واں کے علاقے زہری میں بودو باش رکھتا تھا۔ ان دونوں کا انتظام حکومت منصفانہ چلتا تھا۔ نذاریوں اور چند افغانوں نے مل کر اس کے ملک اور دارالحکومت پر یلغاریں شروع کردیں اس نے مجبور ہوکر قریب کے پہاڑیوں میں رہنے والے خانہ بدوش گدڑیوں کے سردار میر قنبر خان میروانی بروہی سے امداد طلب کی تاکہ ان کی کارستانیوں اور چیرا دستیوں کا قلع قمع کرسکے کیونکہ سارے ملک کی تباہی کے علاوہ خود دارالحکومت کو بھی ان سے خطرہ درپیش تھا۔ میر قنبو خان نے تھوڑے سے عرصے میں ان لٹیروں اور حملہ آوروں کا خاتمہ کردیا اس کے بعد میر قنبر خان اپنے آپ کو علاقے کا سب سے بڑا طاقتور خیال کرنے لگا اور اس علاقے کا بلا شرکت غیرے مالک بننے کی تیاریاں شروع کردیں۔ آخر کار کچھ عرصہ کے بعد اس نے راجہ کو گدی سے اتار کر قلات کی حکومت پر قبضہ کرلیا راجہ سیوا اپنے خاندان کو لے کر زہری کی طرف چلا گیا اور اپنے بیٹے سنگین کے پاس رہنے لگا جو ابھی تک اس علاقے پر تابض تھا۔ کچھ مدت کے بعد دونوں باپ بیٹوں کو زہری سے بھی نکلنا پڑا۔ انہوں نے وہاں سے بھاگ کر سکھر اور ملتان کی راہ لی اور اسی طرح قلات کی حکومت میروانی بروہیوں کے

ہاتھ آگئی۔ (یہ معلوم ہو کہ بلوچی میں قلات اور کلاتھ قلعہ کو کہتے ہیں)۔

مسلمانوں کی موجودگی میں بلوچستان کے اندر ایک ہندو کیسے برسر اقتدار آیا۔ اس بارے میں مورخین نے لکھا ہے کہ دہلی میں خاندان سادات کے آخری حکمران سلطان علاء الدین عالم کے طوفانی دور کے اختتام پر ۱۴۴۳ء میں تمام صوبائی گورنر اور ماتحت حکمران ایک ایک کر کے خود مختار ہو چکے تھے۔ ایک عرصہ سے ملتان کا تو کوئی حکمران ہی نہیں تھا۔ اس موقعہ پر ملتان کے باشندوں نے جو دہلی کی مرکزی حکومت سے مایوس اور بدظن ہو چکے تھے۔ شیخ محمد یوسف قریشیؒ کو اس کی مرضی اور منشاء کے برخلاف اپنا حکمران بنالیا اور اپنے آپ کو خود مختار تصور کرنے لگے۔

اس زمانہ میں لنگاہ قوم کا سرکردہ اور سردار رائے سحرا تھا۔ جو لڑی واقع کچھی کا باشندہ تھا۔ پہلے یہ ہندو تھا اور بعد میں اسلام قبول کر چکا تھا۔ چونکہ بھکر کا محال کچھی سمیت اس زمانہ میں ملتان کا صوبہ تھا۔ لہٰذا رائے سحرا اپنے اہل خاندان اور قبیلہ کے لوگوں کے ساتھ ملتان چلا گیا اور ملتان کے بادشاہ شیخ محمد یوسف قریشیؒ کے ہاں ملازمت اختیار کرلی اور اس کے کچھ عرصہ بعد اپنی ملازمت کے دوران رائے سحرا نے شیخ کی قربت حاصل کرنے کی خاطر اپنی بیٹی کا نکاح اس سے کردیا۔

شیخ سے قریبی تعلقات کے دوران اس نے محسوس کرلیا کہ شیخ موصوف میں بادشاہی کرنے کی صلاحیت نہیں ہے۔ اس نے مناسب موقعہ آنے پر شیخ کو ملتان کی حکومت سے علیحدہ کردیا اور حکومت کی باگ دوڑ اپنے ہاتھ میں لے لی اور قطب الدین کا لقب اختیار کر کے ملتان پر حکومت کرنے لگا اس نے اپنی حکومت کو جس میں کچھی کا علاقہ بھی شامل تھا۔ وسطی بلوچستان تک وسعت دی تھی۔ غالباً" اس نے اپنی طرف سے اپنے سیوا کو قلات میں حاکم بنا کر چھوڑ دیا تھا ورنہ بصورت دیگر اس زمانہ میں ایسے کوئی سیاسی یا سماجی حالات نہیں تھے جن کی بناء پر ایک ہندو بلوچستان پر

بر سر اقتدار آسکتا۔ بلامبالغہ قلات کی میری کا طرز تعمیر ہندوانہ تھا اور پہلے پہل راجہ سیوا نے یہ قلعہ تعمیر کیا تھا۔ اسی بناء پر قلات کا یہ قدیم قصبہ قلات سیوا کے نام سے موسوم ہوا جو بعد میں قلات بلوچ کے نام سے موسوم ہوا۔ لیکن رائے ہتو رام اپنی کتاب تاریخ بلوچستان ص ۲۹۷ پر لکھتے ہیں کہ قلات اس زمانہ میں آباد ہوا جبکہ بزند کو ہرناکس دیت نے دو ہزار سال قبل از مسیح اور منگھر و ٹھہ کو منگھر و ٹھہ ویت نے اسی زمانہ میں آباد کیا تھا ایسا سنا جاتا ہے کہ تین بھائی تھے۔ ڈیوا جس نے قلات آباد کیا۔ سیوا جس کے نام سے سیوی مشہور ہے کھیوا جس کے نام پر کوٹ کھیوالی آباد ہوا۔ اب ویران پڑا ہے۔

اگر مؤرخین کے مطابق کسی نہ کسی صورت میں بلوچستان پر راجہ سحرا کی حکومت رہی اور اس نے راجہ سیوا کو قلات کا حاکم بنا دیا تھا تو پھر اس میں کوئی شک نہیں کہ کھیوالی کلاتھ (کوٹ کھیوالی) جو کشمور سے شمال کی طرف چند میل کے فاصلہ پر سوئی گیس کی روڈ پر واقع ہے۔ اسی راجہ سیوا کے زمانہ میں تعمیر ہوا اس نے اپنے ایک ہندو کو یہاں جاگیر دی ہوگی اور یہاں پر اس نے قلعہ تعمیر کرکے شہر کی بنیاد رکھی ہوگی اور پھر اس نے اپنے نام پر اس کا نام کوٹ کھیوالی رکھ دیا ہوگا۔

کھیوالی کلاتھ (کوٹ کھیوالی) کے بارے میں رائے ہتو رام کا قول شنید پر مبنی ہے جو صحیح معلوم نہیں ہوتا۔ کیونکہ کچی اینٹوں کی عمارت کا چار ہزار سال تک باقی رہنا ناممکن ہے اس کے بارے میں مزید سننے کہ!

کھیوالی کلاتھ (کوٹ کھیوالی) ایک قدیم قلعہ نما چار دیواری ہے جو کچی اینٹوں سے تعمیر شدہ ہے اس وقت اس کی دیواروں کی اونچائی تقریباً" دس فٹ اور چوڑائی چار فٹ ہوگی اور اندازاً" اس کا رقبہ چار کنال ہوگا۔ اکثر و بیشتر ٹوٹ پھوٹ ہوچکی ہے اب صرف اس کی دیواروں کے کچھ حصے باقی ہیں۔ اس کے قرب و جوار میں کسی قسم

کے قصبے کی کوئی علامات نہیں پائی جاتیں۔ تاہم خیال کیا جاتا ہے کہ یہاں قصبہ ضرور ہوگا۔ اگر رائے سحرا کے زمانہ میں راجہ کھیوالی نے اسے تعمیر کیا تو غالباً "۱۳۵۰ء کے لگ بھگ اس کی تعمیر ہوئی ہوگی۔ عام لوگوں کا تو یہ کہنا ہے کہ کھیوالی خود راجہ کا نام تھا مگر قیاس یہ ہے کہ کھیوالی اس راجہ کی قومیت ہوگی۔ اس کے علاوہ عجیب بات یہ بھی ہے کہ "قانونچہ کھیوالی" علم صرف (عربی گرائمر) کی ایک قدیم کتاب ہے۔ جو دینی مدارس میں شامل نصاب ہے اس کی نسبت کھیوالی کی طرف ہے۔ ہو سکتا ہے کہ مصنف کتاب کھیوالی قوم سے ہو یا اس زمانہ میں جبکہ قصبہ کوٹ کھیوالی آباد تھا اس نے یہ کتاب اس قصبہ میں بیٹھ کر لکھی اور پھر اس کی طرف نسبت کرکے اس کتاب کا نام قانونچہ کھیوالی رکھ دیا ہو۔

جس زمانے میں میر چاکر خان رند کی حکومت سبی پر تھی ان وقتوں میں میر عمر خان میروانی بروہی قلات کا حکمران تھا۔ میر چاکر خان نے قلات کو فتح کرنے کیلئے ایک بہت بڑا لشکر تیار کرکے قلات پر حملہ کردیا۔ قلات کے میدان میں خونریز جنگ ہوئی جس میں میر عمر خان مارا گیا اور اس کی فوج بے شمار لاشیں میدان جنگ میں چھوڑ کر بھاگ گئی۔ میر چاکر خان نے فتح حاصل کرنے کے بعد قلات پر قبضہ کرلیا اس کے بعد قلات کی حکومت اس نے اپنے خسر میر مندو خان پڑ کو دے دی جو کافی عرصہ تک اس کے قبضہ میں رہی۔

میر چاکر خان کے پنجاب جانے کے بعد دوبارہ بروہیوں نے قلات کو فتح کرلیا۔ میر عمر خان کے قتل کے وقت اس کا ایک چھوٹا بیٹا تھا۔ جس کا نام میر بجار خان تھا۔ میر بجار خان کو اس کی والدہ مائی ماہناز مستونگ اپنے میکے لے گئی اور خواجہ خیلوں میں کہ جن سے وہ تھی کسی سے نکاح کرلیا۔ میر بجار خان جب بڑا ہوا تو انتقام لینے کا جذبہ اس کے دل میں پیدا ہوا اس نے اپنے ننھیال خواجہ خیلوں سے قلات کی طرف جانے

کی اجازت طلب کی اور اس کے ساتھ ساتھ اس نے جنگی امداد بھی ان سے مانگی اس زمانہ میں خواجہ خیل کمزور تھے اور کچھ زیادہ امداد دینے کی طاقت نہیں رکھتے تھے۔ انہوں نے اس کو جانے کی اجازت دے دی اور حسب استطاعت کچھ نقدی گھوڑے اور اسلحہ بھی دے دیا۔ میر بجار خان وہاں سے روانہ ہو کر منگوچر میں وارد ہوا۔ وہاں کے کسانوں سے میر مندو خان کا حال معلوم کیا۔ کسان اس کو نہیں جانتے تھے۔ انہوں نے کہا کہ میر مندو خان قلات کا حاکم ہے۔ میر عمر مارا گیا۔ میروانی بروہی دربدر ہو گئے۔ اس کا بجار نامی بیٹا مستونگ میں خواجہ خیلوں کی روٹیوں پر گزارہ کر رہا ہے۔ اس نے ان کو بتایا کہ میر عمر خان کا بیٹا میر بجار میں ہوں اور اپنے باپ کے انتقام لینے کیلئے آیا ہوں۔ پھر ان لوگوں نے کہا کہ اس علاقہ میں سب رند بلوچ رہتے ہیں۔ اپنا نام اور پتہ ظاہر نہ کرنا ورنہ تجھے قتل کر دیں گے پھر اس نے اپنے معاملہ میں کسانوں سے مشورہ کیا۔ انہوں نے کہا کہ سیاہی خان اور اس کے بیٹے قلات کے نزدیک رہتے ہیں سیاہی خان رئیس خان کا بیٹا ہے۔ اس سے جاکر مشورہ کرو۔ اس کے بعد میر بجار خان سیدھا سیاہی خان کے پاس گیا اور اس نے اسے بتایا کہ میں میر عمر خان کا بیٹا بجار ہوں۔ تمہارے پاس آیا ہوں۔ میری امداد کر کے مجھے قلات پر قبضہ دلادو سیاہی خان نے کہا کہ قلات کے حاکم میر مندو خان سے مقابلہ کرنا میرے بس کی بات نہیں ہے۔ البتہ میں تجھ کو اپنے گھر سے نہیں نکالوں گا۔ لیکن قلات پر لشکر کشی کا وعدہ نہیں کر سکتا۔ یہ ضرور ہے کہ اگر حاکم قلات نے تجھ کو گرفتار کرنے کیلئے اپنا لشکر بھیجا تو اپنا سر دے کر بھی تجھے آنچ نہ آنے دوں گا۔ کچھ عرصہ کے بعد میر بجار خان سیاہی خان اور اس کے بیٹوں نے آپس میں مشورہ کیا اور حملہ کر کے میر مندو خان کے وگ (اونٹوں کے گلہ) کو ہانکا ادھر سے میر مندو خان کے لشکر نے ان کا پیچھا کیا لڑائی ہوئی میر مندو خان کے لشکر کو شکست ہوئی۔ اس سے میر بجار خان کی ہمت بندھ گئی اور پھر

اس نے میر مندو خان سے جنگ کرنے کا اعلان کردیا اس کے بعد بروہی قبیلے بھی پہاڑوں سے نیچے اتر آئے اور میر بجار خان سے آکر مل گئے۔ تو اس کی طاقت بڑھ گئی۔ میر مندو خان نے میر بجار خان سے جنگ لڑنے کیلئے ایک زبردست فوج تیار کرلی۔ ادھر میر بجار خان نے اور سیاہی خان نے بھی لشکر جمع کرکے پوری تیاری کرلی اور پھر قلات پر حملہ کردیا۔ میر مندو خان اور میر بجار خان کی فوجوں میں پانچ دن تک چھوٹے چھوٹے معرکے ہوتے رہے۔ چھٹے دن گھمسان کی لڑائی ہوئی میر مندو خان مارا گیا اس کی فوج نے شکست کھائی۔ فتح میر بجار خان اور سیاہی خان کو ہوئی اور میر بجار خان نے قلات پر قبضہ کرلیا ان وقتوں میں میر چاکر خان کی حکومت ملتان پر تھی۔

اس کے بعد میر بجار خان نے گوشہ نشینی اختیار کرلی اور گوشہ نشینی ہی میں اس کی وفات ہوگئی۔ قلات بے حاکم ہوگیا اور مغلوں نے قلات پر قبضہ کرلیا۔ کچھ عرصہ کے بعد مغل کمزور ہوگئے۔ تو بروہیوں نے پھر قلات پر اپنی حکومت قائم کرلی مگر اس وقت ان کی حکومت فقط قلات اور اس کی مضافات تک محدود تھی اس کی وجہ یہ تھی کہ اس زمانہ میں بلوچستان کے دونوں طرف دو نہایت طاقتور حکومتیں قائم تھیں۔ ایران میں صفوی خاندان کے مقتدر بادشاہ برسراقتدار تھے اور ہندوستان میں مغل بادشاہ ایک وسیع مملکت کے مالک تھے۔ بلوچستان کے اندر سماجی حالات بھی ساز گار نہیں تھے کہ ان کی بناء پر قلات کے حاکموں کو مقامی قبائل کی امداد حاصل ہوسکتی اور وہ اپنی حکومت کو ان کی امداد و اعانت سے وسعت دے سکتے۔ تقریباً" نصف درجن بروہی حکمرانوں کے بعد ۱۶۶۶ء میں جب میر احمد خان اول قلات پر برسراقتدار آیا تو اس زمانہ میں کچھ سماجی تبدیلیاں واقع ہوئی تھیں اور مقامی بلوچ قبائل میں باہمی تعاون و اتحاد کا احساس پیدا ہوگیا تھا۔ اس کے علاوہ بلوچستان کے دونوں طرف کے طاقتور بادشاہوں کی صورتحال بھی کمزور ہوچکی تھی۔

میر احمد خان اول نے دونوں حکومتوں کی کمزوری کا پورا پورا فائدہ اٹھا کر اپنی حکومت کو وسعت دینا شروع کر دیا۔ اور بزور شمشیر ایک سلطنت تراشنے میں کامیاب ہوگیا۔ جب وہ تخت قلات پر متمکن ہوا تو بلوچستان پر بروہیوں کی سیادت کا دور شروع ہوا اور رند سلطنت کا تمغہ بادشاہت بروہیوں کی طرف منتقل ہوگیا۔ بروہی اس وقت جگمگائے جب رند ماند پڑ چکے تھے۔ رندوں کا سنہرا دور گمنامی کے اندھیروں میں چلا گیا۔ ان کے زوال سے پایہ تخت سیوی (سبی) کا سہاگ لٹ گیا۔

میر احمد خان اول نے ۱۶۹۶ء میں وفات پائی اور اس کے بعد اس کا بیٹا میر محراب خان قلات کی مسند پر جلوہ افروز ہوا۔ ۱۷۰۰ء کو میر محراب خان نے شہادت پائی تو اس کی وصیت کے مطابق اس کے چچا زاد بھائی میر سمندر خان کو قلات کی مسند پر بٹھایا گیا۔ میر سمندر خان نے سولہ سال تک حکومت کرکے ۱۱۱۵ھ کو وفات پائی تو اس کا بڑا بیٹا میر احمد خان دوم رواج کے مطابق سرداروں کے مشورے سے تخت پر بیٹھا۔ یہ نہایت عیش پرست اور نالائق شخص تھا۔ اس کا چھوٹا بھائی میر عبداللہ خان شروع ہی سے اس کا مخالف تھا اور وہ خود اس کی جگہ خان بننے کا خواہشمند تھا۔ آخرکار میر عبداللہ خان نے اپنے بھائی میر احمد خان کو حکومت سے معزول کر دیا اور حکومت کی باگ دوڑ اپنے ہاتھ میں لے لی۔ میر عبداللہ خان نے ۱۱۲۸ھ میں قلات کی عنان حکومت سنبھالی۔ یہ ایک جرات مند، دلیر، بہادر اور باہمت انسان تھا۔ مہم جوئی اس کی فطرت میں داخل تھی۔ وہ فقط عمل پر ایمان رکھتا تھا۔ یہی جوش کردار اس کی شہادت کا باعث بنا۔ میر عبداللہ خان کے بلوچ لشکر اور کلہوڑہ فوج کے درمیان چنڈ کے مقام پر ایک خونریز جنگ ہوئی۔ خان کے لشکر کی نفری کم تھی اور دشمن کی فوج کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ خان کے بلوچ بہادر اس موقع پر جان توڑ کر لڑے اور بہادری کے جوہر خوب دکھائے اور دشمن کی فوج کو کئی بار پیچھے دھکیل کر کئی بار پسپا

ہونے پر مجبور کردیتے ہر بار جب ان کو پیچھے دھکیل دیا جاتا تو وہ ہمت ہار بیٹھتے تھے۔ ان کے سر کردہ ہر بار ان کو غیرت دلا کر خان کے لشکر پر حملہ کرنے کی ہدایت دیتے تھے۔ اس کشمکش کے دوران میر عبداللہ خان بڑی تیزی کے ساتھ دشمن کی صفوں کو چیرتا ہوا آگے نکل گیا اور اپنے لشکر کو پیچھے چھوڑ دیا اس موقع پر چونکہ خان اکیلا تھا۔ سندھی فوج نے موقع غنیمت جان کر اس کو اپنے گھیرے میں لے لیا اور یکبارگی حملہ کرکے اسے شہید کردیا۔ میر عبداللہ خان عظیم بلوچستان کا خواب دیکھتا تھا جو شرمندہ تعبیر نہ ہوسکا۔ اس کے بلند پایہ کارناموں کی وجہ سے اس کے ہم وطن اس کو "شہباز کوہستان" کے لقب سے یاد کرتے تھے۔ اس کی شہادت کا المیہ ۱۷۳۰ء کو پیش آیا اس کے بعد سرداروں نے خان شہید کی خواہش کے مطابق اس کے بڑے بیٹے میر محبت خان کو قلات کے مسند پر بٹھایا۔ میر محبت خان کی مسند نشینی کو ابھی دو سال کا عرصہ بھی نہیں ہوا تھا کہ اس کے بھائی میر ایلتاز خان نے میر لشکر خان رئیسانی کی اعانت سے قلات پر قبضہ کرلیا۔ میر ایلتاز خان کوئی اعلیٰ قابلیت کا مالک نہ تھا۔ اس کے سرداروں کی درخواست پر نادر شاہ نے میر ایلتاز کو معزول کرکے محبت خان کو قلات کی حکومت پر دوبارہ بحال کردیا اور میر ایلتاز خان کو بادشاہ نے قندھار میں اپنے پاس بطور یرغمال رکھا۔ مارچ ۱۷۳۷ء میں نادر شاہ نے غلزیوں کو شکست دے کر قندھار پر قبضہ کرلیا تھا۔ نادر شاہ ۱۷۴۷ء میں قتل کردیا گیا۔ تو اس وقت احمد شاہ ابدالی' نادر شاہ کی افغان فوج کا سپہ سالار تھا۔ قندھار میں ابدالی سرداروں نے ایک مجلس منعقد کرکے ایک مجذوب فقیر صابر شاہ کی تجویز پر احمد شاہ کو اپنا بادشاہ بنالیا۔ اس نے نادر شاہ کے مشرقی مقبوضات کو ملا کر افغانستان کے نام سے افغانوں کی ایک خود مختار مملکت کی بنیاد ڈالی جو بڑی دیرپا ثابت ہوئی اس نے قندھار ہی کو اپنا دارالحکومت بنالیا۔ اب قلات اس کی زیر نگیں آچکا تھا۔ کچھ عرصہ کے بعد میر محبت خان کے خلاف احمد شاہ ابدالی

کے دربار میں سازشیں شروع ہوگئیں۔ آخر کار میر محبت خان کے خلاف اس کے مخالفین کی سازشیں بار آور ثابت ہوئیں۔ احمد شاہ ابدالی نے میر محبت خان کو قندھار طلب کرکے اسے معزول کردیا اور اس کی بجائے اس کے چھوٹے بھائی میر نصیرخان کو بلوچ سرداروں کی مرضی کے مطابق بلوچستان کا حکمران تسلیم کرلیا۔

بلوچ لوگ داڑھی مونچھیں اور سر کے بال بالکل نہیں کٹواتے تھے اپنے بالوں کو بنا سنوار کر شانوں پر چھوڑے رکھتے تھے۔ سر پر بھاری بھرکم پگڑی نہایت خوبصورت طریقے سے پیچ دار کرکے باندھتے تھے قمیص اور کرتہ کی بجائے گھیردار کرتی (ململی چغہ گاؤن کے مشابہ کا) پہنتے تھے۔ اپنے گلے میں تلوار 'ڈھال حمائل کئے ہوتے تھے۔ اور کمر کی پٹی میں چمکدار خنجر اڑسے رکھتے تھے اور ریشمی لونگی کمر کے گرد پشت پر ڈال کر اس کے سرے اپنے کولھوں کے آگے لٹکاتے تھے۔ اس ہیئت میں وہ بیحد خوبصورت اور حد درجہ بارعب لگتے تھے۔ مذاری سردار میر بہرام خان اول اپنے پچاس مذاری سواروں کے ساتھ اس لباس اور اس ہیئت میں جب ۱۸۳۷ء کو بادشاہ رنجیت سنگھ کی دعوت پر لاہور گئے تو جس راہ سے گذرتے لوگ انہیں دیکھ کر عبرت کا مرقعہ بن جاتے تھے یہ لباس اور ہیئت پاکستان بننے کے بعد آہستہ آہستہ ختم ہوگئی۔

میر نصیر خان نوری کبیر

میر نصیر خان نوری نے ۱۱۶۳ھ بمطابق ۱۷۵۰ء کو قلات میں پہنچ کر حکومت کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لے لی۔ میر نصیر خان کو بلوچ قبائل میں بے مثال دلعزیزی اور مقبولیت حاصل تھی۔ وہ نماز ' روزہ کا پابند تھا۔ علماء فضلاء اور شعراء کا قدردان تھا۔ عام لوگ اس کو ولی سمجھتے تھے۔ وہ جہاں قیام کرکے نماز ادا کرتا تھا۔ وہ جگہ مسجد میر نصیر خان نوری کے نام سے مشہور ہوجاتی تھی۔

میر نصیر خان جب قلات کی مسند پر جلوہ افروز ہوا تھا۔ تو اس زمانہ میں بلوچستان کے اکثر و بیشتر علاقے کسی نہ کسی رنگ میں خان کے زیر فرمان آچکے تھے۔ میر نصیر خان نے اپنی حکومت کا دائرہ وسیع کرنے کی غرض سے فتوحات کا سلسلہ بھی جاری رکھا۔ جو علاقے اس کے زیر فرمان آئے اس نے وہاں اپنی حکومت کو پوری طرح مستحکم کیا۔ جب اس کی حکومت کا دائرہ بلوچستان کے تمام بلوچی علاقوں تک پھیل گیا تو اس نے تمام ملک میں نظام حکومت کو عوام کی ضرورت کے مطابق ڈھال دیا اور اس کی اصلاحات سے نظام حکومت کی تکمیل ہوگئی۔

احمد شاہ ابدالی سندھ اور بلوچستان پر اپنی گرفت مضبوط کرنے لگا۔ خصوصاً بلوچستان کے متعلق اس کا رویہ یہ تھا کہ اس کے خیال کے مطابق خان کی تابع حیثیت اسے نادر شاہ سے ورثے میں ملی تھی۔ اسی بناء پر وہ اپنے آئے دن کی مہمات کیلئے بھاری رقومات اور کثیر تعداد میں لشکر فراہم کرنے کے مطالبات میں اضافہ کررہا تھا۔ لیکن بلوچستان کے متعلق نادر شاہ کی حکمت عملی فقط خان کی طرفداری حاصل کرنے تک محدود تھی۔ اس نے اپنے دورِ اقتدار میں کبھی بھی خان سے کسی چیز کی فراہمی کا مطالبہ نہیں کیا تھا اور نہ اس نے کبھی بلوچستان کے معاملات میں مداخلت کی تھی۔ احمد شاہ ابدالی کے اس رویے سے میر نصیر خان غیر مطمئن رہا کرتا تھا۔

سندھ کے حکمران میاں نور محمد کلہوڑہ کی وفات کے بعد اس کا بیٹا میاں مراد یاب خان اس کا جانشین بنا اس نے پونے چار سال حکومت کی۔ اس کی تشدد پسند طبیعت سے تنگ آکر اس کے امراء نے اسے گرفتار کرکے سندھ کی حکومت سے معزول کردیا اور اس کی جگہ اس کی بھائی میاں غلام شاہ کو سندھ کا حکمران بنادیا اسی دوران غلام شاہ کے بھائی عطر خان نے جو قندھار میں احمد شاہ ابدالی کے دربار میں رہتا تھا۔ احمد شاہ ابدالی سے سندھ کی حکومت کا شاہی پروانہ اپنے نام حاصل کرلیا اور وہ حاجی عطائی خان کی زیر قیادت ایک فوج کے ساتھ شکار پور پہنچا۔ حاجی عطائی خان نے حملہ کرکے غلام شاہ کو بھگا دیا اور وہ سندھ چھوڑ کر راجپوتانہ میں جیسلمیر کی طرف چلا گیا۔ حاجی عطائی خان عطر خان کو باقاعدہ سندھ کی حکومت پر بٹھا کر واپس قندھار چلا گیا اس کے بعد غلام شاہ نے بہاولپور کے حکمران امیر مبارک خان داد پوترہ سے رابطہ قائم کرکے اس سے امداد طلب کی امیر مبارک خان نے میاں غلام شاہ کی امداد کیلئے اپنے بھائی فتح خان کی قیادت میں ایک لشکر جرار اسے دے کر سندھ روانہ کردیا۔

عطر خان اور اس کا بھائی احمد یار خان داد پوتروں کی فوج کے مقابلہ میں اپنی فوج لے کر نکلے۔ روہڑی کے مقام پر کلہوڑوں اور داد پوتروں کی فوجوں کے درمیان زبردست جنگ ہوئی۔ اس میں عطر خان اور احمد یار خان نے شکست کھائی اور یہ دونوں بھائی گنجابہ کے راستے قلات کی طرف بھاگ گئے ۔ جہاں سے وہ قندھار جانے کا ارادہ رکھتے تھے۔ قلات پہنچنے پر میر نصیر خان نے دونوں بھائیوں کو گرفتار کرکے قید کردیا۔ احمد شاہ ابدالی کے دربار میں کلہوڑوں کے نمائندہ گدھو ل نے بادشاہ سے شکایت کی اور کہا کہ حضور میر نصیر خان کی یہ حرکت شاہی اختیارات میں مداخلت کے مترادف ہے۔ یہی واقعہ میر نصیر خان سے بادشاہ کی ناراضگی کا سبب بنا اور بادشاہ کو میر نصیر خان کی اس قسم کی چند اور شکایتیں بھی پہنچیں۔ تو اس نے اپنا ایک قاصد بھیج کر

اسے فوری طور پر قندھار پہنچنے کی ہدایت کردی میر نصیر خان نے بہت سی وجوہات کی بناء پر قندھار جانے سے صاف انکار کردیا۔

بادشاہ اس موقعہ پر ہندوستان کی طرف ایک فوجی مہم روانہ کرنے کا ارادہ کررہا تھا۔ لیکن اب اپنی تیاریوں کو ملتوی کرکے اپنی توجہ خان کی طرف مبذول کردی اور اس نے خان کے ساتھ مصالحت آمیز رویہ اختیار کرکے اپنا طرفدار بنانے کی کوشش بھی کی۔ کیونکہ وہ اسے اپنا گہرا دوست اور ایک فوجی اتحادی بھی خیال کرتا تھا اور خان کے آگے بہت سی مصالحت آمیز تجویزیں پیش کیں مگر اس نے ان تجویزوں کو قبول کرنے سے صاف انکار کردیا۔ اس کے برعکس بادشاہ نے اپنے لشکر کی ایک فہرست بھی روانہ کی جس میں اڑھائی لاکھ فوجیوں کے نام درج تھے۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ تجویزیں نامنظور کرنے کی صورت میں میر نصیر خان کو میدان جنگ میں اس قدر فوج کا سامنہ کرنا پڑے گا۔ بادشاہ کی ان دھمکیوں سے میر نصیر خان بالکل نہیں گھبرایا اور کہلا بھیجا کہ میں بہر صورت مقابلہ کرنے کو تیار ہوں۔ اب احمد شاہ کا حملہ متوقع تھا۔ اس لئے میر نصیر خان نے فوجی تیاری زور شور سے شروع کردی۔

جنگ پڑنگ آباد

احمد شاہ ابدالی نے اپنے وزیر جنگ شاہ ولی خان کی قیادت میں میر نصیر خان کے خلاف لڑنے کیلئے ایک زبردست فوج روانہ کی۔ خان کو معلوم ہوا تو اس نے اس حملہ کو روکنے کیلئے خوب تیاری کرکے مستونگ میں شاہی فوج کا انتظار کرنے لگا۔ جب شاہی فوج قریب پہنچی تو گھبرانے کی بجائے اس سے مقابلہ کرنے کیلئے مستونگ سے باہر پڑنگ آباد کے میدان میں نکل آیا۔ یہاں پر دونوں فوجوں کا آمنہ سامنہ ہوا۔ فریقین کے درمیان زبردست جنگ ہوئی جس میں بلوچ بہادروں نے افغان فوج کو گاجر مولی کی

طرح کاٹ کر رکھ دیا۔ احمد شاہ کی فوجوں کو بلوچ بہادروں کے ہاتھوں شکست ہوئی اور شاہ ولی خان لڑائی کے مقام سے تیس میل کے لگ بھگ پسپا ہونے پر مجبور ہوگیا۔ اس کے بعد شاہ ولی خان نے فوری طور پر تیز گھوڑ سوار روانہ کرکے احمد شاہ کو بلوچوں کے ہاتھوں اپنی شکست کی اطلاع دے کر مزید فوج روانہ کرنے کی درخواست کی۔ اگرچہ اس شکست کی زیادہ اہمیت نہ تھی مگر اس نے بڑھا چڑھا کر پیش کیا۔ احمد شاہ اپنی فوج کی شکست کا سانحہ سن کر خود بہ نفس نفیس فوری طور پر اپنی بقایا فوج لے کر اپنے وزیر کی امداد کو پہنچ گیا۔

جنگ مستونگ

احمد شاہ ابدالی قندھار سے اپنی زبردست فوج لے کر شاہ ولی خان سے آملا اور بلوچوں پر حملہ کرنے کیلئے مستونگ کی طرف بڑھا۔ میر نصیر خان بلوچ بہادروں کی فوج کو لے کر چار میل مستونگ سے دور اس کی فوج سے ٹکرانے کیلئے نکلا۔ دونوں فوجیں آمنے سامنے ہوئیں۔ بلوچی اور افغانی ایک دوسرے سے گتھم گتھا ہوگئے۔ بلوچ بہادروں نے شمشیر زنی کے خوب جوہر دکھائے احمد شاہ ابدالی بلوچوں کی بہادری اور جانبازی دیکھ کر ششدر رہ گیا۔ زبردست جنگ کے بعد آخر کار بلوچوں کو شکست ہوئی۔ میر نصیر خان اپنے لشکر کے ساتھ تیزی سے قلات کی طرف پسپا ہوگیا۔ جو نسبتاً ایک محفوظ اور مستحکم قلعہ تھا۔ میر نصیر خان نے پہلے ہی سے اس قلعہ کے استحکامات مستحکم کرلئے تھے۔ جہاں وہ احمد شاہ کی فوجوں سے ڈٹ کر مقابلہ کرسکتا تھا۔ میر نصیر خان اپنے بلوچ لشکر کو لے کر قلات کے قلعہ میں داخل ہوگیا اور احمد شاہ کی فوج نے ان کا پیچھا کرتے ہوئے قلعہ کا محاصرہ کرلیا شاہی فوج نے گولے برسا برسا کر قلعہ کی دیواروں میں شگاف ڈالنے کے بعد بھی متواتر اور پے در پے حملے کئے لیکن ان کو کوئی

کامیابی نہ ہوئی میر نصیر خان کی فوج کی طرف سے بھی جوابی کارروائی ہوتی رہی ایک موقعہ پر شاہی فوج نے اپنی توپوں سے قلعہ پر زبردست حملہ کیا جس کے نتیجہ میں خان کے لشکر کے دو اہم افراد قاسم خان اور امیر خان محمد حسنی ہلاک ہوگئے۔ قلات کے قلعہ پر یہ پانچواں حملہ تھا۔

پہلے چار حملوں کی طرح اس پانچویں حملے کو بھی بلوچ بہادروں نے ناکام بنادیا۔ ان ناکامیوں کے علاوہ قلات کے محاصرہ کی طوالت نے بھی احمد شاہ کو تشویش میں ڈال دیا اور وہ بہرصورت اس محاصرہ کو مختصر کرنے کے خیال میں تھا۔

محاصرہ کے دوران ایک دن احمد شاہ مغرب کی نماز ادا کرنے کی تیاری کررہا تھا کہ قلعہ کے اندر سے آذان کی گرجدار آواز آئی اور معاً" احمد شاہ کو خیال آیا کہ محاصرین اور محصورین دونوں اسلام کے پیروکار اور مسلمان ہیں ان کا ناحق خون بہانا جائز نہیں۔ انہی ایام میں ایک دن احمد شاہ مصلیٰ بچھا کر نماز ادا کررہا تھا کہ میر نصیر خان نے خوب شست باندھ کر قلعہ کی دیوار سے توپ کا ایک گولہ داغ دیا اور گولہ احمد شاہ کے خیمے کے آگے اس جگہ پھٹا جہاں اس نے مصلیٰ بچھا کر نماز کے دوران ابھی ابھی سجدے سے سراٹھایا تھا۔ احمد شاہ کو اس سے کوئی گزند تو نہ پہنچا مگر وہ اس سے بے حد متاثر ہوا۔ اس نے نشانہ بازی میں خان کی مہارت کی بے حد تعریف کی اور مصالحت کیلئے فوراً تیار ہوگیا۔ قلعہ کے محاصرہ کو چالیس دن گذر چکے تھے لیکن اس کی سر کرنے کی کوئی امید نظر نہیں آرہی تھی۔ احمد شاہ اس صورتحال سے بہت تنگ آچکا تھا۔ دوسری طرف میر نصیر خان بھی اس صورت حال سے خوش نہ تھا۔ اس مرحلہ پر احمد شاہ کے وزیر شاہ ولی خان نے نہایت اہم کردار ادا کیا اور چند شرائط پر احمد شاہ ابدالی اور میر نصیر خان نوری کے درمیان صلح کرادی۔ جو شرطیں طے ہوئیں ان میں سے ایک شرط یہ تھی کہ میر نصیر خان احمد شاہ کی بالادستی کو تسلیم کرتے ہوئے وعدہ

کرے کہ جب کبھی اس کو اپنے بیرونی دشمنوں کے خلاف فوج کشی کی ضرورت پڑے تو خان حسب ضرورت لشکر مہیا کرنے کا پابند ہوگا۔

میر نصیر خان نے دیگر شرائط کے ساتھ اس شرط کو بھی منظور کرلیا۔ اس کے بعد احمد شاہ ابدالی رحمتہ اللہ علیہ قلات کا محاصرہ اٹھا کر اور اپنی فوج لے کر قندھار واپس ہوگیا۔

سرزمین ہند میں بلوچ بہادروں کی معرکہ آرائیاں

مرہٹوں سے جنگیں

ہندوستان میں لاقانونیت کا دور دورہ تھا۔ مغل بادشاہ نے اپنی حکمرانی کی صلاحیت کھودی تھی اور وہ اپنے امراء کے ہاتھوں کٹھ پتلی بنے ہوئے تھے۔ پہلے نادر شاہ اس کے بعد احمد شاہ درانی (ابدالی) نے دلی پر حملہ کرکے مغل بادشاہوں کے وقار کو سخت مجروح کردیا تھا۔ اس پر طرہ یہ کہ شہنشاہ کے وزیر غازی الدین عمادالدولہ اور اس کے وکیل نجیب الدولہ روہیلہ ایک دوسرے کے خلاف برسرپیکار تھے۔

اس زمانہ میں ہندوستان کے اندر مرہٹہ (مویٹھا) ہی سب سے زیادہ طاقتور تھے۔ انہوں نے دکھن میں مہاراشٹر سے شمال کا رخ کرکے دلی اور آگرہ پر قبضہ کرلیا تھا وہ پنجاب پر حملہ کرنے کے بعد سرہند اور لاہور پر بھی قابض ہوگئے تھے۔ مرہٹوں کا رجحان زیادہ تر لوٹ مار کی طرف تھا وہ مفتوحہ علاقوں کا نظام خوش اسلوبی سے چلانے کا تجربہ نہیں رکھتے تھے۔ مرہٹوں نے ہر طرف اپنے حملوں سے لوٹ مار کا بازار گرم کر رکھا تھا۔ وہ جس علاقے میں سے گزرتے مسلمانوں اور ہندوؤں کو بلا امتیاز اپنی لوٹ مار کا نشانہ بنایا کرتے تھے۔ شہروں اور قصبوں کو اجاڑ کر رکھ دیتے اور ان کے باشندوں

کا مال و اسباب لوٹ کر گھروں کو آگ لگادیتے عورتوں اور بچوں کو غلام باندھیاں بنالیتے تھے۔ ان کے رویہ سے مسلمان اور ہندو دونوں بڑے تنگ تھے۔

احمد شاہ ابدالی (درانی) رحمتہ اللہ علیہ نہایت دیندار اور بزرگ بادشاہ تھے۔ ہند کے مسلمانوں کی فریاد ان تک پہنچی ادھر شہنشاہ ہند عالمگیر ثانی اور اس کے وکیل نجیب الدولہ بھی احمد شاہ ابدالی سے رابطہ قائم کرکے اسے ہندی مسلمانوں اور اسلام کو ہندو کافروں سے نجات دلانے کی خاطر ہندوستان پر حملہ کرنے کی ترغیب دے رہے تھے۔ تو احمد شاہ ابدالی نے ہندوستان میں جاکر مرہٹوں سے جہاد کرنے کا ارادہ کیا اس نے میر نصیر خان نوری کبیر سے ہندوستان میں جہاد کرنے کیلئے لشکر طلب کیا۔ چنانچہ ۱۷۵۹ء کے آواخر میں احمد شاہ ابدالی اپنی زبردست افغان فوج لے کر قندھار سے درہ بولان کے راستے پنجاب میں داخل ہوا۔ میر نصیر خان بلوچستان سے بیس ہزار بلوچ بہادروں پر مشتمل ایک بہت بڑا لشکر جمع کرکے پنجاب میں جاکر اس کے ساتھ شامل ہوگیا۔ خان کے لشکر میں مری بگٹی 'مذاری' دریشک اور دیگر بہت سے بلوچ قبائل شامل تھے۔

احمد شاہ لاہور سے دہلی کی طرف کوچ کرتے ہوئے دریا جمنا اور گنگا کے دو آبہ میں داخل ہوگیا جو روہیلوں کے زیر اثر تھا۔ ۹ جنوری ۱۷۶۰ء کو اس علاقے میں داخل ہوتے وقت مرہٹوں کے ساتھ اس کی ایک جھڑپ ہوئی۔ یہاں فرخ نگر کا نواب احمد خان بنگش آکر اس کے ساتھ شامل ہوگیا۔ یہاں سے اس نے اپنے ہراول دستے کو آگے بڑھنے کا حکم دیا اس نے سرہند کے علاقے میں مرہٹوں کو جالیا۔ مرہٹوں نے لڑائی کی غرض سے اپنی فوج اکٹھی کرلی تھی۔ اس اثناء میں احمد شاہ بھی اپنی بقایا فوج کو لے کر اسی مقام پر اپنے ہراول دستے کے ساتھ جا ملا۔ اسی مقام پر فروری ۱۷۶۰ء میں بلوچوں اور افغانوں کی متحدہ فوج اور مرہٹوں کے درمیان ایک زبردست جنگ ہوئی جس میں بلوچوں نے اپنی بہادری اور جانبازی کے جوہر خوب دکھائے۔ مرہٹوں نے

شکست کھائی اور میدان جنگ سے بھاگ کھڑے ہوئے۔ بلوچوں اور افغانوں نے فرار ہونے والی مرہٹہ فوج کا پیچھا کرکے ان میں سے بہت سوں کو گرفتار اور قتل کیا اس لڑائی میں مرہٹوں کا سردار داتاجی سندھیا ہلاک ہوگیا۔ اسی اثناء میں ہلکر نے پیچھے سے چکر لگا کر ایک بڑی فوج کے ساتھ احمد شاہ کے سامان رسد کو لوٹ لیا مگر اس سامان کا بیشتر حصہ بچ گیا۔ شاہ نے پندرہ ہزار گھڑ سوار ہلکر کے خلاف روانہ کردیئے۔ انہوں نے دوسرے ہی دن دہلی سے آگے سکندرہ میں اسے جالیا۔ ہلکر اپنی فوج کو چھوڑ کر تین سو سواروں کے ساتھ بھاگ نکلا۔ شاہ نے برسات کا موسم انوپ شہر میں گزارا یہاں اودھ کا نواب شجاع الدولہ اپنی فوج لے کر اس کے ساتھ آکر شامل ہوگیا۔

مرہٹوں (مرہٹوں) کی شکست کے بعد داتاجی سندھیا مقتول کا بھتیجا جانکوجی پونا پہنچا۔ پونا میں مرہٹوں نے ایک بہت بڑی فوج جمع کرلی اور اسے اسلحہ سے بھی لیس کردیا۔ باقاعدہ مرہٹہ (مرہٹہ) گھوڑ سوار فوج میں مزید نو پیادہ دستوں کا اضافہ بھی کردیا۔ جن میں سے ہر ایک دستہ ایک ہزار افراد پر مشتمل تھا۔ جو بندوقوں سے مسلح تھے ان کے ساتھ توپخانہ بھی تھا۔ یہ تمام سپاہی یورپی تربیت یافتہ تھے ان کا قائد ابراہیم گاردھی تھا جس نے اس سے بیشتر فرانسیسی فوج میں تربیت حاصل کی تھی۔ بنڈاری بھی باقاعدہ گھوڑ سواروں کی حیثیت سے مرہٹوں کے قومی پرچم تلے جمع ہوگئے جب یہ فوج پونا سے روانہ ہوئی تو ہلکر بھی متھرا میں ان کے ساتھ آکر مل گیا۔ اس کے بعد مرہٹہ (مرہٹہ) فوج دہلی کی طرف چل پڑی گاردھی کی فوج نے دہلی کے قلعہ پر توپوں کے گولے برسا کر اس کی دیواروں میں شگاف ڈال دیئے۔ شاہی قلعہ کے کوتوال یعقوب علی خان بامیزئی نے ہتھیار ڈال کر قلعہ خالی کردیا۔ مرہٹہ فوج نے دہلی پر قبضہ کرکے شاہی محل کو خوب لوٹا۔

مرہٹہ فوج ۱۰ اکتوبر ۱۷۶۰ء کو دہلی سے روانہ ہوئی اور اس نے جمنا کے کنارے گنج پورہ پر حملہ کرکے ابراہیم گاردی کی توپوں کی مدد سے قلعہ پر قبضہ کرلیا۔ احمد شاہ کا ایک بڑا منصبدار مرہٹہ فوج کے ہاتھ سے ہلاک ہوگیا۔ افغانوں نے گنج پورہ مرہٹوں کے حوالے کردیا۔ احمد شاہ نے ۲۸ اکتوبر کو طغیانی کے باوجود باغپت کے گھاٹ سے دریائے جمنا پار کرلیا۔ اس موقع پر مرہٹوں کی فوج سرہند کی طرف کوچ کررہی تھی۔

مرہٹوں نے اپنے روایتی گوریلا اور چھاپہ مار جنگ کے طور طریقوں کو ترک کرکے اس موقعہ پر ایک ہی مقام پر جم کر لڑنے کا فیصلہ کیا۔ اس کے بعد مرہٹہ فوج پانی پت پہنچی اس نے خندقیں کھودیں اور مورچے بنا کر شہر کو دفاعی شکل دے دی۔

یکم نومبر کو احمد شاہ آگے بڑھا اور سملکا کی دوسری جانب اپنی لشکر گاہ قائم کرلی۔ پورے دو مہینے تک دونوں فوجیں ایک دوسرے کے آمنے سامنے پڑی رہیں احمد شاہ جان بوجھ کر لڑائی میں تاخیر سے کام لے رہا تھا اسے اپنی فوج کیلئے خوراک وافر مقدار میں گنگا جمنا کے دو آبہ سے حاصل ہورہی تھی۔ لیکن مرہٹہ فوج کے راستے مسدود تھے اور اس کو خوراک کی قلت کا سامنہ تھا۔ ۶ دسمبر کو دونوں فریقوں کے درمیان ایک سخت جنگ ہوئی اس جنگ میں بلوچوں اور افغانوں نے کامیابی حاصل کرلی۔

گوبند پنت بنڈیلا جو ایک مرہٹہ منصدار تھا۔ افغانوں کی فوج میں تقسیم پیدا کرنے کی غرض سے نجیب الدولہ کے صدر مقام میرٹھ کی طرف بڑھا احمد شاہ نے اس کو روکنے کیلئے پانچ ہزار سوار عبدالصمد خان کے بیٹے کی قیادت میں روانہ کردیئے۔ انہوں نے باغپت کے گھاٹ سے جمنا پار کرکے مرہٹوں کو شاہدرہ اور غازی آباد سے نکال دیا۔ اسی دن ۱۸ دسمبر کو بلوچوں اور افغانوں کی فوج پنڈت گوبند نپت کی لشکر گاہ پر جلال آباد میں حملہ آور ہوئی۔ پنڈت لڑائی میں مارا گیا۔ افغان اور بلوچ اس کے سازو سامان کو لوٹنے کے بعد اپنی فوج سے جا ملے۔

مرہٹوں کا ایک دستہ جو خزانہ لے کر مرہٹہ فوج کی طرف جارہا تھا۔ غلطی سے افغانوں کی لشکر گاہ میں جاگھسا ' افغان اور بلوچ ان کو شناخت کرتے ہی ان پر ٹوٹ پڑے اور سب کو ٹکڑے ٹکڑے کردیا۔

پانی پت کا معرکہ

اوپر بیان ہوچکا ہے کہ مرہٹوں (مرہٹوں) نے پانی پت میں اپنے مورچے بنا کر اور جم کر لڑنے کا فیصلہ کیا تھا مرہٹہ فوج کی تعداد لاکھوں میں تھی۔ تمام ہندو مسلمان فوجوں سے مقابلہ کرنے کیلئے امنڈ آئے تھے۔

۱۴ جنوری ۱۷۶۱ء کو صبح سویرے دونوں فوجیں پانی پت کے میدان میں اتریں اور ایک دوسرے کے آمنے سامنے ہوگئیں۔ سب سے پہلے مرہٹہ فوج توپوں کی گرج کے ساتھ آہستہ آہستہ آگے بڑھنے لگی اور آتشیں اسلحہ میں اضافہ ہوگیا۔ اس کے بعد ابراہیم گاردھی نے آتشیں اسلحہ کا استعمال بند کرنے کا حکم دیا اور اپنے ساتھ سات ہزار ہندوستانی پیادہ دستوں کو جن کی بندوقوں میں سنگینیں لگی ہوئی تھیں لے کر روہیلوں پر حملہ کردیا۔ جن کی قیادت حافظ رحمت اللہ خان اور ڈھنڈی خان کے ہاتھ میں تھی اور انہوں نے روہیلوں کو کچل کر رکھ دیا۔ اس موقعہ پر اس نے دو ہندوستانی پیدل دستے اپنی صف کے بازو کو افغاں گھوڑ سواروں کی زد سے محفوظ رکھنے کیلئے متعین کر رکھے تھے۔ ان دو دستوں نے افغان گھوڑ سواروں کی پیش قدمی روک کر انہیں پیچھے دھکیل دیا اس کامیابی کے باوجود ابراہیم گاردھی کی ہندوستانی پیدل فوج کے چھ دستے تقریباً" نیست و نابود کردیئے گئے۔ گاردھی کو بھی نیزوں کے کئی زخم لگے اس کے بعد دونوں فوجوں کے درمیان گھمسان کی جنگ شروع ہوگئی۔ بارک زئی جوانوں اور بلوچ بہادروں کے لشکر کو فوج کے قلب میں رکھا گیا تھا۔ جن کی قیادت شاہ ولی خان"

اور میر نصیر خان کے ہاتھ میں تھی۔ مرہٹہ فوج نے اپنے دو سرداروں سداشیو بھاؤ اور وشواس راؤ کی قیادت میں افغانوں پر بڑی جرات اور دلیری سے حملہ کرکے ان کو ہزاروں کی تعداد میں پسپا ہونے پر مجبور کردیا مرہٹہ فوج کامیابی سے ہمکنار ہونے ہی والی تھی کہ شاہ ولی خان موقعہ کی نزاکت کو بھانپ کر اپنے قبیلے بارک زئی کے جوانوں اور بلوچ بہادروں کے لشکر کو ساتھ لے کر بڑی تیزی سے مرہٹہ فوج پر پل پڑے۔ دوسری طرف اس نے قاصد بھیج کر احمد شاہ جو اپنے مرکز میں تھا۔ اس سے مزید کمک اور امداد طلب کرلی۔ احمد شاہ نے فوراً اپنے محافظ دستوں میں سے پندرہ سو گھوڑ سوار اس کی امداد کو روانہ کردیئے اور انھیں ہدایت کردی کہ لڑائی سے مرکز کی طرف پسپا ہونے والے سپاہیوں کو دوبارہ میدان جنگ کی طرف دھکیل دیا جائے۔ جب یہ تازہ دم گھوڑ سوار میدان جنگ میں پہنچے تو احمد شاہ کی فوج نے مرہٹہ فوج پر زور و شور سے حملہ کردیا اور بہادر بلوچوں نے اس موقعہ پر ایسی بہادری اور جانبازی دکھائی کہ جس سے افغان فوج میں فتح کا ولولہ پیدا ہوگیا۔ افغانوں اور بہادر بلوچوں نے مرہٹہ فوج کو گاجر مولی کی طرح کاٹنا شروع کردیا اور کشتوں کے پشتے لگادیئے۔ بس دیکھتے ہی دیکھتے لڑائی کا پانسہ بدل گیا اور مرہٹوں کا زور ٹوٹ گیا مزید مقابلہ کی طاقت جواب دے گئی مرہٹوں کا سردار وشواس راؤ کو اچانک گولی لگی وہ گھوڑے سے گر گیا۔ یہ دیکھ کر مرہٹہ فوج شکست خوردہ ہوکر بھاگ کھڑی ہوئی۔ افغانوں اور بلوچوں نے ان کا پیچھا کرکے بہت سوں کو قتل کیا اور بے شمار گرفتار کرلئے۔ مرہٹوں کا سردار جانکو جی کو گرفتار کرکے قتل کردیا گیا اسی طرح ابراہیم کاردھی جب گرفتار ہوکر احمد شاہ ابدالی کے روبرو لایا گیا تو اسلام اور مسلمانوں کے اس دشمن کو احمد شاہ نے ٹکڑے ٹکڑے کردیا۔ مرہٹوں کا سردار سداشیو بھی مارا گیا داتا جی گائیکواڑ اور ہلکر بھاگ نکلے۔ میدان جنگ میں لاکھوں کی تعداد میں مرہٹے مارے گئے۔

مرہٹوں نے عوام پر بے حد ظلم ڈھائے تھے۔ جب میدان جنگ سے بھاگ نکلے تو لوگوں نے ان بھاگتے ہوؤں کو چن چن کر قتل کردیا۔ اسی طرح ہزاروں کی تعداد میں مرہٹے عوام کے ہاتھوں مارے گئے۔ پانی پت کی اس لڑائی میں ان کی قوت وطاقت بالکل ختم ہو گئی۔

جو مرہٹے (مرہٹے) گرفتار ہوئے ان کو غلام بنا کر فوج میں تقسیم کردیا گیا۔ مزاری ' مری ' بگٹی اور دیگر بلوچ قبائل کے حصے میں جو مرہٹے غلام کی حیثیت سے آئے ان کی باقیات آج بھی کوہ سلیمان سیاہ آف (ڈیرہ بگٹی) روجھان اور بلوچستان کے بعض حصوں میں اچھی خاصی تعداد میں پائی جاتی ہیں۔ ان علاقوں میں ان کو مرہٹہ کہا جاتا ہے اور وہ اسی نام سے متعارف ہیں لفظ مرہٹہ دراصل مرہٹہ کی بگڑی ہوئی شکل ہے۔

مرہٹوں پر مکمل فتح حاصل کرنے کے بعد احمد شاہ ابدالی رحمتہ اللہ علیہ فتح و مسرت کے شادیانے بجواتا ہوا۔ دہلی میں داخل ہوگیا اور مارچ ۱۷۶۱ء میں اس نے اپنے وطن کی طرف مراجعت کی۔ میر نصیر خان نوری رحمتہ اللہ علیہ بھی اپنے بلوچ مجاہدین کی فوج کو لے کر نہایت فرحان و شاداں بلوچستان لوٹ آئے۔

سکھوں سے جنگیں

۱۷۶۱ء میں احمد شاہ ابدالی اور میر نصیرخان نوری رحمہم اللہ علیہم نے پانی پت کے میدان میں مرہٹوں کو شکست دینے کے بعد اپنے اپنے وطن مراجعت کی تو اس کے بعد پنجاب میں سکھوں کی سرگرمیاں تیز تر ہو گئیں سکھ سرداروں نے اپنے اپنے علاقوں میں اپنے لئے قلعے تعمیر کرلئے۔ رنجیت سنگھ کے دادا چڑھت سنگھ نے اپنی بیوی کے گاؤں گوجرانوالہ کو اپنا گڑھ بنا کر یہاں اپنے لئے ایک قلعہ تعمیر کرلیا سکھوں نے لاہور کے نائب صوبیدار خواجہ عبید کو شکست دی جس نے گوجرانوالہ پر حملہ کیا تھا۔ پھر

انہوں نے سرہند پر بھی حملہ کر دیا جب احمد شاہ کو ان کی جولانیوں کی خبر ہوئی تو اس نے ۱۷۶۱ء کے اواخر میں پنجاب میں داخل ہو کر سکھوں کو لاہور سے مار بھگایا اور سرہند کی طرف پیش قدمی کرکے سکھوں کو عبرتناک شکست دی اور ۱۷۶۲ء کے اوائل میں امرتسر پر حملہ کرکے سکھوں کے ہر مندر کو بارود سے اڑا دیا اور اس کی متعلقہ عمارات کو بھی گرا کر زمین بوس کر ڈالا۔ ۴ مارچ ۱۷۶۲ء کو اس نے اپنی واپسی پر کابلی مل ہندو کو لاہور کا صوبیدار مقرر کرکے خود قندھار کی طرف مراجعت کی لیکن سکھوں نے تھوڑے عرصہ میں سردار جسا سنگھ آہکار کی قیادت میں ۶۳/۱۷۶۲ء میں پنجاب میں دوبارہ غلبہ حاصل کرلیا۔

جب احمد شاہ ابدالی کو لاہور اور ملتان میں سکھوں کی بغاوت اور سرہند اور جالندھر دوآبہ پر ان کے قبضے کا علم ہوا تو اس نے دوبارہ پنجاب پر فوج کشی کرکے سکھوں کی بغاوت کو کچلنے کا فیصلہ کیا اس نے قلات کے بادشاہ اپنے اتحادی میر نصیر خان بلوچ کے پاس کہلا بھیجا کہ وہ اپنے بہادر بلوچوں کا لشکر لیکر کفار کیخلاف جہاد میں شامل ہوجائے میر نصیر خان ان دنوں میں حج جانے کا ارادہ کر رہا تھا اس نے فی الحال جہاد میں شریک ہونے سے معذرت ظاہر کی۔

احمد شاہ نے خان کے نام ایک فرمان لکھ بھیجا کہ ان ملعون کتوں اور بدکردار کافروں نے مسلمانوں پر غلبہ پا کر ملتان اور ڈیرہ جات کے علاقوں تک کو تاخت و تاراج کر دیا ہے انہوں نے مسجدیں گرا دی ہیں اور مسلمانوں کو قیدی بنالیا ہے ایسے حالات میں آپ کیونکر حج کیلئے مکہ مکرمہ کا ارادہ رکھتے ہیں آپ اس طرف سے اپنے بہادر بلوچوں کے لشکر کو لیکر چل پڑیں میں اس طرف سے اپنی فوج لیکر روانہ ہو جاتا ہوں تاکہ ہم دونوں مل کر ان ذلیل کافروں کی بیخ کنی کریں ان بت پرستوں کیخلاف جہاد حج پر فوقیت رکھتا ہے میں تجھ کو اپنا بیٹا خیال کرتا ہوں اور تم بحیثیت مسلمان میرے

بھائی ہو فورا" نکل پڑو تاکہ ہم ان منکرین حق کو تباہ و برباد کرکے ان کی عورتوں کو باندھی اور ان کے بچوں کو غلام بنالیں۔

اکتوبر ۱۷۶۴ء میں احمد شاہ اٹھارہ ہزار افراد پر مشتمل ایک فوج لیکر قندھار سے نکلا میرنصیرخان بھی فورا" بارہ ہزار بلوچ بہادروں پر مشتمل ایک لشکر جرار تیار کرکے پنجاب کی طرف روانہ ہوا۔ احمد شاہ ابدالی امین آباد کے مقام پر خیمہ زن تھا کہ بلوچ بہادروں کا لشکر میرنصیرخان کی قیادت میں اس کے ساتھ جاکر شامل ہوگیا۔

احمد شاہ دریائے راوی عبور کرکے شمال مشرق کی طرف سے جب لاہور کی طرف بڑھ رہا تھا تو سکھ سردار شاہ کی آمد کی خبر سنتے ہی اپنے اپنے سکھ جتھوں کو لیکر شاہی شاہراہ پر چل دیئے اور پھر غائب ہوگئے شاہ نے اپنے منصبدار (افسروں) کی ایک فوجی مجلس منعقد کی۔ اوران سے سکھوں کے قلع قمع کرنے کی تدبیروں پر تبادلہ خیال کیا جنھوں نے جم کر مقابلہ کرنے کی بجائے شاہی فوج پر چوری چھپے چھاپہ مارنے کے طریقہ کو اپنا لیا تھا جب دوسرے تمام منصبداروں نے اظہارخیال کردیا تو اس کے بعد شاہ نے میرنصیرخان بلوچ کی طرف متوجہ ہوکر اس کی رائے دریافت کی میرنصیرخان نے عرض کیا کہ شاہ جو تدبیریں بھی تجویز کریگا۔ ہم بلوچ اس پر عملدرآمد کرنے کیلئے تیار ہیں شاہ کی جس طرف بھی منشا ہوگی ہم اسی طرف جاکر دشمن کا قلع قمع کرنے سے دریغ نہیں کریں گے۔ اگر ہمارے سامنے لوہے کا پہاڑ بھی آجائے تو ہم اس کو بھی پاش پاش کرکے رکھ دیں گے۔

اس موقعہ پر سکھوں کی قیادت سردار چڑمت سنگھ کے ہاتھ میں تھی۔ ایک دن سکھوں نے افغان فوج کے ہراول دستے پر اچانک حملہ کردیا جس کی قیادت میرگہرام خان مگسی اور میراحمد خان بلیدی کے ہاتھ میں تھی۔ یہ حملہ اتنا شدید تھا کہ میراحمد خان اور اس کا بیٹا موقعہ پر ہی ہلاک ہوگے میرنصیرخان اور میرعبدالنبی خان رئیسانی فورا"

اپنے ساتھیوں کی مدد کو پہنچ گئے اس کشمکش میں میرنصیرخان کے گھوڑے کو ایک سکھ سوار نے گولی مار دی۔ اور وہ زمین پر گر پڑا ایک دوسرے سکھ نے حملہ کر کے مارنا چاہا خان کے بلوچی رواج کے مطابق لمبے لمبے بال تھے ایک اور سکھ نے میرنصیرخان کو اپنے لشکر کا آدمی سمجھ کر حملہ آور سکھ کو آواز دی۔ ہلا انوں نہ مار اے ساڈا ای آدمی اے۔ اس اثناء میں خان کے دو بہادر ملازمین میرمنگا خان اور محمد حسین خان کو بچانے کیلئے فوراً موقعہ پر پہنچ گئے اور انہوں نے اس کی جان بچالی۔ میرنصیرخان نے قلات واپس ہو کر اپنے لمبے بال کٹوا دیئے کہ ان کے سبب ان کو شہادت نصیب نہیں ہوئی۔ سکھوں کے اس پہلے معرکہ میں نظرمحمد خان ، غلام حسین خان بنگلزئی ، میربرفی خان خلیل خان دروشہ ، بہادر خان ساسولی اور ملادر خان نے بہادری کے بڑے جوہر دکھائے۔ یہ شدید جنگ دیر تک جاری رہی اور رات ہونے پر جاکر ختم ہوئی دوسرے دن سکھوں نے حسب معمول اپنی جنگی چالوں کا مظاہرہ کیا۔ ان کا ایک گروہ بندوقیں لیکر کچھ فاصلے سے افغان فوج پر گولیاں برساتا تھا اور اس کے بعد ان کو بھرنے کیلئے پیچھے ہٹ جاتا تھا۔ اس کے بعد دوسری طرف سے ان کا دوسرا گروہ آگے بڑھ کر اس عمل کو دہراتا تھا آخرکار افغانوں اور بلوچ بہادروں نے سکھ فوج کو گھیر گھار کر بھاگنے پر مجبور کردیا۔ اس موقعہ پر میرنصیرخان اور اس کے بلوچ لشکر نے بیحد بہادری کا مظاہرہ کیا احمد شاہ کی فوج کو فتح نصیب ہوئی فتح کا مژدہ سنانے کیلئے جب میرنصیرخان شاہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو شاہ نے اس کو اس کی اور بلوچ بہادروں کی شجاعت اور جانبازی پر مبارکباد دی اور اس کے ساتھ ساتھ اس کو متنبہ بھی کیا کہ وہ اکیلا جاکر دشمن پر حملہ نہ کرے اور اپنی جان کو خطرے میں نہ ڈالے کیونکہ میرنصیرخان شوق شہادت میں تن تنہا دشمن کی صفوں میں گھس جایا کرتا تھا۔

دوسرے دن احمد شاہ کو خبر ملی کہ سکھ راتوں رات لاہور چھوڑ کر امرتسر کی طرف

چک گرو چلے گئے ہیں جو لاہور سے تقریباً" پچاس کلومیٹر کے فاصلہ پر واقع ہے احمد شاہ امرتسر پر چڑھائی کرنے کے ارادے سے روانہ ہوا اور چوتھی رات کو امرتسر پہنچا لیکن سکھ وہاں موجود نہیں تھے اور فقط تیس سکھ اکل تخت کے اندر موجود تھے جنہوں نے فوراً" باہر نکل کر افغان فوج پر ہلہ بول دیا اور سب کے سب لڑتے ہوئے مارے گئے احمد شاہ ابدالی نے قرب و جوار میں سکھوں کی تلاش میں گھوڑ سوار روانہ کردیئے لیکن ان کا کھوج کہیں نہ لگایا جاسکا۔

چونکہ سکھوں کی بڑی جمعیت جم کر افغان فوج کا مقابلہ کرنے سے گریز کر رہی تھی اس سے احمد شاہ نے اپنے منصبداروں کو صلاح مشورے کیلئے اپنے پاس بلایا اور ان سے دریافت کیا کہ سکھوں کو تباہ کرنے کیلئے کون سی تدبیر اختیار کرنی چاہئے جن کا دور دور تک پتہ نہیں چل رہا۔ اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کا کوئی مقررہ ٹھکانا ہی نہیں ہے اس موقعہ پر بھارت پور کے سردار سورج مل کا بیٹا راجہ جواہر سنگھ پندرہ ہزار سکھوں کی مدد سے نجیب الدولہ کے ساتھ برسرپیکار تھا میر نصیر خان نے تجویز پیش کی کہ افغان فوج سرہند کی طرف کوچ کرکے راستہ میں سکھوں کا قلع قمع کرے تاکہ سرہند میں قیام کرکے نجیب الدولہ کا بھی حال معلوم کیا جاسکے۔

خان کی یہ تجویز شاہ کو بیحد پسند آئی اور اس نے افغان فوج کو جالندھر دوآبہ سے ہوکر سرہند کی طرف کوچ کرنے کا حکم دیا۔ جالندھر دوآبہ پر سکھوں نے قبضہ کر رکھا تھا افغان فوج نے اپنے سفر کے دوران اس علاقے کو تاخت و تاراج کرکے بری طرح لوٹ لیا چار دن میں افغان فوج بٹالہ پہنچ گئی اور اس نے دوبارہ سرہند کی طرف اپنا سفر جاری رکھا۔

اس سفر کے دوران ایک دن اچانک سکھوں کا ایک بڑا جتھا نمودار ہوا اور اس نے مورچہ سنبھال کر افغان فوج کا راستہ روک لیا افغان ہراول دستہ کے سپہ سالار

سردار جہان خان اس سے پیشتر کئی بار سکھوں سے نبرد آزما ہو چکا تھا اس کو ان کی جنگی چالوں سے پوری واقفیت حاصل تھی اس نے ایک جگہ جم کر سکھوں کا مقابلہ کیا تاکہ مزید کمک پہنچ سکے سکھ دوڑتے ہوئے میدان جنگ میں چلے آتے تھے۔ انہوں نے اپنی جنگی چالوں سے ادھم مچا دیا۔ ان کے ہاتھوں میں بندوق اور آتش گیرفتیے تھے وہ کبھی دائیں جانب اور کبھی بائیں جانب حرکت کرتے تھے جب افغان فوج کا بڑا حصہ میر نصیرخان کی قیادت میں موقعہ پر پہنچا تو سکھ اپنی روایتی چالوں کا مظاہرہ کرکے غائب ہوگئے خان نے دس کلومیٹر تک ان کا پیچھا کیا لیکن ان کا کوئی پتہ نہ چل سکا۔ اور میر نصیرخان واپس لشکر گاہ چلا آیا سکھ دوبارہ ستلج کے کنارے نمودار ہوئے لیکن افغان فوج ان کا کچھ نہ بگاڑ سکی۔

احمد شاہ سرہند جانے یا سکھوں کا پیچھا کرنے کا ارادہ ترک کرکے سیدھا گنج پور کی طرف چل پڑا غالباً" وہ نجیب الدولہ کی مدد کرنے کا ارادہ رکھتا تھا جو جواہر سنگھ جاٹ کے ساتھ الجھا ہوا تھا لیکن نجیب الدولہ اور جاٹ کے درمیان فروری ۱۷۶۵ء ہی میں امن قائم ہو گیا تھا اب مزید جنوب کی طرف جانے کی ضرورت نہ تھی۔

کچھ عرصہ کے بعد شہنشاہ احمد شاہ ابدالی سرہند پہنچا سکھوں نے سرہند میں قتل عام کرکے شہر کو تباہ کردیا تھا اور وہاں الو بول رہے تھے بازار اور دکانیں تھیں لیکن دکاندار سکھوں کے ہاتھوں دوسرے جہاں کو سدھار گئے تھے سکھ احمد شاہ کی آمد کا سن کر سرہند کو چھوڑ کر بھاگ گئے تھے۔

سرہند پٹیالہ کے سردار آلا سنگھ کے علاقے میں واقع تھا شاہ نے سردار آلا سنگھ کو اپنے حضور بلایا اس کی بیحد عزت افزائی کی اسے خلعت اور انعام واکرام سے نوازنے کے علاوہ طبل و علم عطا کرکے سرہند کی حکومت اس کے سپرد کردی آلا سنگھ شاہ کو تین لاکھ روپے سالانہ خراج دینے کا وعدہ کرکے رخصت ہوگیا۔

شاہ نے آگے کوچ کیا اور دریائے ستلج کو روپڑ گھاٹ سے عبور کر کے جالندھر دوآبہ میں داخل ہوگیا دوسرے دن احمد شاہ کی فوج نے کوچ کرکے ایک میل کا فاصلہ بھی طے نہیں کیا تھا کہ سکھوں کی فوج آگئی اور انہوں نے افغان فوج کا راستہ روک کر انہیں للکارا۔ شہنشاہ نے سب سے پہلے میر نصیر خان بلوچ کو اپنے پاس بلا کر لڑائی کیلئے تیار ہونے کا حکم دیا اس کے بعد اس نے صف آرائی شروع کردی اس نے قلب لشکر کی قیادت خود سنبھالی شاہ ولی خان جہاں خان اور انزلا خان کو بارہ ہزار بہادروں کے ساتھ اپنے دائیں طرف اور میر نصیر خان کو اس کے بارہ ہزار بلوچ جانبازوں کے ساتھ بائیں جانب رکھا سکھ فوج نے بھی اپنی صفیں ترتیب دیں قلب لشکر کی قیادت جسا سنگھ الوا والیہ نے سنبھال لی جسا سنگھ تھوکا اور کچھ دوسرے سکھ سردار اس کے معاون بنے میمنہ کی قیادت سردار چڑھت سنگھ' لہنا سنگھ بھنگی اور جے سنگھ کنیا کے سپرد ہوئی اور میسرہ کی قیادت پر ہری سنگھ ننگ' گلاب سنگھ' گوجر سنگھ کو مقرر کیا تھا۔ اس کے بعد طبل پر جنگی چوٹ پڑتے ہی زور و شور سے خونریز جنگ چھڑ گئی سکھوں نے اپنے معمول کے مطابق جنگی چالوں پر عمل کرنا شروع کردیا چڑھت سنگھ کچھ فاصلہ پر شاہی فوج پر گولیاں چلانے لگا بھنگیوں نے ہری سنگھ کی قیادت میں شاہ ولی خان اور سردار جہاں خان پر ہلہ بول دیا اور اس کے بعد پیچھے ہٹ گئے شاہ ولی خان اور سردار جہاں خان کی فوج نے ان کا پیچھا کیا تھوڑا فاصلہ پیچھے ہٹ جانے کے بعد سکھ دوبارہ پلٹ کر افغان فوج پر ٹوٹ پڑے:جب افغان فوج کے دائیں بازو پر دباؤ پڑ رہا تھا تو اس وقت احمد شاہ نے میر نصیر خان کو اپنے پاس بلا کر تاکید کرتے ہوئے کہاکہ بیشک تمہارے سینے میں شیر کا دل ہے لیکن سکھوں پر حملہ کرنے میں جلد بازی سے کام نہ لینا اور اپنی جگہ پر پہاڑ کی طرح ڈٹ کرجمے رہنا سکھ بڑی بے جگری سے لڑنے کی صلاحیت رکھتے ہیں ان کی جنگی چالوں کا مقابلہ صرف اس صورت میں ہو سکتا ہے کہ تم

اپنی جگہ سے بالکل حرکت نہ کرو اس تنبیہہ کے باوجود بلوچستان کا یہ مرد میدان سکھوں پر پل پڑا اور شاہ نے اس خیال سے کہ کہیں وہ سکھوں کے جال میں پھنس نہ جائے سردار جہاں خان کو اس کے پیچھے روانہ کردیا۔ اور وہ میر نصیر خان کو زبردستی کھینچ کر لے آیا۔ اس موقعہ پر جبکہ بہادر بلوچوں کا لشکر اپنی مقررہ جگہ سے ہٹ کر سکھوں کا پیچھا کر رہا تھا سکھوں کے ایک دوسرے جتھے نے جلدی سے آگے بڑھ کر ان کی جگہ لے لی اور احمد شاہ کی فوج اور بلوچ جانبازوں کے درمیان آکر ان کو ایک دوسرے سے الگ کردیا اور اس کے بعد انہوں نے بلوچ جانبازوں کو گھیرے میں لے لیا بلوچ جانبازوں نے اپنی تلوار کے زور سے ان کا گھیرا توڑ کر انہیں پیچھے ہٹنے پر مجبور کردیا سکھوں نے پانسہ بدل کر حملہ کردیا۔ دونوں فوجیں ایک دوسرے سے گتھم گتھا ہوگئیں اور ایک خونریز جنگ شروع ہوگئی صبح سے شام تک یہ لڑائی جاری رہی آخرکار اندھیرا چھا جانے پر یہ جنگ ختم ہوئی۔

دوسرے دن سورج نکلتے ہی سکھوں نے میدان میں اتر کر افغان فوج پر ہلہ بول دیا۔ اس بار انہوں نے اپنی فوجی ترتیب بھی بدل دی تھی وہ دوڑتے ہوئے شاہ کی فوج میں گھس آئے اور ان پر پل پڑے شاہ نے فوراً" اپنی فوج کو ایک ہی جگہ جمے رہنے کا حکم دیا۔ اس نے جھنڈے گاڑ دیئے اور میر نصیر خان سے کہا کہ وہ ایک انچ بھی اپنی جگہ سے حرکت نہ کرے شاہ نے بھی زوروشور سے سکھوں پر یلغار کرنے کا حکم دیدیا۔ بلوچ بہادروں نے اور افغان فوج نے سکھوں کو اپنی فولادی تلواروں پر دھر لیا تھوڑی دیر کے بعد سکھ شکست خوردہ ہوکر بھاگ کھڑے ہوئے احمد شاہ کی فوج اور بہادر بلوچوں نے دور تک ان کا پیچھا کیا اور پھر اپنی لشکرگاہ میں واپس آگئے تھوڑی دیر کے بعد سکھ دوبارہ آگئے اور افغان فوج پر حملہ کردیا۔ احمد شاہ نے فوج کو دوبارہ ایک ہی مقام پر ٹھہرنے کا حکم دیدیا اور میر نصیر خان سے بھی کہا کہ وہ کاف کی مانند ایک ہی

مقام پر اپنے آپ کو قائم رکھو۔ شام تک جنگ جاری رہی کہ سکھ شکست خوردہ ہو کر بھاگ کھڑے ہوئے پورے سات دن تک ایک احمد شاہ کی فوج جالندھر دو آبہ کو عبور کر رہی تھی سکھوں کے حملے جاری تھے وہ صبح کو احمد شاہ کی فوج پر حملہ بول دیتے تھے دن بھر دونوں فوجوں کی ایک دوسرے کے ساتھ آنکھ مچولی ہوتی رہتی شام کو سکھ شکست خوردہ ہو کر بھاگ جاتے۔

اسی طرح سکھ شکست پر شکست کھا کر نہایت کمزور ہو گئے اب ان میں احمد شاہ کی فوج سے لڑنے کی طاقت ختم ہو گئی تھی۔

سکھوں کی فوجی طاقت توڑنے اور انہیں شکست پر شکست دینے کے بعد احمد شاہ نے اپنے وطن افغانستان جانے کا ارادہ کیا۔ اور اس نے میر نصیر خان بلوچ کو اپنے پاس بلایا اور اس کو ان مہمات کے دوران قابل قدر خدمات انجام دینے کی مبارکباد دی اور تمام بلوچی لشکر کی بہادری جانبازی اور جانثاری کی بھی بیحد تعریف کی۔ میر نصیر خان نے کچھ مطالبات پیش کئے جو شاہ نے فوراً منظور کر لئے اس میں شال کوٹ (کوئٹہ) کے علاقہ کا مطالبہ بھی شامل تھا۔ شاہ نے دریائے جہلم کو کشتیوں کے پل کے ذریعہ عبور کیا جب شاہی فوج رہتاس کے مقام پر پہنچی تو میر نصیر خان اور اس کا بلوچ لشکر شاہ سے رخصت ہو کر اپنے وطن روانہ ہو گیا اور احمد شاہ بھی اپنی فوج کو لیکر مارچ ۱۷۶۵ء میں افغانستان روانہ ہو گیا۔

احمد شاہ ابدالی کی پنجاب واپسی کے بعد سکھ دوبارہ پنجاب میں سرگرم عمل ہو گئے اور انہوں نے جہلم تک کے علاقے پر اپنا تسلط قائم کر لیا احمد شاہ دوبارہ اپنی فوج لیکر سکھوں کو کچلنے کیلئے ۱۷۶۷ء میں جب پنجاب میں داخل ہوا تو میر نصیر خان اپنے بہادر بلوچوں کے لشکر کے ساتھ اس کا ہمرکاب تھا۔

مجاہد ملت پاسبان دین و اسلام فاتح اسلام بزرگ و دیندار شہنشاہ احمد شاہ ابدالی

(درانی) رحمۃ اللہ علیہ نے جون ۱۷۷۲ء کو وفات پائی اور اس کا بیٹا شہزادہ تیمور، تیمور شاہ کے نام سے اس کا جانشین بنا۔

قبلہ ملت دیندار و دین پرور حق و صداقت کا پیکر بلوچستان کا خود مختار بزرگ بادشاہ خان اعظم میر نصیر خان نوری کبیر رحمۃ اللہ علیہ نے ۴۴ سال حکومت کی اور ماہ جون ۱۷۹۵ء میں وفات پائی۔ اور اپنے دارالحکومت قلات میں مدفون ہوئے۔ ان کا مزار زیارت گاہ خلائق ہے لوگ اسے ولی جانتے ہیں ان کے مزار پر منتیں مانتے ہیں اور مرادیں مانگتے ہیں اور ان کی قبر کی مٹی کو بھی متبرک سمجھتے ہیں۔

بنا کردند خوش رسمے بخون و خاک غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

میر نصیر خان نوری کے بعد

میر نصیر خان کی وفات کے بعد قبائلی سرداروں نے اس کے بیٹے میر محمود خان کو قلات کے تخت پر بٹھایا۔ اس وقت اس کی عمر صرف سات سال تھی۔ اس کی خورد سالی کے پیش نظر قبائلی سرداروں نے باہم مشورہ کرکے اس کے وزیر اخوند فتح محمد کو اس کا اتالیق اور سرپرست مقرر کردیا۔ میر محمود خان کی صغر سنی سے فائدہ اٹھا کر اس کے ایک قریبی عزیز میر بہرام خان جو میر حاجی خان کا بیٹا اور میر محبت خان کا پوتا تھا نے ۱۷۹۵ کے اوائل میں میر محمود خان کے خلاف علم بغاوت بلند کیا اور تاج و تخت کا دعویدار بن گیا۔ کئی جنگوں کے بعد آخر کار میر بہرام خان نے شکست کھائی اور وہ سندھ کی طرف فرار ہوگیا جہاں اس نے ۱۸۰۵ میں وفات پائی۔

میر محمود خان نے ۲۲ سال حکومت کرکے ۱۸۱۷ میں وفات پائی۔ اور میر محمود خان کی وفات کے بعد قبائلی سرداروں اور معتبرین نے اس کے بیٹے خان میر محراب خان کو قلات کی مسند پر بٹھایا۔ اس نے ایسے وقت میں عنان حکومت سنبھالی جبکہ میر محمود خان کی کمزوریوں کی وجہ سے ملک کا نظم و نسق بڑی حد تک درہم برہم ہو چکا تھا۔ میر محراب خان نے ملک کے نظم و نسق کو درست کیا اور بہت سے کھوئے ہوئے علاقے بھی واپس لے لئے۔

انگریزی فوج شجاع الملک کو افغانستان کے تخت دلانے کیلئے بلوچستان سے گذرنا چاہتی تھی انگریزوں کی خواہش تھی کہ ان کی فوج کسی مزاحمت اور رکاوٹ کے بغیر بلوچستان سے گذر جائے۔ اس معاملہ میں میر محراب خان کا تعاون حاصل کرنا ضروری خیال کرتے تھے۔ خان میر محراب خان بھی انگریزی فوج کو بلوچستان کے علاقہ سے گذر جانے کی اجازت دینے پر تیار تھا۔ لیکن بلوچستان میں نظم و نسق کی حالت کے پیش نظر انگریزی فوج کا بلوچستان کے علاقہ خصوصاً درہ بولان کے دشوار گذار راستے سے صحیح

سلامت گزر رہا ایک بڑا دشوار مسئلہ تھا۔ اردگرد کے بلوچ قبائل بالخصوص مری انگریزوں کے سخت مخالف تھے اور برطانوی فوج پر ان کے حملوں کا زبردست خطرہ تھا اجازت دینے کی صورت میں انگریزی فوج کی حفاظت کی ذمہ داری خان پر عائد ہوتی اگر بلوچ قبائل کی طرف سے انگریزی فوج پر حملہ ہوتا تو قصوروار خان کو ٹھہرایا جاتا۔ یہ ایک نہایت مشکل مرحلہ تھا خان بہرحال انگریزوں سے خوشگوار تعلقات کے خواہاں تھے۔ اس موقعہ پر خان کے دربار میں جو لوگ موجود تھے ان پر بھروسہ نہیں کیا جا سکتا تھا۔ بظاہر خان میر محراب خان کے وزیر و مشیر ملا محمد حسن 'اخوند ملا محمد صدیق اور سید محمد شریف تریچی کا شمار میر صاحب کے معتمدین میں ہوتا تھا لیکن درپردہ یہ سب لوگ اس کے مخالف تھے۔ اگرچہ یہ لوگ اپنے آپ کو خان کا خیرخواہ ظاہر کرتے تھے لیکن ان کی سرگرمیاں منفی انداز میں تھیں۔ وہ سب کے سب غداری کرکے میر محراب خان کو انگریزوں کے ساتھ الجھا کر بلوچی ریاست کو نیست و نابود کرنے کے درپے تھے۔ انگریزوں کے ساتھ خوشگوار تعلقات قائم کرکے ان کی فوج کو بلوچستان کے علاقے سے بخیریت گذارنے میں میر محراب خان کو اپنے ان وزراء میں سے کسی کی حمایت حاصل نہ تھی اور وہ تن تنہا اس اہم فرض سے سبکدوش نہیں ہو سکتا تھا۔ اور نہ اپنے وزیروں کی صحیح رہنمائی اور تعاون کے بغیر وہ انگریزوں کے ساتھ درپیش معاملات کو تن تنہا خوش اسلوبی سے طے کر سکتا تھا۔ وہ جس قسم کی مشکلات سے دوچار ہو رہا تھا انہیں اس کے غدار وزیر پیدا کر رہے تھے انگریزوں نے نہ صرف ملا محمد حسن اخوند ملا محمد صدیق اور سید محمد شریف تریچی کی خدمات خرید لی تھی بلکہ ملا محمد داؤد غلزئی کے بھائی غلام جان اور خان جان نے بھی انگریزوں کو غلط اطلاعات فراہم کرکے انہیں خان میر محراب خان کیخلاف اکسانے میں بڑا اہم کردار ادا کیا تھا۔

خان میر محراب خان برطانوی حکومت کے نمائندہ سے بالمشافہ بات چیت کرکے

دونوں حکومتوں میں پیدا ہونے والی الجھنوں کو ختم کرنا چاہتا تھا اور وہ بھی میر محراب خان سے بغیر کسی کشاکش کے بظاہر معاملات کرنے پر آمادہ تھا مگر ملا محمد حسن اس مصالحت سے راضی نہ تھا کیونکہ اس سے اس غدار کا مقصد پورا نہ ہوتا اس نے اپنے منصوبے کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کیلئے میر محراب خان کو یقین دلایا کہ انگریز ایک بے ایمان قوم ہے اس سے اچھائی اور نیکی کی امید رکھنا عبث ہے۔ انگریزوں کا ارادہ اسے گرفتار کرکے کلکتہ بھجوانے کا ہے انگریز کچھ زیادہ طاقتور نہیں بلکہ نہایت کمزور ہیں۔ اور ان کے پاس فوج بھی بہت کم ہے اس لئے ان سے خوف کھانے اور بالمشافہ بات چیت کرنے کی ضرورت نہیں پھر اس غدار نے برطانوی حکومت کے افسروں کو اطلاع دی کہ میر محراب خان کسی صورت میں بھی تم سے مصالحت کرنے پر آمادہ نہیں اور نہ انگریزی فوج کو بلوچستان سے گذرنے کی اجازت دینے پر تیار ہے اور وہ ہر حال میں تم سے جنگ کرنے کیلئے کمربستہ نظر آ رہا ہے۔

ویسے بھی انگریز بلوچستان کو ہڑپ کرنے کے بہانے تلاش کر رہے تھے ملا محمد حسن کے بھڑکانے پر ان کو میر محراب خان پر سخت غصہ آیا اور ان کو قلات پر حملہ کرنے کا بہانہ مل گیا۔ انگریزی فوج جنرل ولشائر کی قیادت میں قلات پر چڑھ دوڑی اور ۵ نومبر ۱۸۳۹ء کو قلات کے قریب پہنچ گئی اس نے آتے ہی مورچے سنبھال کر پہاڑی ٹیلوں پر فوراً اپنی توپیں نصب کردیں اور قلعہ پر گولہ باری شروع کردی انگریزی فوج کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ اور ان کے پاس چھ توپیں اور دوسرے مہلک ہتھیار تھے۔ قلعہ قلات میں میر محراب خان کے پاس اس وقت صرف تھوڑے سے جانباز بہادر بلوچ تھے ان کے پاس صرف تلواریں اور دیسی بندوقیں تھیں مقابلہ ہر لحاظ سے برابر کا نہ تھا اور پھر انگریزی فوج کا حملہ بھی اچانک ہوا تھا۔

میر محراب خان کو فوری طور پر کمک باہر سے نہ مل سکتی تھی انگریزی فوج کی گولہ

باری سے قلعہ کی شمالی دیوار منہدم ہوگئی جس سے انگریزی فوج قلعہ کے اندر گھس گئی۔ تو مٹھی بھر بہادر بلوچ بپھرے ہوئے شیر کی طرح ان سے ٹکرا گئے زبردست جنگ شروع ہوگئی اور انہوں نے بڑی بے جگری سے انگریزی فوج کا مقابلہ کیا۔ صبح سے دوپہر تک جنگ جاری رہی۔ بالآخر میر محراب خان نے کوئی چار سو جانبازوں کے ساتھ داد شجاعت دیتے ہوئے جام شہادت نوش کیا۔

اس موقعہ پر دیگر فدایان وطن کے علاوہ سرکردہ افراد میں سے دیوان بچہ رام۔ دیوان کھیم کرن۔ اور دیوان آسرداس نے بھی وطن کیلئے اپنے خون کی قربانی دی۔ انگریزوں کو فتح ہوئی انہوں نے قلات پر قبضہ کرکے میری پر اپنا برطانوی پرچم لہرا دیا۔

سقوط قلات کے بعد جب ملا محمد حسن کی دغابازی اور غداری کا راز فاش ہوا تو انگریزوں نے اسے گرفتار کرکے سندھ میں قلعہ بھکر کے اندر قید کردیا۔ ملا محمد حسن قلات کے حکمران بننے کا خواب دیکھ رہا تھا۔ اس لئے اس نے غداری اور دغابازی کی تھی مگر شومئے قسمت سے اس کا یہ خواب شرمندہ تعبیر نہ ہوسکا۔ جب بھکر کے قیدخانہ سے رہا ہوا تو بعد میں میر نصیر خان دوم نے اس کو گرفتار کرا کر قیدخانہ میں ڈال دیا جو کتے کی طرح ایڑیاں رگڑ رگڑ کر ۱۸۵۰ء میں قیدخانہ ہی میں مرگیا۔

قلات پر قبضہ کرنے کے بعد انگریزوں نے پہلا کام یہ کیا کہ میر محراب خان کے بیٹے میر نصیر خان دوم کے حق کو قطعاً نظرانداز کرکے میر محبت خان کے پوتے میر شاہنواز خان کو قلات کی مسند پر بٹھا دیا۔ انہون نے دوسرا اہم قدم یہ اٹھایا کہ بلوچستان کے حصے بخرے کرڈالے۔ بلوچستان کے حصے بخرے کرنے سے انگریزوں کا یہ مقصد تھا کہ بلوچوں کی یکجہتی ختم ہو جائے اور وہ انگریزوں کیخلاف کوئی مزاحمت نہ کرسکیں۔

میر شاہنواز خان کو قلات کی مسند پر بٹھانے کے بعد انگریز افسروں کو قلات میں ایک پولیٹیکل افسر کی تقرری کی ضرورت محسوس ہوئی انہوں نے مسٹر لوڈے کو اس

عہدے پر مامور کرکے اسے قلات میں بٹھا دیا۔ مسٹر لوڈے جو عام لوگوں میں لب دین کے نام سے مشہور تھا۔

میر محراب خان کی شہادت کے بعد تمام بلوچستان انگریزوں کے قدموں کے نیچے آ گیا۔ بلوچوں کا اقتدار و اختیار ان کے ہاتھوں سے نکل کر برطانوی راج کو منتقل ہوگیا۔ اور اس کے ساتھ یہ بھی ہوا کہ انگریزوں نے اصل حقدار کی حق تلفی کرکے میر شاہنواز خان کو قلات کی مسند پر بٹھا دیا۔ اس سیاسی چال نے قبائلی سرداروں کیلئے جلتی پر تیل کا کام کیا اور ہر طرف سے بغاوت کے شعلے اٹھنے لگے۔ بلوچ بہادروں نے قلات پر حملہ کردیا جس کا دفاع میر شاہنواز خان اور مسٹر لوڈے کے تحت ایک انگریزی لشکر کر رہا تھا انگریزی فوج بیحد بہادری سے لڑی لیکن اپنے کمانڈر کے عزم اور داؤ پیچ کے باوجود بلوچ بہادروں کے غضبناک حملے کے سامنے جم نہ سکی۔ ایک دن کی زوردار لڑائی کے بعد بلوچ بہادروں نے فاتحانہ طور پر قلعہ میں داخل ہوکر میری پر قبضہ کرلیا۔ ظالم اور جابر مسٹر لوڈے کو گرفتار کرلیا۔ اور میر شاہنواز قلات کو چھوڑ کر سندھ کی طرف چلا گیا۔ اس کے بعد بھی بلوچ بہادروں اور انگریزی فوج میں جنگیں ہوئیں۔ آخر کار انگریز افسروں نے مجبور ہوکر قلات پر میر نصیر خان دوم کی حکمرانی تسلیم کرلی برطانوی افسروں اور بلوچ امراء کی باہمی رضامندی سے میر نصیر خان دوم نے ۱۸۴۱ء میں فاتحانہ طور پر اپنے آبائی تخت پر جلوس کیا۔ میر نصیر خان دوم نے انگریزوں کی کبھی پرواہ نہ کی۔ اور ان کی کوئی بات بھی تسلیم نہ کی۔ اور اس نے قبائلی سرداروں کو تھوڑے عرصے کے اندر اندر اپنے اعتماد میں لیکر مطمئن کردیا۔ اور ان کو وہ تمام اختیارات دے دیئے جو ان کو دستور کے تحت حاصل تھے۔ اس نے اپنے اختیارات سے بھی کبھی تجاوز نہ کی۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ملک کے اندر نظم و نسق کی حالت بہتر ہوگئی۔ زراعت تجارت اور صنعت و حرفت میں بھی خاطر خواہ ترقی ہوئی۔

میرنصیرخان دوم ایک نہایت دلیر متحمل مزاج انصاف پسند دور اندیش اور نیک طینت انسان تھا۔ خان موصوف عرصہ سے مثانہ کی تکلیف میں مبتلا تھا آخرکار اس بیماری کی وجہ سے ۱۸۵۷ء میں اسکی وفات ہوئی۔ اگر طبعی عمر تک زندہ رہتا تو یقینی بات ہے کہ بلوچستان کی تاریخ ہی بدل جاتی۔ اسکی وفات سے ملک کی سیاست میں جوخلاء پیدا ہوگیا وہ بعد میں پر نہ ہوسکا میرنصیرخان کی اپنی کوئی نرینہ اولادنہ تھی۔ اس کے بعد اس کے سوتیلے بھائی میرخدادادخان کو قلات کی مسند پر بٹھایاگیا۔ میرخداداد خان کے دور اقتدار میں بلوچستان کے اندرونی حالات بگڑنے لگے اور ہرطرف سے شورشیں اور بغاوتیں شروع ہوگئیں۔ ان حالات سے فائدہ اٹھا کر ۱۸۷۶ء میں انگریزوں نے بلوچستان کے اندرونی معاملات میں دخل دینے کا قانونی حق حاصل کرلیا۔ اور اسی طرح بلوچستان مکمل طور پر انگریزوں کے کنٹرول میں آگیا۔ اور قلات کی حکومت کٹھ پتلی حکومت بن کر رہ گئی۔

اس کے بعد انگریز افسروں نے ۱۸۹۳ء میں میرخداداد خان کو معزول کرکے اس کے بڑے بیٹے میرمحمودخان دوم کو قلات کی گدی پر بٹھا دیا۔ میرمحمودخان کے دوراقتدار میں بھی شورشیں اور بغاوتیں زوروں پر جاری رہیں۔ دراصل لڑاؤ اور حکومت کرو کی پالیسی کے تحت یہ ساری شرارتیں انگریزوں کی تھیں۔

اڑتیس سال حکومت کرنے کے بعد میرمحمود خان عالم ضعیفی میں فوت ہوا۔ تو اس کے بعد اس کے بڑے بیٹے میراعظم جان کو مسند قلات پر بٹھایاگیا۔ ۱۹۳۳ء میں اس نے وفات پائی اس کا بیٹا میر اکرم جان حکومت کرنے کے لائق نہ تھا۔ لہٰذا جانشینی اس کے دوسرے قانونی حقدار میراحمد خان کو منتقل ہوگئی۔ اس کی حکومت بھی انگریزوں کی ایک کٹھ پتلی حکومت تھی۔

پاکستان کے وجود میں آنے کے ساتھ قلات کی ریاست پاکستان کا حصہ بن گیا۔ اور

بلوچوں کی صدیوں پرانی حکومت ایک خواب بن کر رہ گیا۔ بلوچوں کے بادشاہ میر چاکر خان نے گدروشیا کو بلوچستان کا نام دیکر جس بلوچی سلطنت کی بنیاد رکھی تھی بروہیوں نے اس کو تکمیل تک پہنچایا ہی تھا کہ شومئے قسمت سے ان کا دور ختم ہوگیا اور اس کے ساتھ بلوچستان کے نقشے بھی بدل گئے۔

صدسالہ دور چرخ تھا ساغر کا ایک دور
نکلے جو مئے کدا سے تو دنیا بدل گئی

۱۹۶۶ء کے بعد بلوچستان کے قبائلی سرداروں اور عوام نے بلوچستان کی خودمختاری کی تحریک نہایت زوروشور سے چلائی مگر ۱۹۷۴ء میں پاکستان کے وزیراعظم مسٹر ذوالفقار علی بھٹو نے فوج بھیج کر ان کی تحریک کو نہایت سختی کے ساتھ کچل دیا۔

سندھ پر ٹالبر بلوچوں کی حکومت

ٹالبر (تالپر) بلوچستان میں کوہ سلیمان کے علاقہ سیاہ آف میں رہتے تھے سولہویں صدی عیسوی میں یہاں سے ڈیرہ غازی خان چلے گئے اور پھر کچھ عرصہ کے بعد وہاں سے ہجرت کرکے سندھ میں وارد ہوئے۔

اب یہاں پر نہایت اختصار کے ساتھ تاریخ کی روشنی میں ان کی ترقی و تنزلی کے حالات و واقعات بیان کئے جائیں گے کہ انہوں نے کس طرح سندھ میں اپنی حاکمیت قائم کی اور پھر کس طرح اس کو کھویا۔

سندھ کے کلہوڑہ حکمرانوں کے دور اقتدار میں ٹالبر سرداروں نے ان کے دربار میں اثرورسوخ پیدا کرلیا۔ سندھ کے فرمانروا میاں یار محمد خان کلہوڑہ نے میر شہداد خان ٹالبر کو اپنا مشیراعلی بنا لیا بس یہی چیز ٹالبر بلوچوں کی ترقی کا سبب بنی اور ان کو بادشاہی کے بلند مرتبے تک لے گئی۔

میرشہداد خان اپنی خداداد صلاحیتوں کی بناء پر امور سلطنت میں بہت اہمیت اختیار کر گیا۔ اس نے ۱۷۳۴ء میں وفات پائی اس کے بعد اس کے بیٹے میربہرام خان کو مشیراعلی بنا دیا گیا۔ کلہوڑوں میں تخت نشینی اور تخت سے محرومی کی بناء پر شدید کشمکش شروع ہو گئی میربہرام نے اپنے زور بازو سے میاں غلام شاہ کو تخت نشین کرایا۔ میاں غلام شاہ قلعہ حیدر آباد کی تعمیر کا معائنہ کرتے ہوئے ۱۷۷۱ء میں مارا گیا تو اس کے بعد اس کا بیٹا میاں سرفراز خان کو تخت پر بٹھا دیا گیا۔ میربہرام خان ٹالبر ہی اس کا مشیراعلی رہا جب وہ بوڑھا ہو چلا تو اس کے بیٹے میربجار خان کو بھی مجلس مشاورت میں لے لیا گیا۔ میاں سرفرازخان کے ایک اہم درباری بدبخت تاجہ لیکھی نے حسد کی وجہ سے میروں کے خلاف میاں کے کان بھرنے شروع کئے نتائج سے بے نیاز ہو کر میاں تاجہ لیکھی کی چکنی چپڑی باتوں میں آکر میروں کو ترچھی نگاہوں سے دیکھنے لگا تو میاں اور میروں کے درمیان تناؤ پیدا ہونے لگا میاں کے وزیر با تدبیر گڈو مل نے مداخلت کر کے میاں اور میروں کے مابین صلح کرانے کی کوشش کی اور اس نے میاں کو سمجھاتے ہوئے کہا کہ جناب ان مفسدوں کی باتوں پر کان نہ دھریئے ایسے لوگ آگ سلگاتے ہیں اور اس کے بھڑکنے پر فرار ہو جایا کرتے ہیں۔ ایسے طاقتور گروہ (بلوچوں) کی دشمنی مول لینے میں جلد بازی اور شتابی نہ کیجئے ورنہ بغاوت ہو جائیگی اور آپ کف افسوس ملتے ہی رہ جائیں گے دیوان گڈو مل کے سمجھانے کا اس پر کچھ اثر نہ ہوا کیونکہ اس پر بدبختی کا بھوت سوار ہو چکا تھا۔

میربہرام خان نے اپنے آقا کی سردمہری دیکھی تو اپنے بیٹوں میربجار خان اور میرسوبدار خان سے کہا کہ میرے بیٹو ہم بہت جلد اپنے آقا کا نشانہ بننے والے ہیں تم مجھے اپنے حال پر چھوڑ کر کہیں اور چلے جاؤ اس سے بدگمانی دور ہو سکتی ہے اور ہمارے آقا کا ذہن ہمارے حق میں صاف ہو سکتا ہے لیکن اگر خدانخواستہ حالات انتہائی بگڑ جاتے

ہیں تو کم از کم تم تو محفوظ رہ جاؤ گے۔

چنانچہ جلد ہی میر بجار خان حج کیلئے مکہ مکرمہ روانہ ہو گیا تھوڑے عرصہ بعد ۱۷۷۴ء میں میر بہرام خان اپنے بیٹے میر سوبدار خان کے ساتھ میاں سرفراز خان کی تسلیمات بجالانے کیلئے حاضر ہوا تو اس نے دونوں کو دھوکے سے قتل کرا دیا۔ میر سوبدار خان چار لڑکے چھوڑ کر مرا یعنی میر فتح علی خان 'میر غلام علی خان ' میر کرم علی خان اور میر مراد علی خان یہ چاروں بھائی بعد میں سندھ کے نہایت نامور بادشاہ بنے اور تاریخ میں چار یار کے نام سے معروف ہوئے۔

میر فتح خان جو میر سوبدار خان کے رشتہ کا بھائی تھا اس نے میر بہرام خان اور میر سوبدار خان کے قتل کی وحشتناک خبر سنی تو غصہ میں آکر اس نے مٹھی بھر بہادر بلوچوں کے ساتھ دارالحکومت قلعہ خدا آباد پر حملہ کرکے اس پر قبضہ کر لیا میاں سرفراز خان سر پر پاؤں رکھ کر یہاں سے بھاگا اور حیدر آباد میں جا دم لیا۔ اسی وقت ۱۷۷۵ء میں میاں سرفراز خان کو معزول کرکے اس کے بھائی میاں محمود خان کو تخت پر بٹھا دیا گیا میر فتح خان نے پیش قدمی کی اور حیدر آباد بھی فتح کر لیا میاں سرفراز خان یہاں سے بھی بھاگ کھڑا ہوا اور ہمیشہ کیلئے تاج و تخت سے محروم ہو گیا۔ اس کے کچھ عرصہ بعد ۱۷۷۷ء میں تاجہ لیکھی نے اپنے دمسازوں کے ساتھ ملی بھگت کرکے میاں محمود خان کو تخت سے اتار کر میاں غلام نبی خان بن میاں نور محمد خان کو تخت نشین کرا دیا۔

اسی عرصہ میں میر بجار خان حج سے واپس آیا جوش انتقام میں اس نے قلعہ عمر کوٹ پر حملہ کرکے اس پر قبضہ کر لیا تاجہ لیکھی کی لگائی بجھائی کے زیر اثر میاں غلام نبی خان نے میروں کو باغی قرار دیکر ۱۷۷۸ء کے اوائل میں ان کیخلاف تقریباً پینتیس (۳۵) ہزار کا ایک لشکر جرار تیار کیا میر بجار خان کی کمان میں صرف چھ ہزار بہادر بلوچ تھے۔ لانیاڑی کے مقام پر دونوں فوجیں دیوؤں کی طرح ٹکرائیں غضب کا رن پڑا۔ مٹھی

پھر بلوچوں نے اپنے سے کئی گنا زیادہ کلہوڑہ فوج کا مقابلہ کرکے انہیں گاجر مولی کی طرح کاٹ کر رکھ دیا۔ کلہوڑہ فوج بلوچ بہادروں کی فولادی تلواروں کے سامنے نہ ٹھہر سکی اور حواس باختہ ہوکر اور ہزاروں مقتولوں کو میدان جنگ میں چھوڑ کر بھاگ کھڑی ہوئی میدان بلوچ بہادروں کے ہاتھ رہا۔ اس ابتری میں میاں غلام نبی خان نے فرار ہونے کی بجائے میربجار خان کی حراست میں جانا بہتر سمجھا۔ لیکن تاجہ لیکھی نے اس کی نیت بھانپ لی اور فوراً تلوار سونت کر یہ کہتے ہوئے اسے قتل کر دیا کہ ہم تیرے مافی الضمیر کو سمجھتے تھے تو شروع سے ہی میروں کی طرف مائل تھا۔ کیونکہ تو ہمیشہ ہمارے خلاف چلا۔ بس تجھے اس منصب جلیلہ پر رہنے کا کوئی حق نہیں فریب کار تاجہ لیکھی نے شکست کھائی لیکن ہیرا پھیری سے باز نہ آیا میربجار خان کے کچھ آدمیوں نے اس کو پکڑ کر میربجار خان کے روبرو پیش کیا تو میر صاحب نے فوراً اس کی گردن تلوار سے اڑا دی۔

بعد ازیں میربجار خان نے میاں غلام نبی خان کے بھائی میاں عبدالنبی کو بلا کر سلطنت سندھ حوالے کردی اور خود وزارت عظمیٰ پر فائز ہوگیا۔

سندھ میں بادشاہوں کے بدلنے کے ساتھ ساتھ شاہی خزانہ میں مالیہ کی آمدنی کم ہوتی گئی۔ اور شاہ کابل کو واجب الادا سالانہ خراج میں بے قاعدگی آتی گئی۔ اور سندھ میں بلوچوں کی بڑھتی ہوئی طاقت کو دیکھ کر شاہ کابل کو سندھ کا اس کی کنٹرول سے نکل جانے کا خطرہ پیدا ہوا تو افغان بادشاہ نے گھبرا کر ایک بہت بڑی فوج محفوظ خان کی کمان میں دیکر سندھ روانہ کیا۔ جس کے ساتھ میاں عبدالنبی خان کا ایک رشتہ دار عزت یار خان بھی بھیجا گیا۔ اور سندھ کی حکومت کی سند عزت یارخان کو دیکر شہنشاہ نے اپنے جرنیل کو حکم دیا کہ میاں عبدالنبی خان کو تخت سے بے دخل کرکے اس کی جگہ عزت یارخان کو تخت نشین کیا جائے۔

محفوظ خان اور عزت یار خان تیس ہزار فوج کے ساتھ شکارپور پہنچے تو عزت یارخان نے لڑائی سے چند روز پہلے ایک خط میربجارخان کے پاس ارسال کرکے اسے بہت کچھ سمجھایا۔ میربجارخان نے جواب میں لکھ بھیجا کہ میں تمہارے خط کا شکرگزار ہوں تم نے تخت کے ایک دعویدار کی حیثیت سے سندھ آنے کی تکلیف کی ہے لیکن تمہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ تم اپنے چچا سے لڑنے آ رہے ہو جو تمہارے لئے بمنزلہ والد کے ہے میں نے اس کی وفاداری کا حلف اٹھایا ہے فتح و شکست خداتعالی کے ہاتھ میں ہے۔ میں میاں عبدالنبی خان کا ساتھ دینے پر مجبور ہوں میں ایک بہادر بلوچ کی حیثیت سے بہت جلد اپنے آقا کے ساتھ تمہارا سامنا کروں گا۔ فی الحال خداحافظ۔

میربجارخان نے اپنے اٹھارہ ہزار شمشیرزن بہادر تیار کئے اور نہایت چابکدستی سے میاں عبدالنبی خان کے ساتھ اپنی فوج لیکر شکارپور پہنچا جہاں غنیم کی فوج پہلے سے پڑاؤ ڈالے ہوئی تھی۔

افغان اپنی قوت و شجاعت کا سکہ سالہا سال سے ایران اورہندوستان پر جما چکے تھے لیکن اب انکا مقابلہ بلوچوں سے تھا جو شجاعت و بہادری میں ان سے افضل تھے۔

ایک ہی میدان میں آنے کے بعد دونوں طرف کے بہادروں نے اپنی اپنی صفیں درست کیں اور نقاروں پر جنگی چوٹ پڑتے ہی گتھم گتھا ہو گئے۔ ایسا تہلکہ برپا ہوا اور ایسی تباہی مچی کہ خدا کی پناہ۔ چند لمحوں میں میدان کارزار خون کا دریا بن گیا۔ بلوچ بہادروں نے افغان فوج کے چھکے چھڑا دیئے۔ افغانوں کو شکست فاش ہوئی میدان بہادر بلوچوں کے ہاتھ رہا۔ افغان فوج کے سپہ سالار محفوظ خان اور عزت یارخان نے بھاگ کر اپنی جان بچائی بے شمار مال غنیمت فاتح بلوچوں کے ہاتھ آیا۔

جب یہ خبر شہنشاہ تیمورشاہ کابل کو پہنچی تو سخت برہم ہوا اور ایک زبردست فوج لیکر بہ نفس نفیس سندھ روانہ ہوا شکارپور پہنچا اور پھر روہڑی کی طرف چل پڑا۔

میربجار خان نے شہنشاہ کے پہنچنے سے پہلے ہی دریا پر کشتیوں کا پل بنوا دیا تاکہ شہنشاہ مع فوج آسانی سے گذر سکے اور اس کے ساتھ ساتھ ایک خط بھی شہنشاہ کو ارسال کر دیا۔ سابقہ خدمات اور خط نے شاہی غیض و غضب کو کافی حد تک ٹھنڈا کر دیا۔ میربجار خان نے تیس ہزار بلوچوں کے ساتھ شہنشاہ کا خیر مقدم کیا میر اور شہنشاہ نے ایک دوسرے سے محبت اور احترام کے جذبات کا مظاہرہ کیا۔ چنانچہ میاں عبدالنبی کو سندھ کے حکمران کی حیثیت سے مستقل کر کے شہنشاہ افغانستان واپس چلا گیا۔

اس قدر احسانات اور جانثاریوں کے باوجود ۱۷۸۱ء میں میاں عبدالنبی نے سازش کر کے میربجار خان کو قتل کرا دیا۔ جس وقت میربجار خان پر چار راٹھور راجپوتوں نے قاتلانہ حملہ کیا تو میر نے مرنے سے پہلے باوجود شدید زخمی ہونے کے بہادری کا مظاہرہ کرتے ہوئے ان چاروں کو جہنم رسید کر دیا تھا۔

اس نالائق میاں نے اپنے خیر خواہ محسن اور سندھ کے نہایت دانشمند حد درجہ بہادر اور بیحد شریف انسان سے ایسا سلوک کر کے خونریزی اور بغاوت کی راہیں کھول دیں۔

میربجار خان کے بعد اس کا نامور بیٹا میر عبداللہ خان بلوچوں کا سردار بنا۔ میر عبداللہ خان کو احسان فراموش، دھوکا باز، مکار اور فریبی میاں عبدالنبی پر سخت غصہ آیا۔ اور بہادر بلوچوں کے ایک لشکر کو لیکر میاں عبدالنبی کو سبق پڑھانے کیلئے دارالحکومت کی طرف چل کھڑا ہوا۔ میر عبداللہ خان کے خوف سے میاں عبدالنبی نے اپنے دو بیٹوں کو راجہ جودھ پور کے پاس بھیجا اور خود تاج و تخت کو چھوڑ کر قلات کی طرف فرار ہو گیا۔

میر عبداللہ خان نے اس کی جگہ اس کے ایک قریبی رشتہ دار میاں صادق علی کلہوڑہ کو تخت پر بٹھا دیا۔ تھوڑے عرصہ کے بعد میاں کے دونوں بیٹے راجہ جودھ پور

بجے سنگھ سے ایک بڑی فوج لیکر سندھ پہنچے اور دوسری طرف سے میاں عبدالنبی دیگر حکمرانوں اور جاگیرداروں سے فوجی امداد لیکر ایک لشکر جرار کے ساتھ اپنے تاج و تخت کو حاصل کرنے کی غرض سے سندھ میں داخل ہوا۔ سندھ کی سرزمین پر ایک بار پھر دہشت ناک بادل چھا گئے۔

میرعبداللہ خان بھی ان کے مقابلہ کیلئے اپنے بہادر بلوچوں کو لیکر میاں صادق علی کے ساتھ خدا آباد سے نکلا۔ تھوڑے ہی فاصلہ پر جودھ پور کے راٹھور ہندو راجپوتوں کی فوج سے ان کا سامنا ہوگیا۔ بلوچ بہادروں کا ہراول دستہ جمالی تغلانی اور لغاری قبائیلیوں پر مشتمل تھا۔ اور میرفتح خان تالپر اس کی قیادت کر رہا تھا جبکہ مرزوفقیر عرف سلطان جنگ اور اس کا بیٹا بانھ خان اس کے نائب تھے۔ میمنہ اور میسرہ میرفتح علی خان اور میر سہراب خان کے تحت تھے جبکہ قلب لشکر خود میرعبداللہ خان کے تحت تھا صفیں درست ہونے کے بعد نقاروں پر جنگی چوٹ پڑتے ہی ہولناک جنگ شروع ہو گئی طرفین نے ایک دوسرے پر توپوں کے دہانے کھول دیئے مخالف فوجیں ایک دوسرے کے قریب ہوتی گئیں تو مچھلیوں کی طرح تلواریں تڑپ کر نیاموں سے باہر آگئیں غضبناک بلوچ بہادروں کی فولادی تلواریں مچل مچل کر ہندو راجپوت سورماؤں پر کوندنے لگیں میمنہ اور میسرہ نے میرفتح علی خان کی سرکردگی میں راجپوت فوج کے قلب پر نہایت زور شور سے حملہ کرکے اسے گاجر مولی کی طرح کاٹنا شروع کیا۔ اور خون کی ندیاں بہہ گئیں۔ نہایت پامردی سے لڑنے کے باوجود گئوماتا کے پجاری خدائے وحدہ لاشریک کے پرستاروں کے سامنے نہ ٹھہر سکے۔ اور وہ اپنے مقتولوں زخمیوں اور سامان کو چھوڑ چھاڑ کر رام رام کرتے ہوئے بھاگ کھڑے ہوئے اور فتح بہادر بلوچوں کو ہوئی۔

اس کے بعد میرعبداللہ خان میاں عبدالنبی کی متحدہ فوجوں سے سامنا کرنے کیلئے

تیزی سے مسافت کرتا ہوا اچالک کے مقام پر پہنچا۔ اس مقام پر میرعبداللہ خان اور میاں عبدالنبی کی متحدہ فوجوں کا آمنا سامنا ہوا۔ میاں عبدالنبی نے پہلے ہی حملہ میں فتح خان کے تحت بلوچوں کے ہراول دستے کو پیچھے دھکیل دیا یہ منظر دیکھ کر میرعبداللہ خان گھوڑے سے اترا اور تلوار ہاتھ میں لیکر اپنے بہادر بلوچوں کے ساتھ دائیں بائیں وار کرتا ہوا قلب لشکر میں جا گھسا۔ اور تھوڑی دیر میں پانسہ پلٹ دیا۔ میاں عبدالنبی کی متحدہ افواج ذلت آمیز شکست کھا کر بھاگ کھڑی ہوئی اور میرعبداللہ خان فتح یاب ہوا۔

اس شکست کے بعد میاں عبدالنبی کابل جاکر تیمور شاہ کے دربار میں حاضر ہوا اور اپنے حالات سنا کر اس سے امداد طلب کرلی۔ ۱۷۸۰ء میں خان خاناں سردار مدد خان اسحاق زئی تیمور شاہ کے حکم سے افغانوں کی ایک زبردست فوج لیکر بلوچوں سے مقابلہ کرنے کیلئے سندھ کی طرف روانہ ہوا اس نے سندھ پہنچ کر میرعبداللہ خان کو للکارا۔ میرعبداللہ خان اپنے بہادر بلوچوں کی ایک زبردست فوج لیکر دھاڑتا ہوا اس کے مقابلہ میں آکر صف آراء ہوگیا۔

افغان پہلے بھی بہادر بلوچوں سے جنگ کرچکے تھے ان کی بہادری اور شجاعت کو خوب جانتے تھے اور ان کی فولادی تلواروں کی کاٹ سے اچھی طرح واقف تھے افغان فوج کے سپہ سالار نے بلوچوں کی جرات اور جانبازی سے خوف کھا کر حرب و ضرب کی بجائے مسئلہ کو دوستانہ طور پر سلجھانے کا فیصلہ کیا۔ اس نے اپنے ایلچیوں کے ذریعہ میرعبداللہ خان کے پاس کہلا بھیجا کہ مجھے پتہ ہے کہ تم بلوچ سب کے سب بہادر جنگ آزما اور دانشمند لوگ ہو۔ میاں عبدالنبی بے دانش اور مفسد ہے جھوٹے اور دغاباز لوگ اس کے ساتھی ہیں۔ میں نے پہلے ہی ان میں سے تین کو پابہ زنجیر کرکے سزا دیدی ہے۔ میری التجا صرف یہ ہے کہ تم لوگ اپنی اپنی جگہوں کو واپس چلے جاؤ۔ تاکہ میں ان احمقوں کے ساتھ خدا آباد آؤں۔ یہ کہتے ہیں کہ انہوں نے حیدر آباد میں اپنے

خزانے دفن کر رکھے ہیں میں جانتا ہوں کہ یہ جھوٹ ہے لیکن میں ثابت کرنا چاہتا ہوں کیونکہ تبھی میں شہنشاہ کے حضور ان کے خلاف اور آپ کے حق میں بول سکوں گا۔ میں حلفیہ کہتا ہوں کہ میں تم سب کو اپنا دوست سمجھتا ہوں اور تم سے لڑنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا۔ میرعبداللہ خان نے پیغام وصول کرنے کے بعد ایلچیوں کو خلعتیں دیکر واپس کیا اور جواباً" کہلا بھیجا کہ ہم شاہ کابل کے حلقہ بگوش ہیں اور آپ کو بھی اپنا دوست گردانتے ہیں کچھ بداندیش لوگوں نے شہنشاہ کے حضور ہماری غیبت کی ہے لیکن ہمیں امید ہے کہ آپ معاملہ درست کر دیں گے۔ آپ کے حسب مشورہ ہم واپس جانے کو تیار ہیں لیکن آپ کے پیغام سے قبل ہم نے قسمیں کھائی تھیں کہ ہم اپنے دشمنوں کو پیٹھ نہیں دکھائیں گے۔ جب تک آپ کی فوجیں ہمارے مقابل رہتی ہیں ہم پیٹھ نہیں دکھائیں گے۔ اگر آپ کا واقعی خدا آباد جانے کا ارادہ ہے تو آپ دریا کے کنارے جا سکتے ہیں جب آپ اس راستہ سے چلے جائیں گے تو ہم بلامزاحمت عمرکوٹ کا رخ کریں گے۔ جہاں ہمارا سامان پڑا ہے۔ افغان جرنیل نے اس بات سے کامل اتفاق کیا اور وہ شاہی فوج کو لیکر خدا آباد چلا گیا۔ اور اس نے میاں عبدالنبی کو ان خزانوں کے پیش کرنے کا حکم دیا جن کا اس نے مدد خان سے وعدہ کر رکھا تھا میاں تعمیل حکم میں ناکام رہا۔ تو افغان سردار نے اپنی فوج کو حکم دیا کہ وہ بلا تخصیص عمرزات یا مذہب کے تمام علاقے کو اندھا دھند لوٹ لے۔ فوج نے بڑھ کر علاقے میں لوٹ مار شروع کردی ہر شخص کو اس کی جائیداد سے محروم کر دیا گیا حتیٰ کہ جسم کے کپڑے اور پاؤں کے جوتے تک اتار لئے گئے افغان فوج کے اس ظلم و تعدی سے گھبرا کر میرعبداللہ خان نے عمرکوٹ میں بلوچ سرداروں کا ایک اجلاس بلایا اور ان تباہ کاریوں کیخلاف میدان میں کودنے کا فیصلہ کیا۔ مہم کے احکامات جاری کر دیئے گئے اور اگلے ہی دن اس کی دعوت پر ہزاروں بہادر بلوچ ہتھیاروں سے لیس عمرکوٹ میں جمع ہوگئے اور پھر

سیدھے خدا آباد کو چل پڑے۔ افغان فوج کے سپہ سالار مدد خان خدا آباد کو چھوڑ کر یسال سے چھ میل دور جا کر خیمہ زن ہوا۔ میر عبداللہ خان نے افغان جرنیل کو ایک نہایت تہدید آمیز خط لکھا اور اس لوٹ مار پر بے حد شرم دلایا۔ شرمندگی اعمال سے مدد خان نے جوابا" تحریر کیا کہ اے بلوچوں کے بہادر سردار تم بے شک کمسن ہو لیکن عقل اور تجربہ میں بزرگ ہو۔ میں تمہاری نصیحت کی قدر کرتا ہوں اور خود بھی مخلوق خدا پر ظلم کرنا نہیں چاہتا۔ چونکہ میاں عبدالنبی نے نہ مجھے وعدہ کے مطابق سونا دیا ہے اور نہ ہی فوج کیلئے سامان رسد لہٰذا مجھے اس لئے لوٹ مار کرنا پڑی۔ سچ تو یہ ہے کہ اس ظلم کیلئے وہ خود خدا تعالیٰ کے سامنے جواب دہ ہوگا نہ کہ میں جہاں تک میرے عہدوپیمان کا تعلق ہے میں اس پر قائم ہوں میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ میں نے بار بار شہنشاہ کے پاس لکھا کہ وہ تمہیں اس ملک کا ناظم مقرر کرے اس شرط پر کہ تم باقاعدہ مقررہ خراج شاہی خزانہ میں بھیجتے رہو۔ میں تمہارا مہمان ہوں اپنے عزیزوں میر فتح علی خان اور میر سراب خان کو بھی اپنے ساتھ میرے پاس لے آؤ۔ لیکن سب سے پہلے اپنی فوج کو منتشر کردو۔ اس طرح تم اپنا مقصد پالو گے۔ اور تمہارے دشمن کیفر کردار تک پہنچیں گے۔

لیکن میر عبداللہ خان نے حکم عدولی کی اور جنگ کرنے کیلئے کمربستہ ہوگیا۔ خان خانان مدد خان نے اباوڑہ کی طرف کوچ کیا اور میر عبداللہ خان کو پھر اپنے حضور بمع اپنے قرابتدار سرداروں کے پیش ہونے کا حکم دیا مگر میر عبداللہ خان اور میر فتح علی خان نے کمرباندھی اور بہادر بلوچوں کی زبردست فوج لیکر مدد خان کو جا للکارا۔ مدد خان نے بلوچ بہادروں سے جنگ کرنے کا یارانہ دیکھا اور میاں عبدالنبی کو زبانی کلامی دوبارہ سندھ کی حکومت پر بحال کرکے خطرناک منجدھار میں چھوڑ کر واپس افغانستان چلا گیا۔

میاں عبدالنبی اور تالپر سرداروں کے درمیان خصومت بدستور قائم تھی کہ میاں

نے سازش اور دھوکا کرکے میرعبداللہ خان اور فتح خان کو گرفتار کرکے قتل کرا دیا۔ قتل کے ان واقعات سے تالپر بلوچ بیحد مشتعل ہوگئے آخری کلہوڑہ حکمران نے اپنے خاندان کو المناک انجام تک پہنچایا۔ اب ان کے زوال اور انحطاط کو کوئی نہ روک سکتا تھا۔ بلوچوں نے متفقہ طور پر میرفتح علی خان کو اپنا سربراہ چن لیا میرفتح علی خان نے تمام ہمسایہ بلوچ سرداروں سے مشترکہ مفاد کیلئے رضاکار طلب کئے چھ ہزار بلوچ بہادر بغاوت اور انتقام کی قسم کھا کر اس کے جھنڈے تلے جمع ہوگئے۔ میاں عبدالنبی نے چالیس ۴۵ ہزار کا ایک لشکر بلوچوں کے مقابلہ کیلئے جمع کیا۔ بلوچ بہادر اپنا لشکر لیکر میرفتح علی خان کی سرکردگی میں میاں عبدالنبی کے مقابلے پر نکلے اور ہالانی کے مقام پر دونوں فوجوں کا آمنا سامنا ہوا۔ میرفتح علی خان نے جوش میں آکر حملہ میں پہل کی۔ بندوقوں اور تیروں کی زبردست لڑائی شروع ہوئی یہ خونریز لڑائی بہت جلد بے نیام اور بے آرام تلواروں کی لڑائی میں تبدیل ہوگئی۔ گھمسان کی جنگ ہو رہی تھی کہ میرسہراب خان تین ہزار جانباز بلوچوں کو لیکر شامل ہوگیا اب بلوچ لشکر کی تعداد نوہزار ہوگئی بلوچ بہادر انتقام کے جذبہ کے تحت نہایت بے جگری سے لڑ رہے تھے باوجود قلیل تعداد ہونے کے بلوچ بہادر میدان پر چھا گئے۔ میرفتح علی خان اور میرسہراب خان نے چوطرفہ یورش کرنے کا حکم دیدیا۔ اور چند لمحوں میں بلوچ جانبازوں نے کلہوڑہ سورماؤں کو پیس ڈالا۔ ان کے ہزاروں سپاہی مارے گئے اور ہزاروں کی تعداد میں زخمی ہوکر ماہی بے آب کی طرح تڑپنے لگے۔ باقی دہشت زدہ ہوکر میدان کارزار سے بھاگ کھڑے ہوئے۔ میاں عبدالنبی اپنی فوج کی تباہی دیکھ کر حواس باختہ ہوگیا اور اپنی جان بچانے کی خاطر ایک جھیل میں کود کر نکل بھاگا۔ اور بلوچستان کے پہاڑوں میں جاچھپا۔ یہ خونریز جنگ ۱۷۸۳ء کو ہوئی۔ فتح کے بعد میرفتح علی خان اپنی فوج کو لیکر نوشہرہ فیروز آکر ٹھہرا۔

اب تخت سندھ کے آخری کلہوڑہ وارث کے برے دن آچکے تھے کلہوڑوں کی

بچی کھچی عظمت و شوکت اب زوال کو نہ روک سکتی تھی ان کا سارا سیاسی و عسکری ڈھانچہ ٹالپر بلوچوں کے سامنے ہیچ ہو کر رہ گیا تھا ان کا آخری حکمران ایک کٹھ پتلی تھا جسے فریب کار درباری شاہی تخت کا نمائشی کھلونا بنائے ہوئے تھے۔

کچھ عرصہ کے بعد میر فتح علی خان نے حملہ کر کے حیدر آباد پر بھی قبضہ کر لیا۔ میر نے اپنے تین سفیر سید ابراہیم شاہ' قیصر خان نظامانی اور مرزا غلام علی خان کو ایک خط دیکر شاہ کابل کے پاس بھیجا میر کے سفیر بادشاہ کے حضور پہنچے اور اپنے آقا کی طرف سے ایک عرضداشت بحضور شاہ پیش کیا جس میں میاں عبدالنبی کی ان تمام اوچھی اور بھونڈی چالوں کا تذکرہ تھا۔ جو اس نے میر اور اس کے خاندان کیخلاف استعمال کی تھیں یہ خط بادشاہ کیلئے باعث تسکین تو ہوا مگر اس کے ذہن و قلب کو متاثر نہ کر سکا۔ بادشاہ نے کچھ سوچنے کے بعد حکم دیا کہ سندھ کو دو حصوں میں بانٹ دیا جائے ایک حصہ میر فتح علی خان ٹالپر کی حکومت ہو اور دوسرے حصہ پر میاں عبدالنبی کلہوڑہ کی۔

اس زمانہ میں میاں عبدالنبی شہنشاہ کے پاس کابل میں موجود تھا تقسیم کیلئے ایک افسر تعینات کیا گیا۔ اور میاں عبدالنبی کے ساتھ ایک فوج بوستان خان اور اخلاص خان کے تحت بھیجی گئی تاکہ اس کو نصف حصہ پر بحال کیا جاسکے۔

میر فتح علی خان کے سفیروں نے انہیں شہنشاہ کے فیصلہ سے آگاہ کیا میر نے اس فیصلہ کو تسلیم کرنے سے صاف انکار کیا اور چالیس ہزار بہادر بلوچوں کو لیکر لوہڑی کی طرف چل کھڑا ہوا تاکہ شاہی فوج اور میاں عبدالنبی کا سامنا کرے۔ اتنے عرصہ میں میر فتح علی خان کے سفیر کابل میں رہ گئے اور وہ میر فتح علی خان کے حق میں شہنشاہ سے شاہی سند حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ اور علاوہ ازیں انہوں نے میاں عبدالنبی اور دونوں جرنیلوں کی کابل واپسی کا فرمان بھی حاصل کر لیا جب یہ احکامات موصول ہوئے تو میاں عبدالنبی کی مایوسی قابل دید تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا گویا اس پر جان کنی کا

عالم طاری ہوگیا ہے تقدیر کا ٹھکرا ہوا یہ مجسمہ شروفساد بالآخر ہمیشہ ہمیشہ کیلئے ذلت اور رسوائی کے غار میں جاگرا۔

میرفتح علی خان کی حکومت

میرفتح علی خان کو سندھ کی حکومت کی سند شہنشاہ کابل سے ملی تو وہ شاہی مسند پر بیٹھ گیا۔ بلوچ خوشی سے پھولے نہ سماتے تھے دریائے سندھ کی زرخیز سرزمین ایک بلوچ سرزمین بن گئی کچھ عرصہ کے بعد میرفتح علی خان اور کچھ بلوچ سرداروں میں اختلافات پیدا ہوگئے جس کی بناء پر میرفتح علی خان سے انہوں نے تعلقات منقطع کر لئے اسی دوران میاں عبدالنبی ڈیرہ جات میں مارا مارا پھر رہا تھا اس نے موقعہ غنیمت جانا اور قمرالدین ناظم ڈیرہ جات کے توسط سے تیمورشاہ کو ایک بہت بڑی رقم کی پیشکش کرکے اسے اپنی مدد پر راضی کرلیا۔

شاہ افغانستان نے میاں عبدالنبی کی حمایت میں ۱۷۸۷ء کو پندرہ ہزار فوج سردار احمد خان نورزئی اور سردار بوستان خان کی سرکردگی میں سندھ روانہ کی تاکہ میرفتح علی خان کو ہٹاکر میاں عبدالنبی کو اس کے سابقہ منصب پر بحال کیاجاسکے۔

سردار احمد خان اور سردار بوستان خان اپنی زبردست فوج لیکر سندھ پہنچے۔ میرفتح علی خان بھی صرف اپنی دو ہزار بلوچ بہادروں کے ساتھ پندرہ ہزار فوجیوں سے ٹکرلینے کیلئے تخت یا تختہ کہتے ہوئے اپنی بلوچی جرات اور شجاعت کے ساتھ آگے بڑھا دونوں فریقوں کے درمیان ہالاکنڈی کے مقام پر ایک ندی کے کنارے ایک خونریز جنگ ہوئی میرفتح علی خان کے جانبازوں نے افغان فوج کا حوصلہ پست کردیا۔ بہادر بلوچوں کے ہاتھوں افغانوں کو زبردست شکست ہوئی۔ بلوچی علم میدان جنگ میں فاخرانہ و فاتحانہ انداز میں لہرانے لگا سردار احمد خان نورزئی سردار بوستان خان اور میاں عبدالنبی کلہوڑہ

کابل کی طرف بھاگ گئے اس شکست کے بعد شہنشاہ تیمور نے سندھ پر ٹالپر بلوچوں کی حکومت تسلیم کرلی۔

۱۷۸۹ء میں حیدر آباد کو مستقل دارالحکومت بنا دیا گیا اور نو ماہ کے اندر اندر نئی تعمیر شدہ عمارتوں اور عالیشان مسجدوں نے اس کی رونق کو دوبالا کر دیا۔

۱۷۹۳ء میں تیمور شاہ نے داعی اجل کو لبیک کہا اور اس کے بعد اس کا بیٹا زمان شاہ تخت نشین ہوا پرانی رسم کے مطابق اس نے میر فتح علی خان کو خلعت حکمرانی اور نئی سند کے ذریعہ اسے سندھ کی حکمرانی پر مستقل کر دیا۔ لیکن میر فتح علی خان نے تیمور شاہ کی وفات کے فوراً ہی بعد اطاعت کا جوا اتار پھینکا اور سندھ کا خود مختار بادشاہ بن گیا۔

میر اب زیادہ تر اپنے پایہ تخت حیدر آباد ہی میں رہتا تھا۔ کیونکہ سندھ میں اب امن قائم ہو چکا تھا۔ اس نے تمام ہمسایہ سلطنتوں کو ناکوں چنے چبوا دیئے تھے۔ اس کی دلیری اور قیادت سخت آزمائشوں سے گذری تھی اس نے ہر مدمقابل کو بلوچی تلوار کے سامنے جھکا دیا تھا۔ اس نے ملک کے فتنہ پرور عناصر کو مطمئن کرکے سرزمین سندھ کو بلوچی حکومت بنا دیا۔ ملک کو پرامن اور خوشحال کرنے کے بعد اس نے سندھ کو سات حصوں میں تقسیم کر دیا۔ تین حصے اپنے لئے رکھے۔ دو حصے سہراب خان کو دیئے۔ ایک حصہ اپنے عزیزواقارب کیلئے وقف کیا اور ایک حصہ میر ٹھارہ خان، میر محمود خان، میر غلام حسین خان، میر بہرام خان اور دیگر ٹالپر سرداروں کو دے دیا۔ ہر میر اپنی قسمت میں آزاد تھا مگر سب کا مرکز دارالحکومت حیدر آباد تھا۔ بدقسمتی سے میر فتح علی خان کا قائم کردہ نظام اس کے بعد برقرار نہ رہ سکا۔

۱۷۹۹ء میں انگریزوں نے سندھ سے اپنا پہلا تجارتی رابطہ قائم کرکے اپنا ایجنٹ کچھ عرصہ کیلئے بھیجا مگر میر فتح علی خان نے دس دن کے اندر اسے ملک سے نکال دیا۔ آخر ذوالحجہ ۱۲۱۷ھ بمطابق ۱۸۰۲ء میں بلوچ بہادری کے مجسمہ بے شمار میدانوں کے فاتح



میرفتح علی خان نے وفات پائی۔

اس کے بعد اس کا بھائی میرغلام علی خان تخت نشین ہوا کیونکہ میرفتح علی خان نے صرف ایک بیٹا سوبدار خان چھوڑا جو اس کی وفات کے بعد پیدا ہوا تھا۔

چند دن ہی گذرے تھے کہ میر ٹھارہ خان نے تخت کے ایک دعویدار کی حیثیت سے بغاوت کردی۔ ۱۸۰۳ء میں تندرہ کے مقام پر میرغلام علی خان اور میر ٹھارہ خان کی فوجوں کے درمیان ایک زبردست جنگ ہوئی۔ جس میں میرغلام علی خان کی فوج نے میر ٹھارہ خان کی فوج کو شکست دیکر منتشر کر دیا۔ اور بغاوت فرو کردی گئی۔

افغانستان میں جب شجاع الملک تخت نشین ہوا تو ۱۸۰۳ء میں سندھ پر کنٹرول حاصل کرنے کی غرض سے وہ اپنی فوجیں لیکر شکار پور پہنچا لوگ اس کے خوف سے اپنے گھربار چھوڑ کر صحرائے تھر کی طرف بھاگ گئے میرغلام علی خان اس کا سامنا کرنے کیلئے بلوچ بہادروں کا ایک لشکر جرار لیکر شکارپور کی طرف بڑھا۔ ایک بڑی جمعیت کے ساتھ میر سہراب خان بھی لاڑکانہ میں اس سے آن ملا میدان کارزار میں اترنے سے پہلے دونوں نے مشورہ کیا کہ پہلے حافظ شیرمحمد خان کو بادشاہ کے حضور بھیجا جائے تاکہ معاملات اچھی طرح سلجھ جائیں اور جنگ کی نوبت نہ آنے پائے۔ شجاع الملک نے مصالحت پر اتفاق کیا اور حسب شرائط میر کو دس لاکھ روپے فوراً بادشاہ کو ادا کرنے پڑے اور پانچ لاکھ روپے سالانہ بطور خراج ماننا پڑے۔

شجاع الملک بغیر قتل و غارتگری کے سندھ پر کنٹرول حاصل کرکے واپس ہوگیا۔

برطانوی حکومت نے سندھ کی سیاسیات میں مداخلت کی غرض سے دس رجب ۱۲۲۴ھ ۲۱ اگست ۱۸۰۹ء کو میرغلام علی خان اور اس کے بھائیوں سے پہلا معاہدہ کیا۔

ایک دفعہ میرغلام علی خان نے ایک ہرن شکار کیا۔ وہ اسے حلال کر رہا تھا۔ ہرن نے تڑپ کر اپنا سر جو ہلایا تو اس کا ایک سینگ میر کے پاؤں میں پیوست ہوگیا۔ زخم

سے خون کا فوارہ پھوٹ پڑا اور اس کا زہر سارے بدن میں سرایت کر گیا۔ اور مہلک ثابت ہوا آخرکار ۶ جمادی الثانی ۱۲۲۶ھ ۱۸۱۱ء کو میر غلام علی خان نے وفات پائی۔ اس کا مختصر نو سالہ دور ہر قسم کی برائیوں سے پاک تھا۔

میر غلام علی خان کی وفات کے بعد سرداروں نے بلا سوچے سمجھے اس کے بیٹے میر محمد خان کو تخت پر بٹھا دیا بہت سے وجوہات کی بناء پر ایک ہفتہ کے اندر ہی اندر بلوچ سرداروں کو مرحوم کے بھائی میر کرم علی خان کو تخت نشین کرنا پڑا۔

میر کرم علی خان کا دور حکومت اندرونی بغاوتوں اور بیرونی جنگوں سے محفوظ رہا۔ نیا حکمران بہت خوش بخت تھا اسے دور اندیشی فیاضی اور وقار کے ساتھ بادشاہی کرنے کا موقع ملا۔ اس کا دور امن و خوشحالی کا دور تھا۔ اعلیٰ درجہ کا علم دوست انسان تھا۔ اس کے دور میں برطانوی حکومت کے سرجان میلکم گورنر بمبئی نے میجر سکین کو اس کے دربار میں بھیج کر ایک تجارتی معاہدہ کیا۔

اس کے بعد انگریزوں نے میر کرم علی خان کے ساتھ باہمی دوستی کا ایک معاہدہ کیا۔ ۱۸۲۹ء میں میر سہراب خان ابن میر فتح علی خان مرحوم نے بغاوت کردی مگر اس کی بغاوت نہایت احسن طریقے سے بغیر لڑائی جھگڑے کے فرو ہوگئی۔

۱۸۲۸ء میں ایک طویل علالت کے بعد میر کرم علی خان نے وفات پائی۔ میر کرم علی خان ۱۸۳۳ء تک فوت ہوا۔ اس کے بعد اس کا بھائی میر مراد علی خان بھائی کے جانشین کی حیثیت سے تخت نشین ہوا۔ چاروں بھائی میر فتح علی خان، میر غلام علی خان، میر کرم علی خان اور میر مراد علی خان ایک دوسرے پر جان چھڑکتے تھے۔ اور لوگ انہیں چار یار کر کر پکارتے تھے اور ان کی چویاری مشہور تھی۔ میر غلام علی خان غیر معمولی قابلیت کا مالک تھا اور اس کا دور نہایت پرامن رہا اس کے دور میں ملک نے بے حد ترقی کی۔

تخت کلل کے دعویداروں میں مسلسل بغاوت اور چپقلش شروع ہوگئی جو میر کیلئے

ایک نیک فال تھی کیونکہ وہ افغان حاکمیت کے شکنجہ سے چھوٹ گیا اور اس نے اپنی خودمختار بادشاہت قائم کرلی۔

۲۰ اپریل ۱۸۳۲ء میں برطانوی حکومت اور میر مراد علی خان کے درمیان لیفٹیننٹ کرنل پوٹنگر کے توسط سے ایک اور معاہدہ ہوا۔ میر مراد علی خان نے اس معاہدہ کی شرائط طے کرانے میں بے مثال تدبر کا مظاہرہ کیا اس نے حتی المقدور اپنی سلامتی کو مد نظر رکھا لیکن گیارہ سال بعد ۱۸۴۳ء کی جنگ میانی میں انگریزی حکومت نے ان شرائط و معاہدہ کے پرخچے اڑا دیئے۔

میر مراد علی خان نے بیرونی بادشاہوں کے تسلط سے کلی" آزاد ہونے کی بدولت اپنے نام کے سکے جاری کئے۔

میر مراد علی خان چودہ دن بیمار رہنے کے بعد ۶ جمادی الثانی ۱۲۴۹ھ ۱۸۳۳ء کو اس جہاں سے رخصت ہوگیا۔ اس نے چار بیٹے میر نور محمد خان، میر نصیر خان، میر محمد خان اور میر یار محمد خان اور دو بیٹیاں چھوڑیں۔

میر مراد علی خان کے بعد بلوچ سردار اکٹھے ہوئے اور گزشتہ اور آئندہ پر غور کرکے مرحوم کے مقبوضات کو چاروں بیٹوں میں تقسیم کردیا۔ جو مشترکہ دارالحکومت حیدر آباد سے اپنے اپنے علاقہ پر حکومت کرنے لگے۔ خیرپور کی امارت کا بھی یہی حشر ہوا۔ ۱۸۳۰ء میں میر سہراب خان کی وفات کے بعد اسے اس کے بیٹوں میر رستم خان اور میر علی مراد خان اور ان کے بھتیجوں میر محمد حسن خان بن میر رستم خان، میر محمد خان بن میر غلام حیدر خان اور میر نصیر خان بن میر مبارک خان میں بانٹ دی گئی۔ اسی طرح میر علی مراد خان بن میر ٹھارہ خان حکمران میرپور نے بھی یہی طریقہ اپنایا۔

میر علی مراد خان بن میر ٹھارہ خان کے بعد میرپور کے حصے بخرے اس کے بیٹوں میر شیر محمد خان، میر شاہ محمد خان اور میر خان محمد خان کو مل گئے اور اسی طرح شوئے

قسمت ـ پورا سندھ ٹکڑے ٹکڑے ہو کر رہ گیا۔ جس میں سے ہر ٹکڑا ایک ناپختہ حکمران کے ماتحت تھا۔ ۱۰ شوال ۱۲۵۵ھ ۱۸۴۰ء میں میر نور محمد خان نے وفات پائی۔ ے بعد بلوچ سرداروں نے اپنے مشترکہ انتخاب سے مرحوم کے بھائی میر نصیرخان کو تخت پر بٹھا دیا۔

میر نصیرخان مرکزی دارالحکومت حیدر آباد پر حکومت کرتا تھا۔ میر رستم خان خیرپور میرس کا تاجدار تھا اور میر شیر محمد خان حیدر آباد کے مشرق میں کئی کوس کے فاصلہ پر واقع میرپور خاص کا آقا تھا میران خیرپور و میرپور مرکزی حکمران کو برائے نام حاکم اعلیٰ سمجھتے تھے ملک کے بیشتر لوگ ان اہل اختیارات سے بیزار بلکہ ان کے درپے آزار تھے۔

یہی چیزیں ان کیلئے تباہی کا سبب بنیں اور ان کے بارے میں اسی بہانے تقدیر کچھ اور فیصلہ کرچکی تھیں جنگ میانی کے سنسناتے ہوئے تیروں گرجتی ہوئی توپوں ' ٹھاٹھا کرتی ہوئی بندوقوں خونی تلواروں اور نیزوں کو ان کا اور سندھ کی قسمت کا فیصلہ کرنا تھا۔ انیسویں صدی کے وسط میں انگریزوں کو ہندوستان میں شاندار فتوحات حاصل ہوئیں اور انگریز مدتوں سے سندھ کو بھی للچائی ہوئی نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ اور موقعہ مناسب کے انتظار میں تھے۔ آخرکار میران ٹالپر کے آپسی اختلافات اور باہمی چپقلشوں اور کمزوریوں نے انگریزوں کو سندھ پر حملہ کرنے کا موقعہ فراہم کر دیا۔ اور ایسے حالات سے فائدہ اٹھا کر انہوں نے سندھ کو ہڑپ کرنے کا مصمم ارادہ کرلیا۔

جنگ میانی

انگریزوں نے سندھ کو فتح کرنے کیلئے ایک موزوں جرنیل سر چارلس نیپئر کا انتخاب کیا جو ایک پست قد ' بدشکل ' بوڑھا خرانٹ اور عقابی نگاہیں رکھتا تھا اس نے

اپنی فوج کو کیل کانٹوں سے خوب لیس کیا اور حکم ملتے ہی اپنی فوج لیکر سرزمین سندھ پر چڑھ دوڑا۔ میر نصیر خان نے اس سے مقابلہ کرنے کیلئے دس ہزار سے زیادہ لوگ جمع کر لئے۔ اس موقعہ پر دو زبردست سرداروں غلام محمد خان اور بختیار خان لغاری نے عین موقعہ پر دھوکا دیا اور بلوچ لشکر سے جدا ہو گئے جس کا میر نصیر خان کو بیحد قلق ہوا۔ میران خیرپور و میرپور نے بھی اس نازک موقعہ پر مرکزی حکمران میر نصیر خان کے ساتھ نہ اتحاد کیا اور نہ اس کو کسی قسم کی فوجی امداد دی۔ میران سندھ کا آپس میں کسی قسم کا اتفاق و اتحاد نہ تھا اگر ان میں اس چیز کا فقدان نہ ہوتا تو گورا سامراج سندھ کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی دیکھنے کی جرات نہ کر سکتا تھا جب تک ان میں اتفاق و اتحاد رہا۔ طاقتور سے طاقتور دشمن بھی انہیں مغلوب نہ کر سکا اور جب میران سندھ اختلاف و انتشار کا شکار ہو گئے تو دشمن کو ان کے نیست و نابود کرنے کا موقعہ مل گیا۔

۱۷ فروری ۱۸۴۳ء کو میانی کے مقام پر دونوں مخالف فوجیں ایک دوسرے کے آمنے سامنے ہو گئیں۔ صبح نو بجے نیپئر نے اپنی فوجوں کو صف بندی کا حکم دیا۔ میر نصیر خان کی فوج کا بیشتر حصہ دریائے فلیلی کی خشک گذرگاہ میں تھا۔ وہ تعداد میں برطانوی فوج سے قدرے زیادہ لیکن اسلحہ میں بالکل کم تھی انگریزی فوج مکمل طور پر ہر قسم کے اسلحہ سے لیس تھی بس دیکھتے ہی دیکھتے ایک خونریز جنگ شروع ہو گئی انگریز مورخ سر ولیم نیپئر نے جنگ میانی کا حال یوں بیان کیا۔

بہادر بلوچوں کی توپیں انگریزی فوج پر گولہ باری کرنے لگیں۔ اور انگریزی توپ خانہ بھی اس کا جواب دیتا رہا۔ بلوچ بہادر بوجود انگریزی فوج کی گولہ باری کے نہایت تیزی اور شوق سے اپنے ان دیکھے دشمنوں کی طرف بڑھنے لگے۔ پھر انگریزوں کے نعرے بلند ہوئے انگریز بندوقچی آگے بڑھے پیادہ فوج دوڑتی ہوئی فلیلی میں جمع ہوئی اور اس کے ڈھلوان کنارے پر چڑھ دوڑی جانباز بلوچوں نے اپنی بندوقیں چوٹی کے ساتھ

ساتھ تیار رکھی ہوئی تھیں اور وہ حملہ آوروں کے منتظر تھے حملہ آور جب پندرہ گز کے فاصلہ پر آگئے تو بلوچ بہادروں نے ان پر بوچھاڑ کردی لیکن انگریزی فوج کی تیزرفتاری اور اندر سے ڈھلوان کے عمودی پن نے ان کا نشانہ ٹھیک بیٹھنے نہ دیا۔ اور کارروائی ادھوری رہی۔ اگلے ہی لمحہ انگریزی فوج کا بائیسواں دستہ کنارے کی چوٹی پر پہنچ گیا اس کا خیال تھا کہ بہادر بلوچ ان کو دیکھتے ہی بھاگ کھڑے ہوں گے لیکن وہ اپنے سامنے بے محابا تلواریں دیکھ کر حیران و پریشان ٹھٹک گیا۔ بلوچ بہادر کھڑی فصل کی طرح جڑے ہوئے تھے وہ فلیلی کی وسیع و عریض اور گہری گذرگاہ پر چھائے ہوئے تھے اس کے دونوں کنارے پر بھی جمع تھے اس کے پچھلے میدان میں بھی پرے جمائے ہوئے تھے۔ انہوں نے اپنے سروں کو بچانے کیلئے گاڑھے رنگ کی بڑی بڑی ڈھالیں پہن رکھی تھیں اور وہ اپنی تلواریں لہرا رہے تھے اوران کی فولادی تلواریں دشمنوں پر برسنے کیلئے تڑپ رہی تھیں وہ نعروں کی گھن گرج اور دیوانہ وار اشاروں سے آگے بڑھے اور اپنی پوری جناتی قوت و دہشت کے ساتھ بائیسویں دستے سے ٹکرا گئے۔ انہوں نے اپنی گھنی صفیں ملا دیں بلوچ بہادروں کے نعرے بندوقوں سے اگلتی ہوئی آتشباری اور انکی فولادی تلواروں کی جھنکار اور ان کی بہادرانہ چنگھاڑ سے ایک دہشت ناک منظر سنائی اور دکھائی دینے لگا۔ اور ایسی گھمسان کی جنگ شروع ہوگئی کہ صفحات تاریخ میں اس کی مثال ملنا مشکل ہے جب بھی یہ جانباز سورما تلواریں اور ڈھالیں لئے ہوئے آگے بڑھتے تھے اور اپنی پوری بہادری اور جانبازی کے ساتھ دشمن کی صفوں کو توڑنے کی کوشش کرتے تھے تو چھوٹے آلات کی گولیاں سنگینیوں کے دھچکے اور داہنی طرف نصب بندوقوں سے گولیوں کی لگاتار بوچھاڑ ان سرفروش بہادروں کو پیچھے نہ دھکیل سکتے تھے وہ اپنے سینوں پر گولیاں کھاتے تھے وہ بندوقوں پر کود پڑتے تھے اور ایک ہی وقت میں ان کے بیسیوں بہادر بھک سے اڑا دیئے جاتے تھے اور ان کی لاشیں سینکڑوں کی

تعداد میں عمودی ڈھلوان سے نیچے گرتی جا رہی تھی لیکن انہوں نے اپنی صفوں میں خلا پیدا ہونے نہیں دیا صفوں کی خلاء پیچھے سے فوراً پر کر دیئے جاتے تھے اور بلوچ بہادروں کے ہراول کے بچے کھچے جانباز اب بھی پوری غضبناکی سے آگے بڑھ رہے تھے تلوار اور سنگین کی لڑائی پورے زورشور سے جاری تھی اور اسی طرح وہ یہ ہولناک جنگ لڑتے رہے تھے طرفین کے درمیان تین گز سے زیادہ فاصلہ نہ تھا اور اکثر یہ فاصلہ بھی مٹ جاتا تھا۔ اور اکثروبیشتر ایک دوسرے میں گڈمڈ اور پیوست ہو کر گتھم گتھا ہو جاتے تھے کئی بار ایسا ہوا کہ ان جانباز بہادر بلوچوں نے نہایت غیض و غضب سے فرنگیوں کو پیچھے دھکیل دیا اور الٹ پلٹ کر اکھیڑ پھینکا انہوں نے قریباً تمام انگریز فوجی افسروں کو مقتول اور مجروح کردیا۔ اور کئی دفعہ فرنگی سپاہی سپہ سالاروں سے محروم ہو کر پیچھے ہٹنے پر مجبور کر دیئے گئے لیکن ان کا بڑا جرنیل نیپیئر ایک خبردار اور ہوشیار شاہسوار تھا وہ سر پر خود پہنے پگڑی باندھے دبتی جگہ پر فوراً پہنچ جاتا تھا اور ہندوستان کے کالے کلوٹے سپاہی اسے دیکھ کر پھر جم جاتے تھے۔

ساڑھے تین گھنٹے سے مسلسل یہ طوفان جنگ پورے جوش و خروش سے جاری تھا لیکن اب بھی غیوروجسور بہادر بلوچ زخمی شیروں کی طرح دھاڑتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے ان کی تعداد گھٹنے کی بجائے بڑھتی جا رہی تھی جنگ کی مسلسل خوفناک رفتار دیکھ کر سرچارلس نیپیئر کانپ گیا۔ اور اس نے شکست کھانے کے خوف سے اپنا داؤ بدلا وہ جان گیا کہ بلوچ بہادروں کو بالمقابل حملے میں شکست نہیں دی جاسکتی۔ پس اس نے بہادر بلوچوں کے دائیں بازو پر دباؤ ڈالا۔ دفاعی لحاظ سے یہ بازو نسبتاً کمزور تھا۔ لہٰذا یہ غیرمتوقع چوٹ کامیاب رہی۔ اور بلوچ جانباز دائیں طرف سے گھر کر عقبی حملے کی زد میں آ گئے اس کے باوجود وہ نہایت بہادری سے لڑتے رہے۔

ایک سپاہی نے چھلانگ لگا کر ایک جانباز بلوچ کے سینے میں سنگین گھونپ دی

گرنے کی بجائے شہ زور جنگ آزمانے فوراً" اپنی ڈھال اتار پھینکی اور بائیں ہاتھ سے اپنی بندوق پکڑ کر سنگین پر ہی اپنے جسم کو آگے کی طرف بل دیا اور پھر تلوار کے ایک ہی وار سے انگریز سپاہی کی گردن اڑا کر اپنا انتقام لے لیا اور دونوں ایک ہی ساتھ ڈھیر ہو گئے۔

بلوچ جانباز رہ رہ کر نہایت بے جگری سے دشمن پر حملے کرتے رہے لیکن لگاتار گولوں اور آتشباری نے انہیں آگے بڑھنے نہیں دیا۔ میر نصیر خان کے توپ خانہ نے نہایت خوش اسلوبی سے اپنا فرض ادا کیا لیکن پیادہ فوج مفلوج ہو کر رہ گئی تھی اس جنگ میں بہت سے بہادر بلوچ اپنے ملک و قوم کی آزادی پر قربان ہو گئے۔ اور بے شمار زخمی ہوئے۔

لڑائی بند ہو گئی بہادر بلوچوں نے آہستہ آہستہ پسپا ہونا شروع کیا لیکن اس طرح کہ نہ ان کی گھبراہٹ تھی اور نہ ان پر خوف و ہراس سے ناکام ہوئے بلکہ وہ اپنی بھاری جمعیت میں اپنی ڈھالوں کو پشت پر لٹکائے ہوئے اور اپنے سروں کو آدھا موڑے ہوئے اور اپنی آنکھوں میں غضبناک چمک لئے ہوئے وہ قدم بقدم پیچھے ہٹتے رہے۔ دشمن ان پر پے در پے بوچھاڑ کرتے رہے۔ حتیٰ کہ خود بخود قتلِ عام سے رک گئے اس کے بعد تحت بیان بہادر بلوچوں نے اپنی جمع شدہ رفتار برقرار رکھی اور تیز نہیں کیا حالانکہ سب ان کا پیچھا کر رہے تھے۔ وہ تین ہزار بہادر بلوچ جو انتہائی دائیں طرف تھے تو توڑنے کیلئے جم کے اپنی قومی تلواریں لہراتے ہوئے فرنگیوں پر پل پڑے گورا دشمن نے فوراً" اپنی بندوقوں کا رخ ان کی طرف پھیر دیا اور جانباز بلوچوں پر اتنی گولہ باری کی کہ وہ تمام کے تمام اپنے ملک و ملت پر قربان ہو کر اپنے شہید ساتھیوں سے جا ملے۔ اس ہولناک جنگ میں چھ ہزار جانباز بلوچ شہید ہوئے اور دو ہزار انگریزی سپاہی مارے گئے۔

شکست دلائی دہلی انگریزوں کے ہاتھوں کس نے فتح کرائی بنگال انگریزوں کو کس نے دلایا۔ اور قلات فرنگیوں سے کن لوگوں نے فتح کرایا۔ یہ غدار ہی تو تھے جنھوں نے غداری کرکے ملک و ملت کو نقصان پہنچایا ایسی بے شمار مثالیں ہیں جو دی جا سکتی ہیں۔

مرکزی دارالحکومت حیدر آباد اور میرپور کو فتح کرنے کے بعد نیپئر نے خیرپور میرس پر چڑھائی کردی اور اس کو بھی ایک خونریز جنگ کے بعد فتح کر لیا اس کے بعد انگریزوں نے تمام سندھ پر مکمل طور پر کنٹرول حاصل کرلیا۔ افسوس کہ میران سندھ آپس میں متفق اور متحد ہوتے تو آج ان کو یہ وقت نہ دیکھنا پڑتا اور کبھی بھی منحوس انگریزوں کا قبضہ سرزمین سندھ پر نہ ہوتا۔

میران سندھ کو گرفتار کرکے قیدی بنا کر ہندوستان بھیج دیا گیا۔ اس کے کچھ عرصہ بعد میروں کو رہا کر دیا گیا اور حیدر آباد و میرپور اور خیرپور کی تین الگ امارتوں میں سے پہلی دو کو مخالفانہ اور طاقتور ہونے کی وجہ سے ختم کر دیا گیا۔ البتہ کمزور اور کم مخالف امارت خیرپور میرس اور اس کے حکمران خاندان کو بحال کردیا گیا۔ لیکن اس کی سیاسی ہیئت و حیثیت کو مکارانہ اور شاطرانہ معاہدات اور دیگر پابندیوں سے مستقلاً بے دست و پا کرکے رکھ دیا گیا۔

انگریز حاکموں نے میران حیدر آباد و میرپور کا معمولی وظیفہ مقرر کردیا۔ ان کے بعد بھی ان کی اولاد کو پاکستان بننے تک مقرر شدہ ماہانہ وظیفہ ملتا رہا۔

انگریزی دور حکومت اور اس کے بعد بھی ریاست خیرپور میرس پر برائے نام یکے بعد دیگرے کئی ٹالپر نواب برسراقتدار آتے رہے یہاں تک کہ یہ ریاست ۱۹۵۵ء میں پاکستان میں مدغم کر دی گئی۔

مذاری بلوچوں کی سرگذشت

شورش عندلیب نے روح [illegible]

ورنہ یہاں کلی کلی مست [illegible]

مذاری بلوچوں کا ایک زبردست قبیلہ ہے اور اس کی [illegible] ہے مگر اکثر و بیشتر بے توجہی کی نذر ہو چکی ہے اس کو [illegible] کوشش اور جستجو کے بعد کچھ کتب تواریخ کے [illegible] سے جو کچھ ان کو قصص اور اشعار کی صورت میں یاد تھا [illegible] کو آنے والی نسلوں کیلئے سنگ میل کی حیثیت سے چھوڑا۔ اگر مذاری قبیلے کے [illegible] تاریخی حالات و شواہدات مکمل طور پر محنت و کوشش کر کے جمع کئے جاتے تو اس قبیلے کی تاریخ کی ضخیم کتاب مرتب ہو سکتی تھی۔ میرا مقصد بھی یہی تھا مگر افسوس کہ [illegible] ہو سکا تو خیر آئیے کہ سب سے پہلے اس قبیلہ کی وجہ تسمیہ معلوم کریں۔

اس قبیلہ کی وجہ تسمیہ میں چند مختلف اقوال بیان کئے جاتے ہیں۔

ان میں سے ایک قول یہ ہے کہ اس قبیلہ کے جد اعلی (بڑے) کا نام مذار تھا اس کی نسبت سے یہ مذاری کہلائے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ ان کے جد اعلی نے شیر کو مارا تھا تو اسے مذار یعنی شیر کہا جانے لگا۔ پھر اس کی نسبت سے اس کی اولاد مذاری کہلائی۔

تیسرا قول جو تاریخ اسلام کا ہے وہ یہ ہے کہ عراق عرب میں ایک مقام مذار (ذال کے ساتھ) تھا۔ خلیفہ اول امیرالمومنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں صحابی رسول فاتح اسلام حضرت خالد بن ولید اپنی فوجیں لیکر مذار پر حملہ آور ہوئے اور اسے فتح کر لیا ہو سکتا ہے کہ یہ وہ مذاری ہوں جو عراق عرب کے اسی مقام مذار کے باشندے ہوں جس کی نسبت سے انہیں مذاری کہا جانے لگا۔

چوتھا قول یہ ہے کہ ضلع جیکب آباد کے علاقے میں ایک بارانی ندی ہے جسے مذار کھور کہتے ہیں وہاں رہنے کی وجہ سے مذاری معروف ہوئے ویسے تو ملک افغانستان میں ایک شہر کا نام مزار شریف (زے کے ساتھ) ہے وہاں کے باشندوں کو بھی مزاری (زے سے) کہتے ہیں اور لکھتے ہیں۔ اس شہر کا نام شاید کسی بزرگ کے مزار ہونے کی وجہ سے مزار شریف پڑ گیا ہے مگر ان مذاریوں کا اس مزار اور ان مزاریوں سے کسی قسم کا تعلق نہیں کیونکہ وہ مزاری پٹھان ہیں اور یہ مذاری بلوچ ہیں باوجود اس کے اگر کوئی شخص لفظی مطابقت کی وجہ سے ان مزاریوں کو اپنا ہم قوم خیال کرے تو یہ اس کی غلط فہمی ہوگی۔

پانچواں قول یہ ہے کہ سیستان (بلوچستان) میں ایک بارانی ندی مذار کھور ہے اس کے علاقے میں بودوباش رکھنے کی وجہ سے یہ لوگ مذاری معروف ہوئے۔

ان تمام اقوال میں سے یہی پانچواں قول صحیح اور درست ہے کیونکہ خود مذاری بھی اس کی تائید کرتے ہیں اور مورخین نے بھی اسی قول کو صحیح مانا ہے۔

یہاں پر ایک غلطی کا ازالہ ضرور سمجھتا ہوں ذرا غور فرماویں جو لوگ مذاری کو حرف زے کے ساتھ مزاری لکھتے ہیں یہ صحیح نہیں ہے۔ اگر مذاریوں کا تعلق افغانستان کے شہر مزار شریف سے ہوتا تو پھر مزاری حرف زے کے ساتھ لکھنا صحیح تھا۔ اب جبکہ ان کا تعلق مذار سے ہے تو مذاری حرف ذال کے ساتھ لکھنا درست ہے کیونکہ عربی فارسی اور اردو کی مذہبی اور تاریخی کتابوں میں مذار اور مذاری حرف ذال کے ساتھ تحریر ہیں۔

علاوہ ازیں اگر دو لفظ ہم آواز ہوں تو ان کے معنے اور مطالب کی طرف غور کرکے لکھنا چاہیے اگر صرف لفظوں کی آواز کو مدنظر رکھا گیا تو یقیناً" غلطی ہوگی دیکھئے بے باق ' بیباک یا نذر اور نظر یا اتوار اور اطوار بظاہر ایک دوسرے کے ہم آواز ہیں مگر

ہم معنی و ہم مطلب نہیں۔ اب اگر بے باق کی جگہ بیباک اور نظر کی جگہ نذر اور
اطوار کی جگہ اتوار لکھ دیا جائے تو صحیح نہ ہوگا۔ اس کے علاوہ نذر کے ساتھ مزار سے
معنے قبر اور مزاری کے معنے قبر والا یا قبر پرست کے ہوتے ہیں۔ حالانکہ نذاریوں کا بھی
جی قبروں سے کسی قسم کا واسطہ نہیں۔

اس وضاحت کے بعد ایک عقلمند اور ذی فہم آدمی ہی سمجھ سکتا ہے کہ لفظ نذاری
صحیح اور مزاری کا لکھنا غیر صحیح ہے۔

جب بلوچ قبائل نے اپنے اصلی ٹھکانوں سے ہجرت کرکے مختلف سمتوں کا رخ کیا
تو نذاری بھی نذار کھور کے علاقے سے بود و باش ترک کرکے کوہ سلیمان میں کوہ کلاتھ کی
پہاڑیوں میں سیاہ آف کے علاقہ میں آکر آباد ہوگئے۔ تیس سالہ رند لاشار جنگ میں
نذاری میر چاکر خان کے طرفدار تھے۔ اور اس جنگ میں انہوں نے کارہائے نمایاں
سرانجام دیئے میر چاکر خان کے پنجاب چلے جانے کے بعد بھی اس کے اتحادی رہے اور
جنگ و امن میں اس کے ساتھ رہے۔

نذاریوں نے کافی زمانہ کوہ کلاتھ میں گذارہ اور پھر یہاں سے منتقل ہوکر پنجاب کے
میدانی علاقوں میں اترے۔ چنانچہ علامہ غلام رسول مہر اپنی معروف کتاب مجاہدین کی
سرگزشت صفحہ ۱۷۳ پر لکھتے ہیں کہ پھر نذاریوں نے غالباً" سترہویں صدی عیسوی کے
اواخر یا اٹھارویں صدی کے اوائل میں اپنے مقام (کوہ کلاتھ) سے ہجرت کی اور نئی
چراگاہوں کی تلاش میں روجھان کی طرف نکل آئے اور اس کے تمام علاقے پر قابض
ہوگئے اور جب ان کو یہاں ترقی ہوئی تو بہت سے بلوچ قبائل کی ٹکڑیاں بلوچستان کے
مختلف مقامات سے ہجرت کرکے روجھان کے علاقے میں وارد ہوئیں اور نذاریوں کے
ساتھ بود و باش رکھنے کے باعث ان میں مدغم ہوکر نذاری معروف ہوگئیں۔

مورخین کے مطابق نذاری مختلف بلوچ قبائل کی ٹکڑیوں کا مجموعہ ہیں سب کا

جدِ اعلیٰ ایک نہیں اصل مذاری پاڑہ سیاہ لاف اور ان کی ایک شاخ بنگیانی ہے۔

مذاری قبیلہ کے چار بڑے پاڑے رستمانی، میستانی، سارنگانی اور آکاہڑی ہیں یعنی اس قبیلہ کو چار بڑے حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ ان تمام پاڑوں کی بے شمار شاخیں اور پھلیاں ہیں۔ جن کو شمار کرنا مشکل ہے۔ اصل پاڑہ (سیاہ لاف) ان چاروں پاڑوں میں گھل مل کر اب صرف ایک شاخ کی حیثیت سے معروف ہے۔

انگریز مورخ مسٹر لونگ ورتھ ڈیمز نے اپنی مشہور کتاب "بلوچ قبائل" میں مذاری قبیلہ کا شجرہ نسب کچھ یوں بیان کیا ہے۔

شجرہ نسب قبیلہ مذاری

میر جلال خان
|
میر رند خان
|
میر رزمان خان
|
نوناصر خان
|
احمد خان
|
گیلو خان
|
قائم خان
|
چھورو خان
|
بھٹڈوار خان
|
بھوزیہاں خان
|
ڈکھل خان

مذار خان	مستی خان
مذاریوں کا جدِ اعلیٰ	مستوئی قبیلہ کا جدِ اعلیٰ

انگریز مورخ کا یہ بیان کردہ شجرہ نسب صحیح نہیں ہے کیونکہ مذار خان جس کو مذاریوں کا مورث اعلیٰ بتایا گیا ہے میرچاکر خان کے بعد چھٹے پشت میں آتا ہے۔ اگر مذاریوں کی تاریخ مذار خان سے متعین کی جائے تو تاریخی اعتبار سے بالکل صحیح نہ ہوگا کہ مذاریوں کی تاریخ اس سے بہت قدیم ہے۔ مذاریوں کا مورث اعلیٰ مذار خان نہیں۔ مذاریوں کا مذار کھور کی طرف منسوب ہونا تاریخی لحاظ سے بالکل صحیح ہے اور مستوئی بھی مذاریوں کے بھائی نہیں کیونکہ تاریخ میں اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔

مذاریوں کا مرکزی مقام روجھان مذاری ہے جو ضلع راجن پور سے جنوب کی طرف چالیس میل کے فاصلہ پر واقع ہے جسے نواب سرامام بخش خان لکھپل حضوری مذاری نے آباد کیا تھا۔

لدّو سخیؒ اور سخی رندانؒ

یہاں پر لدو سخیؒ اور سخی رندانؒ کا تذکرہ ضروری ہے کہ ان کے تذکرہ کے بغیر مذاریوں کا تذکرہ ادھورا معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ ان دونوں بزرگواروں کا تعلق قبیلہ مزاری سے ہے اور پھر یہ دونوں حضرات مزاری قبیلہ کے صاحبِ کرامت پیرو مرشد مانے جاتے ہیں۔ سخی رندانؒ لدّو سخیؒ کا بیٹا ہے۔

ان کے بارے میں بلوچوں میں یہ مقولہ مشہور ہے کہ :

کھٹ زھالدوا واڑتھا رندانا

یعنی کمایا لدو نے اور کھایا رندان نے مطلب یہ کہ بزرگی و ولایت اور کمال تو لدو سخی نے حاصل کیا مگر اس کا فائدہ رندان سخی کو پہنچا۔ کیونکہ لدو سخی کے مقابلہ میں رندان سخی زیادہ مشہور ہے۔ اس کے مزار پر بے انتہا منتیں مانی جاتی ہیں اور چڑھاوے چڑھائے جاتے ہیں۔ لوگ دور دور سے اسکے مزار پر حاضری دیتے ہیں اور اس کی قبر کی خاک کو بھی متبرک سمجھتے ہیں۔

رندان سخی کا مزار روجھان سے تقریباً" تین میل کے فاصلہ پر شمال مغرب کی طرف اور لدو سخی کا مزار رکن اور روجھان کے درمیان واقع ہے لوگ ان کی طرف بڑی بڑی کراماتیں منسوب کرتے ہیں سنا ہے کہ یہ دونوں حد درجہ سخی تھے۔ سخاوت کی وجہ سے ان کو یہ مرتبہ ملا۔ کیونکہ بلوچی معاشرہ میں سخاوت ایک بہت بڑا مقام رکھتی ہے۔ ویسے یہ دونوں حضرات کسی باطنی سلسلہ کے کسی بزرگ کے فیض یافتہ تھے نہ اہل نسبت اور صاحب فیض و معرفت تھے۔ بس اس قدر ہے کہ وہ صرف سخی تھے۔ رندان سخی کو پٹی پہلوان بھی کہتے ہیں۔

کتب تواریخ اور کسی دوسرے ذرائع سے باوجود کوشش بسیار کے ہمیں معلوم نہ ہو سکا کہ یہ دونوں حضرات کب اور کس سن میں ہو گذرے ہیں۔ البتہ قیاس یہ ہے کہ جب قبیلہ مزاری کوہ کلاتھ (کوہ سلیمان) کی پہاڑیوں سے روجھان کی طرف اتر آیا تو یہ دونوں حضرات کافی زمانہ کے بعد یعنی ۱۸۲۲ء کے لگ بھگ ہو گذرے ہیں۔

لدو سخی اور رندان سخی دونوں قبیلہ شہر سے ہیں مؤرخین کے مطابق شہر دراصل بنوہاشم (سید) اور بنو امیہ سے ہیں۔ خلفائے بنی امیہ اور بنی عباس جب ان کے درپے آزار ہوئے تو یہ چھپ کر بلوچستان میں آ گئے اور انہوں نے یہاں پر خود کو کوچ کہلایا۔ اور پھر شہر ہمیری اور توزانی کہلائے۔ اور بلوچوں میں گھل مل کر ان کا ایک قبیلہ بن گئے۔ ویسے یہ بلوچوں کے ہر قبیلہ میں پائے جاتے ہیں۔ بلوچ لوگ انہیں درویش اور فقیر سمجھتے ہیں اور ان کی بیحد عزت کرتے ہیں۔ روجھان کے شہر مزاری کہلاتے ہیں۔

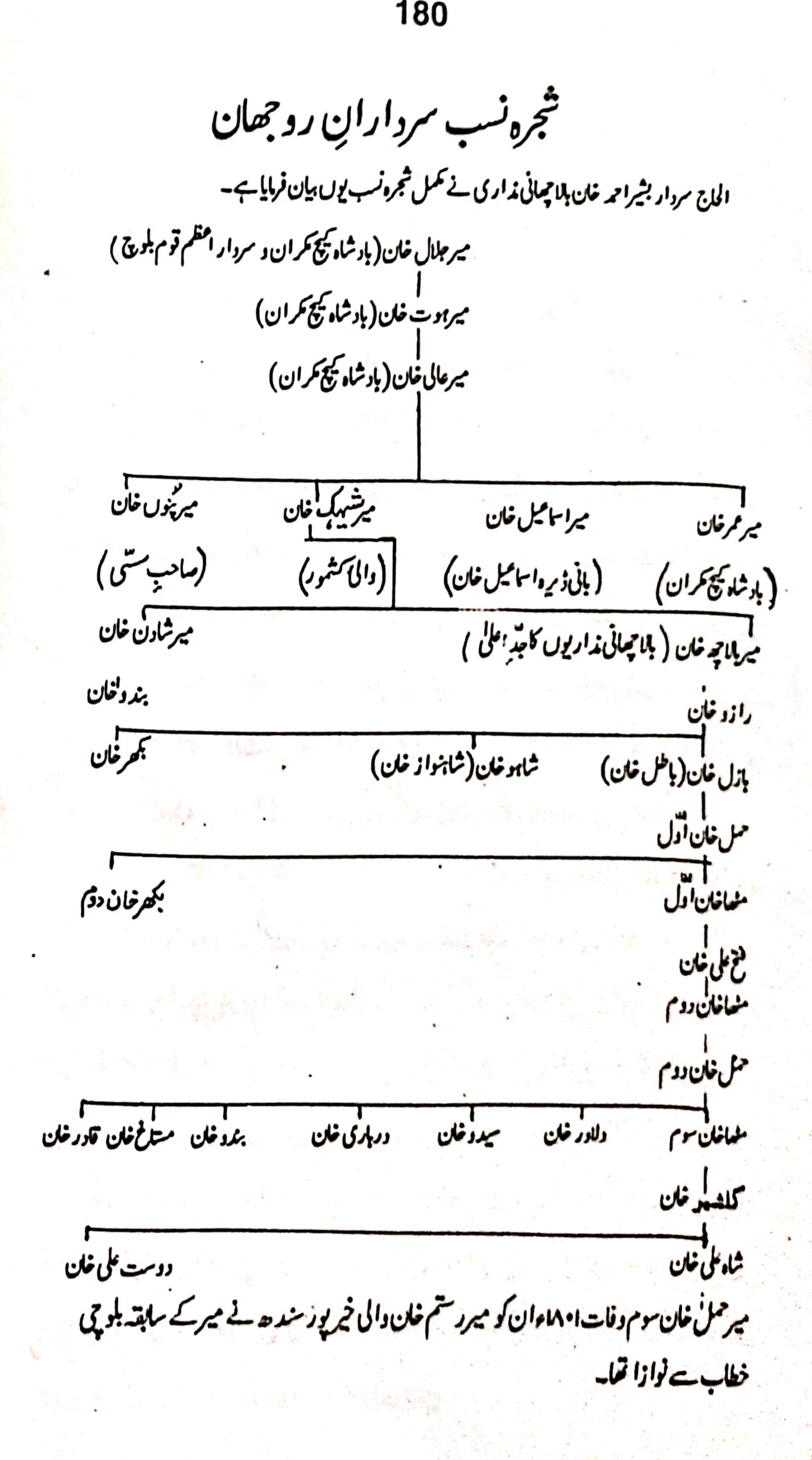
سرداران روجھان

سرداران روجھان تمام مذاری قبیلہ کے سردار اعلیٰ ہیں ان کے بارے میں علامہ نور احمد خان فریدی رند اپنی معروف کتاب "بلوچ قوم اور اس کی تاریخ" صفحہ ۳۷۰ پر لکھتے ہیں کہ یہ حضرات بلوچوں کے معزز ترین قبیلہ ہوت میں سے ہیں جس زمانہ میں کیچ مکران کے بادشاہ میرعالی خان کا فرزند شہزادہ میر اسحاق خان (شیہک خان) حکومت کے معاملہ میں اپنے بھائیوں سے ناراض ہوکر سولھویں صدی عیسوی کے شروعات میں کشمور میں آکر مقیم ہوا تھا تو اس وقت مذاری کوہ ۔ بھمبھر (کوہ کلاتھ) کی پہاڑیوں میں آباد تھے جو کوہ سلیمان کے علاقہ سیاہ آف میں ہیں کاروبار کے سلسلہ میں وہ اکثر کشمور آیا کرتے تھے ان وقتوں میں مذاریوں کا سردار میربازن خان تھا جس کی نرینہ اولاد نہ تھی۔ اور اس کی صرف ایک اکلوتی بیٹی تھی۔ اور وہ خود بوڑھا ہوچکا تھا جب مذاریوں نے اس کے سامنے میر اسحاق خان (شیہک خان) کے کریمانہ اخلاق سخاوت مہرومحبت زندہ دلی اور بہادری کی تعریف کی تو میربازن خان نے شہزادہ میر اسحاق خان (شیہک خان) ہوت کو اپنے ہاں بلا لیا۔ اور اسے مذاریوں کا سردار مقرر کیا اور اپنے ہاتھ سے اس کے سر پر مذاریوں کی سرداری کی پگڑی باندھی اور اپنی اکلوتی بیٹی کا نکاح بھی اس سے کردیا۔

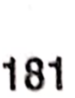
کچھ عرصہ کے بعد مذاریوں کا بوڑھا سردار میربازن خان فوت ہوگیا اور مذاری قبیلہ کی سرداری مکمل طور پر میر اسحاق خان ہوت کو مل گئی۔ میر اسحاق خان کا فرزند میر بالاچھ ہوا۔ اس کی اولاد اس کی نسبت سے بالاچھانی کہلائی اور مذاری قبیلہ کی سرداری اور رشتہ داری کی وجہ سے مذاری معروف ہوئی

شجرہ نسب سردارانِ روجھان

الحاج سردار بشیر احمد خان بالاچھانی مزاری نے مکمل شجرہ نسب یوں بیان فرمایا ہے۔



میر حمل خان سوم وفات ۱۸۰۱ء ان کو میر رستم خان والی خیرپور سندھ نے میر کے سابقہ بلوچی خطاب سے نوازا تھا۔



بقیہ، شجرہ نسب سرداران روجھان

میر جمل خان سوم

میر بہرام خان اول — سردار کرم خان جد اعلیٰ سرداران کوٹ کرم خان

جمل خان — لشکران خان

میر دوست علی خان — نواب سرامام بخش خان — رحیم خان

میر شیر محمد خان

میر دوست محمد خان میر سخی (لاولد) — میر مراد بخش خان

میر بلخ شیر خان — شیر جان خان — شیر باز خان

شیر علی خان — محمد مراد خان — شیر کوہ خان

یہ تینوں نواب اکبر خان بگٹی کی ہمشیرہ محترمہ سے ہیں

شیر اعظم خان — شیر یار خان — شیر افضل خان

یہ تینوں کراچی کی معزز خاندانی خاتون سے ہیں

سلیم جان خان — افضل جان خان — شیہک خان

طارق محمود خان — زاہد محمود خان — ریاض محمود خان

سے تاریخ خاموش ہے اس لئے کہ میر چاکر خان کی وفات کے بعد رند اور ان کے حلیفوں کی جولانیاں ماند پڑ چکی تھیں یہیں وجہ ہم ان کے بارے میں کچھ کہنے سے قاصر ہیں۔ البتہ سردار حمل خان دوم اور اس کے بعد آنے والے مذاری سرداروں کے حالات پر تاریخ کی اچھی خاصی روشنی پڑتی ہے بہرحال سردار حمل خان دوم اپنے والد سردار مٹھا خان دوم کے بعد مذاری قبیلہ کے سردار بنے۔ سردار حمل خان دوم نہایت جری اور حد درجہ بہادر شخص تھے۔ انہوں نے ناہڑ قوم سے جنگیں لڑ کر بھاگسر اور کن فتح کرلئے۔ اور ان علاقوں پر قبضہ کرنے کے بعد روجھان کے علاقہ میں مذاری اسٹیٹ کی بنیاد رکھ دی۔ سردار حمل خان کے بعد اس کا بیٹا سردار مٹھاخان سوم اور اس کے بعد اس کا بیٹا سردار گلشیر خان مذاری قبیلہ کا سردار بنا قلات کے بروہی حکمرانوں نے روجھان کے علاقے پر قبضہ کرنا چاہا مگر سردار گلشیر خان نے اپنی تلوار کی دھار سے انہیں روک کر قلعہ کشمور میں محصور ہونے پر مجبور کردیا۔ سردار گلشیرخان نے کشمور سے بروہیوں کو نکالنے کیلئے ان پر تابڑ توڑ حملے جاری رکھے۔ ہنوز سردار صاحب کشمور کے مقام پر ایک جنگ میں بروہوی افواج سے لڑتا ہوا اپنے ملک کی آزادی پر قربان ہوگیا۔ تو اس کے بعد مذاری قبیلہ نے اس کے بڑے بیٹے سردار شاہ علی خان کو اپنا سرداربنالیا۔ سردار شاہ علی خان نے بھی بروہی حکمرانوں سے جنگیں جاری رکھیں۔ یہاں تک کہ ان کو کشمور سے نکال کر اس پر قبضہ کر لیا۔ کشمور کو فتح کرنے کے بعد سردار شاہ علی خان چانڈکو کی طرف متوجہ ہوا۔ اور بزور شمشیر چانڈیہ بلوچوں کو بھی یہاں سے نکال کر ان کے علاقے پر بھی مکمل طور پر قبضہ کر لیا۔ سردار شاہ علی خان فوت ہوا تو اس کی نرینہ اولاد نہ تھی اس کے بعد مذاری قبیلہ نے اس کے بھائی سردار دوست علی خان اول کو اپنا سردار چن لیا۔ سردار دوست علی خان شجاعت اور بہادری میں اپنے بزرگوں کی طرح یکتائے روزگار تھا نواب بہاولپور نے اس کے علاقے پر قبضہ کرنے کی

سرداران روجھان (مذاری سرداروں) کو جو ہر لحاظ سے بلوچ قوم پر فوقیت حاصل ہے اور رہی ہے وہ اس لئے کہ یہ میر جلال خان کے بیٹے میر ہوت خان کی اولاد سے قبیلہ ہوت کے چشم و چراغ ہیں۔

لفظ ہوت ایک بلند مرتبت لفظ ہے اور بطور ضرب المثل بھی مستعمل ہے کہ فلاں آدمی ہوت ہے ہوت شریف الطبع ' سلیم المزاج ' باوقار ' حلیم و بردبار ' صاحب جودو سخا اور ہمہ صفت انسان کیلئے بولا جاتا ہے اس لئے کوٹ مٹھن شریف کے سجادہ نشین صاحب نے اپنے ایک صاحبزادے کا نام ہوت محمد رکھا ہے۔

بلوچ قوم کے سردار اعلیٰ اور شاہی خاندان کے معزز ترین قبیلہ ہوت کے چشم و چراغ سرداران روجھان (تمندران قبیلہ مذاری) سب کے سب بیحد نامور ہوگذرے ہیں تیس سالہ رند لاشار جنگ کے زمانہ میں بہادر مذاریوں کا سردار میر رازو خان بن میر بلاچھ خان تھا۔ اس نے اپنے مذاری قبیلہ کے ساتھ بڑھ چڑھ کر اس جنگ میں میر چاکر خان کا ساتھ دیا۔ اور دشمن پر اپنی شجاعت و بہادری کا سکہ بٹھا دیا تھا اس کے بعد اس کے بہادر بیٹے میر بازل خان (باطل خان) اور میر شاہو خان (شاہنواز خان) میر چاکر خان سے مل کر دامانی جنگوں اور دوسری جنگوں میں اپنے بہادر مذاریوں کے لشکر کے ساتھ اہم کردار ادا کرتے رہے۔ جن کا بیان پچھلے صفحات میں گذر چکا ہے۔ وہ ہر مقام پر میر چاکر خان کے ساتھ رہے۔ انہوں نے ہر میدان میں اپنی شجاعت اور بہادری کے جوہر دکھائے تھے دامانی جنگوں میں فتح کا سہرا ہمیشہ میر بازل خان (باطل خان) اور میر شاہو خان (شاہنوازخان) کے سر رہا۔ اور ان جنگوں میں میر چاکر خان کی فتح ان کی شجاعت اور بہادری کی مرہون منت تھی۔ میر بازل خان کے فرزند سردار حمل خان اول سے لیکر سردار مٹھا خان دوم تک یعنی پورے چار پشتوں تک ان کے حالات بیان کرنے

کہ میر بہرام خان دبلا پتلا اور درمیانہ قد کاٹھ کا تھا۔ دیکھنے میں ایسا معلوم ہو تا جیسے کوئی شخص گہرے خیالات (سوچوں) میں ڈوبا ہوا ہو۔ وہ نہایت شریف اور ہمہ صفت موصوف انسان تھا۔ وہ اردگرد کے بلوچوں میں دانش مندی اور فہم و فراست میں مشہور تھا وہ سادہ لباس پہنتا تھا اور سادگی کو بہت پسند کرتا تھا۔ کہتے ہیں کہ اس کے پاس بے انتہا دولت بھی تھی۔

میر بہرام خان اول نے ۱۸۵۷ء میں وفات پائی تو اس کے بعد اس کا بڑا بیٹا میر دوست علی خان دوم قبیلہ مزاری کا سردار بنا۔ اس کے دور میں علاقہ روجھان انگریزی حکومت کی عملداری میں آیا۔

انگریزی دور حکومت میں سرداران روجھان کو بیحد ترقی ہوئی سردار امام بخش خان کو حکومت برطانیہ کی طرف سے ۱۸۷۶ء میں ان کی خداداد صلاحیتوں کی بناء پر نواب اور سر کا خطاب ملا اور اس نے بڑا نام پایا۔ نواب سردار امام بخش خان نے ۱۹۰۲ء میں انتقال کیا۔ تو اس کے بعد اس کے فرزند ارجمند سردار بہرام خان دوم کو نواب کا خطاب دیا گیا۔ نواب سر بہرام خان دوم نے ملک میں سب سے زیادہ شہرت پائی نواب صاحب حد درجہ عقیل و ذہین دور اندیش مدبر عادل اور فہم و فراست میں اپنی مثال آپ تھے۔ مزاری قبیلہ آج تک ان کو اپنا ہیرو مانتا ہے ان کے رعب و دبدبہ کا یہ عالم تھا کہ ان کا نام سنتے ہیں بڑے بڑوں پر کپکپی طاری ہو جاتی تھی۔ ان کی طاقت و جرات کا یہ حال تھا کہ وہ اپنے علاقے کے علاوہ سندھ پنجاب اور بلوچستان کے علاقوں سے بھی مجرم کو گرفتار کرا سکتے تھے۔ نواب سر بہرام خان کا اپنا جیل خانہ تھا روجھان میں ان کے بنگلہ کے جنوب میں یہ وسیع و عریض جیل خانہ شکستہ حالت میں اب بھی موجود ہے نواب صاحب مظلوم کی داد رسی کیلئے بڑے سے بڑے آدمی کے ساتھ بھی ٹکرا جایا کرتے تھے اور مظلوم کی داد رسی کرکے دم لیتے تھے ان کے عدل و انصاف، عقل و بصیرت اور

بڑی کوشش کی مگر اس کی ہر کوشش کو سردار دوست علی خان نے اپنی تلوار کے زور سے نہ صرف ناکام بنا دیا بلکہ اس کے علاقہ کے ایک بہت بڑے قطعے پر بھی قبضہ کرلیا۔ آخرکار نواب بہاولپور نے انتقامی کارروائی کے طور پر ایک سازش کے تحت اپنے ایک عہدیدار فضل علی خان کے ہاتھوں اسے شہید کرا دیا۔ سردار دوست علی خان کے بعد اس کا ناموربیٹا میر حمل خان سوم مزاری قبیلہ کا سردار منتخب ہوا۔ میر حمل خان کا دور زیادہ تر پرامن رہا۔ میر حمل خان نے اپنے علاقے کو بیرونی حملہ آوروں سے محفوظ رکھنے کیلئے میرفتح علی خان ٹالپر والئی خیرپور میرس (سندھ) سے ایک فوجی معاہدہ کرکے رضاکارانہ طور پر علاقہ روجھان سندھ میں شامل کرکے ٹالپروں کی عملداری میں دیدیا۔ اس کے بعد ٹالپر حکمرانوں نے مکمل طور پر روجھان پر مزاری سرداروں کا حقِ نیابت سے نہ تسلیم کرلیا۔ پھر یہ معاہدہ فارسی زبان میں تانبے کی تختی پر کندہ کراکر سردار حمل خان کو دیدیا گیا۔ جو آج تک سرداران روجھان کے پاس محفوظ ہے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ میرفتح علی خان نے میر حمل خان کو میر کے قدیمی بلوچی خطاب سے بھی سرفراز کیا۔ میر حمل خان نے ۱۸۰۱ء میں وفات پائی تو اس کے بعد اسکا فرزند ارجمند میر بہرام خان اول مزاری قبیلہ کا سردار منتخب ہوا۔ اس وقت اس کی عمر تقریباً" آٹھ نو سال کی ہوگی۔ میر بہرام خان کا دور نہایت پرآشوب گذرا۔ اس نے کئی سالوں تک خود سکھوں سے جنگیں کیں اور پھر حضرت سید احمد شہید بریلوی رحمتہ اللہ علیہ کے مجاہدین سے مل کر کافی عرصہ تک سکھوں سے جہاد کیا۔ اور قبائلی جنگوں میں بھی ہروقت ان کی تلوار نیام سے باہر رہی۔ اس نے نواب بہاولپور کے علاقے بنگلہ اچھا اور ماچھیوں کے علاقہ ماچھکا پر بھی بڑھ کر قبضہ کرلیا اور اردگرد سے اپنے علاقے کو وسعت دیکر مکمل طور پر اپنا اسٹیٹ قائم کرلیا۔

میر بہرام خان نے بیحد شہرت پائی اس کے بارے میں علامہ غلام رسول مہر لکھتے ہیں

اخراجات کے مطابق روزینہ مقرر تھا یہ لوگ فصلوں کی چنائی کے موقعہ پر غلہ کی صورت میں اپنا روزینہ وصول کر لیتے تھے۔

اس کے علاوہ میرصاحب کا لنگر ہمیشہ جاری رہتا تھا باہر کے مہمانوں کے علاوہ روجھان شہر اور قرب و جوار کے غریب لوگ بھی کھانا آکر کھایا کرتے تھے روجھان اور اس کے اردگرد کی آبادی آبکھڑی کہلاتی تھی آبکھڑی بلوچی میں بال بچوں کو کہتے ہیں گویا یہ لوگ میرصاحب کے بال بچوں کی طرح تھے یہ لوگ نہ صرف لنگر سے خود کھانا کھاتے بلکہ صبح و شام مستقل طور پر گھروالوں کیلئے بھی افراد کے حساب سے لے جاتے تھے ان کیلئے چاول کی علیحدہ دیگیں پکتی تھیں یہ لوگ اب تک آبکھڑی مشہور ہیں۔

اس قسم کا لنگر تو سرداران روجھان کا پہلے ہی سے قائم تھا مگر میر بخی نے اس کی اچھی طرح تکمیل کردی اور یہ لنگر میر شیرخان اور میر شہباز خان کے دور ۱۸۸۸ء کے بعد تک جاری رہا۔ یہاں تک کہ آبکھڑی خود کفیل ہو گئے۔

میر بخی لوگوں کو کھانا کھلانے کے علاوہ سائلوں کو غلہ 'نقدی 'گھوڑے 'گھوڑیاں' اونٹ 'اونٹنیاں اور دیگر مویشی بھی بخش دیا کرتے تھے۔

ایک دن کا واقعہ ہے کہ میر بخی بہترین لباس پہنے اچھی گھوڑی پر سوار جس پر سیم سے آراستہ زین پڑی تھی کہیں جارہے تھے روجھان شہر سے باہر نکلے ہی تھے کہ ایک سائل نے سامنے آکر سوال کیا کہ میرصاحب اللہ تعالیٰ کے نام پر اس وقت جو کچھ آپ کے پاس موجود ہے مجھے عطا فرمایئے یہ سن کر میرصاحب فوراً گھوڑی سے نیچے اتر پڑے اور اپنے ایک مصاحب سے چادر لیکر کمر میں باندھی گھوڑی مع ساز اور تمام کپڑے جوتی سمیت سائل کو دے دیئے۔ لوگوں نے یہ نظارہ اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ یہ مرد بخی صرف ایک چادر باندھے ننگے بدن اور ننگے پاؤں اپنے محل میں واپس آئے۔

اسی طرح ایک بار ایک سائل نے میر بخی سے ایک سو روپے کا سوال کیا تو میر بخی

فہم و فراست کے قصے آج بھی زبان زد خاص و عام ہیں۔ اور آج تک نوشیرواں عادل کی طرح ان کا نام بطور ضرب المثل مستعمل ہے۔ بلوچ لوگ عدل و انصاف پر مبنی فیصلوں کو بمرانی فیصلے کہتے ہیں اور وہ آج بھی لوگوں کے دلوں میں زندہ ہیں۔

مزاری قبیلہ کے جلیل جلیل عظیم ہیرو باعث فخرو مباہات عدل و انصاف کے پیکر اور مقتدر سردار نواب سر بہرام خان دوم نے ۱۹۲۳ء میں اس جہاں فانی سے کوچ کیا۔

ادھر سے میر دوست علی خان دوم مزاری قبیلہ کا سربراہ اور سردار اعلیٰ رہا۔ اس کے بعد اس کا ہونہار فرزند میر شیر محمد خان مزاری قبیلہ کا سردار بنا اور اس کے بعد اس کا بڑا فرزند حاتم وقت میر دوست محمد خان کو سردار اعلیٰ منتخب کیا گیا۔

میر دوست محمد خان عوام میں میر سخی کے عرف سے معروف تھے میر سخی اپنے دور کے بہت بڑے سخی اور درویش منش انسان تھے فخروغرور اور عداوت و نفرت کا مادہ ان کی طبیعت میں بالکل نہ تھا وہ ہر شخص کے ساتھ محبت و شفقت سے پیش آتے تھے اگرچہ وہ مزاری قبیلہ کے سردار اعلیٰ تمندار اور حکومت انگلشیہ کی طرف سے علاقہ روجھان کے مجسٹریٹ بھی تھے مگر انہوں نے کسی وقت اور کسی حال میں طاقت استعمال نہیں کی۔

پاکستان کے نام کے خالق چودھری رحمت علی میر صاحب کے جنرل سیکرٹری تھے اور میر صاحب ان کو لاہور سے روجھان لے آئے تھے۔ اور ان کو ایک علیحدہ بنگلہ بنوا دیا تھا جو آج بھی موجود ہے۔ چودھری صاحب جب مزید تعلیم حاصل کرنے کیلئے انگلستان گئے تو ان کے تمام اخراجات میر صاحب نے برداشت کئے۔

میر سخی نے اپنی تمام جاگیر کی آمدنی غریبوں' فقیروں' سائلوں اور لنگرخانہ کیلئے عملاً وقف کر دی تھی۔

اسی طرح اپنے علاقہ کے تمام متوسط حیثیت کے مالک سفید پوش لوگوں کا گھریلو



کے برگزیدہ بندے ہیں۔ ویسے بھی حدیث شریف کی رو سے سخی کی ولایت اور بزرگی میں کسی قسم کا شک نہیں۔

کیجئے غور تو سخاوت بھی پیغمبر ہے امیر
کر کریموں کو خدا سے ملا دیتی ہے

اس قسم کے بیشمار واقعات ہیں جو بیان کئے جاسکتے ہیں مگر اس کتاب میں گنجائش نہ ہونے کے سبب اس پر اکتفا کرتا ہوں نذاری قبیلہ کے سردار اور وقت کے یہ حاتم طائی ایک معمولی سی بیماری سے ۱۹۴۳ء میں اس جہاں فانی سے کوچ کر گئے۔

خدا ان کی لحد پر شبنم افشانی کرے

میر سخی کو روجھان کے قریب ہندیروں (سرداران روجھان کے مقبرہ) میں دفن کرکے ان کی قبر پر عالیشان ہندیرہ (مقبرہ) تعمیر کیا گیا۔ ان کا مزار مرجع خاص و عام ہے۔ لوگ وہاں جاکر مرادیں مانگتے ہیں اور چڑھاوے چڑھاتے ہیں اور ان کے مزار پر حاضری کو باعث برکت سمجھتے ہیں۔

سعادت سیادت عبادت سخاوت
ولایت کرامت شہادت سخاوت

میردوست محمد خان میرسخی کی نرینہ اولاد نہ تھی ان کے بعد ان کے برادر محترم میر مراد بخش خان ان کے جانشین بنے میر مراد بخش خان کی سرداری اور تمنداری کا زمانہ بالکل مختصر ہے۔ میردوست محمد خان کے بعد صرف نو ماہ زندہ رہے میر مراد بخش خان نہایت زندہ دل، سلیم الطبع، کم گو، اور بے ضرر انسان تھے۔ انہوں نے اپنی زندگی میں کسی شخص کو کبھی کسی قسم کی تکلیف نہیں پہنچائی۔ وہ ہر آدمی کے ساتھ مہرومحبت اور اخلاق و مروت سے پیش آیا کرتے تھے۔ خاص کر روجھان شہر کے غریب طبقہ کے ساتھ ان کی مخلصانہ ہمدردیاں تھیں۔

نے اپنے منشی سے اپنے مودی (ساہوکار) کے نام رقعہ لکھوا دیا جب سائل نے رقعہ جاکر ساہوکار کو دیا تو وہ اسے صرف دس روپے دینے لگا۔ سائل نے سو روپے کا مطالبہ کیا تو ساہوکار نے کہاکہ رقعہ صرف دس روپے کا ہے۔ دراصل ایک عام بھکاری کو منشی نے سو روپے دینا مناسب نہ سمجھا ان وقتوں میں سو روپے ایک بہت بڑی رقم تھی۔ ویسے بھی منشی کا معمول تھا کہ میر صاحب سو روپے کے رقعہ کا فرماتے تو وہ میرصاحب کے فائدہ کے پیش نظر دس پانچ کا رقعہ لکھ دیتا۔ سائل نے دس روپے نہیں لئے اور رقعہ لیکر واپس میرصاحب کے پاس آیا اور انہیں تمام حقیقت سے آگاہ کیا میرجی نے منشی کو حکم دیا کہ آپ نے بالکل غلط کام کیا ہے اب فورا" اسے ایک ہزار روپے کا رقعہ لکھ دو۔ یہ سن کر سائل نے عرض کی کہ نہیں میرصاحب مجھے صرف ایک سو روپیہ چاہئیں سائل ایک سو روپے کا رقعہ لیکر چلاگیا۔ میرصاحب نے فرمایا کہ اگر اس دفعہ اس سائل کو ایک سو روپے نہیں ملے تو اپنی تمام جائیداد اس کو بخش دوں گا۔

ایک مرتبہ میرصاحب غسل کرنے کی غرض سے کپڑے اتار کر اور کمر میں کپڑا باندھ کر غسل خانہ میں گئے تو ان کے ایک عزیز نے بطور آزمائش جیب سے تمام رقم نکال لی اور ایک فقیر سے کہاکہ جب میرصاحب غسل خانہ سے باہر آکر کپڑے پہن لیں تو روپے پیسے کا سوال کرنا۔ جب میرصاحب نے غسل سے فارغ ہوکر کپڑے پہنے تو فقیر نے سوال کیاکہ میرصاحب اللہ کے نام پر آج کچھ روپیہ دلائیے میرصاحب نے اپنے جیب میں ہاتھ ڈالا تو اس میں کچھ نہ پایا۔ پھر دوبارہ جیب ٹٹولا مگر جیب خالی تھی خاموش ہوگئے دوسری دفعہ سائل نے سوال کیا تو میرصاحب نے تیوری بدل کر کہاکہ اچھا وہ جان گیاکہ میری آزمائش ہو رہی ہے اور پھر جیب میں ہاتھ ڈال کر سائل کو دس بیس روپے دے دیئے۔ یہ منظردیکھ کر ہر شخص نے تسلیم کیاکہ بلاشبہ میرصاحب اللہ تعالی

مردان خدا کی حق گوئی و بے باکی
اللہ کے شیروں کو نہیں آتی روباہی

ان تینوں بھائیوں کے فرزندان گرامی بھی بفضلہ تعالیٰ بہمہ صفت موصوف اور ہر لحاظ سے قابل ترین انسان ہیں۔

بہرحال سردار میر بلخ شیر خان اور دوسرے نامور مزاری سرداروں کا اس وقت پاکستان میں بہت بول بالا ہے۔ اور ان کا ستارہ اقبال بہت عروج پر ہے۔

اس کے علاوہ سرداران روجھان کے طوفانی ادوار کے چھٹے دور میں ان کی قسمت کا ستارہ نہایت بلندیوں پر چمکا۔ انگریزی عہد حکومت میں نواب سر امام بخش خان (جو لکھ پال (حد درجہ سخی) اور حضوری کے القاب سے معروف تھے) کو بڑے بڑے اختیارات دیئے گئے تھے۔

ان کے ساتویں دور میں میر دوست محمد خان میرانی اور میر مراد بخش خان قومی سربراہ ہونے کے علاوہ تحصیل روجھان کے بااختیار حاکم بھی تھے وہ قانونی مجرموں کو سزائیں دینے کے بھی مجاز تھے ان کے علاوہ نواب بہرام خان دوم اور سردار رحیم خان دوم مجرموں کو سزائے موت تک دے سکتے تھے۔ سردار غوث بخش خان اور سردار ٹلو خان کو مجسٹریٹی کے وسیع اختیارات تھے۔ سردار ولی محمد خان ٹریفک سپرنٹنڈنٹ ریلوے تھے اسٹیشن ولی مزاری ان کے نام پر ہے۔ سردار تاج محمد خان اور سردار اعظم خان بھی اس دور کے سربرآوردہ شخصیات میں شامل ہیں۔

ان کے آٹھویں دور کے سربرآوردہ شخصیات میں سے سردار نجم الدین خان تحصیل کشمور کے بااختیار حاکم اعلیٰ تھے اور ان کے بھائی سردار جلال الدین خان لیاڑو (سندھ) کے حاکم اعلیٰ بنائے گئے تھے مگر سردار صاحب نے اپنی آزادانہ طبیعت کی بناء پر اس میں کسی قسم کی دلچسپی نہیں لی۔

ان کے علاوہ الحاج سردار غلام سرور خان، الحاج سردار بشیر احمد خان، الحاج سردار

خدا بخشے بہت سی خوبیاں تھیں مرنے والے میں

میر مراد بخش خان جب فوت ہوئے تو ان کے تینوں بیٹے۔ میر بلخ شیر خان ' سردار شیر جان خان 'سردار شیرباز خان بالکل کمسن تھے۔ کم عمری میں ان کے بڑے بیٹے میر بلخ شیر خان کو مذاری قبیلہ کا سردار منتخب کیاگیا۔ اس کے بعد تینوں بھائیوں کو حکومت انگلشیہ نے اپنی نگرانی میں رکھا اور انہیں ملکی درسگاہوں میں تعلیم دلائی اور اس کے بعد میر بلخ شیرخان اور سردار شیرباز خان کو ولایت بھیج دیا اور ان کی جاگیریں اپنی تحویل میں رکھیں۔ اور جاگیروں کے انتظام کیلئے ایک حاکم مقرر کردیا۔ اس سے جو آمدنی ہوتی تھی اس سے تمام اخراجات منہا کرکے بقایا کو حکومت اپنے پاس جمع کرتی رہتی تھی جب یہ تینوں بھائی جوان ہوگئے تو تمام جاگیریں اور تمام جمع شدہ سرمایہ جن میں کئی من سونا بھی تھا ان کے حوالے کر دیا۔ مذاری قبیلہ کے سربراہ میر بلخ شیرخان بہت بڑے مدبر سیاستدان نہایت شریف اور ہمہ صفت موصوف انسان ہیں۔ ۱۹۹۳ء میں کچھ عرصہ کیلئے پاکستان کے نگران وزیراعظم بھی رہ چکے ہیں اس وقت قومی اسمبلی کے ممبر ہیں۔ پاکستان بھر میں بیحد اثرورسوخ رکھتے ہیں۔ میر صاحب کے منجھلے بھائی سردار شیر جان خان قومی سردار ہونے کے علاوہ پولیٹیکل ایجنسی میں ایک بہت بڑے سرکاری عہدے پر فائز تھے اور سردار صاحب حد درجہ قابل ترین انسان تھے۔

میر بلخ شیر خان کے برادر خورد سردار شیرباز خان ہمہ صفت موصوف ہونے کے ساتھ ساتھ حد درجہ مدبر سیاست دان اور جماعت پی ڈی پی یعنی پاکستان ڈیموکریٹ پارٹی کے بانی اور سربراہ ہیں۔ انہوں نے ہر زمانہ میں جابر و قاہر حکمرانوں کے خلاف آواز حق بلند کئے رکھا۔ ان کو اس راہ میں بے انتہا صعوبتوں کا سامنا کرنا پڑا اور بہت سی دفعہ ان کو جیل میں بھی جانا پڑا مگر وہ نہ تو کسی کے آگے جھکے اور نہ بکے۔

گھوڑیاں کہتے تھے) کا دیکھ بھال کرنا بھی اس کے ذمہ ہوتا تھا۔

سردار صاحبان کا اپنے علاقوں پر بیحد رعب و دبدبہ تھا جب کسی موضع کے ڈیرے پر کوئی سردار صاحب تشریف لاتا تو عوام اس کا استقبال نہایت گرمجوشی سے کرتے اور بیس بیس سوار اس کے ہم رکاب ہوتے اس کے مصاحب بھی بحیثیت وزیر و مشیر اس کے ہمراہ ہوتے تھے۔

ان کے کاردار تھانیدار کے برابر جمعدار اور میردھا نائب تھانیدار اور کراوہ پولیس مین کے برابر رعب رکھتا تھا۔

منشی ' جمعدار ' میردھا کراوہ اور پنجالی کو جنس کی صورت میں فصل کی بٹائی کے موقعہ پر یکجا تنخواہ دی جاتی تھی جسے برات کہتے تھے اچھی کارگذاری دکھانے والے منشی ' جمعدار ' میردھا اور کراوہ کو سب سے زیادہ برات ملتی تھی ان سے اوپر کے ملازمین کی نقد تنخواہ مقرر تھی۔

سردار صاحبان کی تمام زمینیں مزارعین کاشت کیا کرتے تھے اور ان سے صرف ایک تہائی بٹائی لی جاتی تھی کہیں کہیں ایک قطعہ اراضی سیری (خودکاشتہ) بھی کر لیا کرتے تھے ان کی اکثروبیشتر اراضیات سیلابی تھیں اور کچھ بارانی بھی تھیں بعض مقامات پر سال میں دو فصلیں اگائی جاتی تھیں فصل ربیع دریائی علاقوں میں نہایت زوروشور سے ہوتی تھی جس میں گندم ' جو دیسی مٹر ' مسور ' چنا ' تارا میرا ' سرسوں اور آہر (رائی) ہوا کرتے تھے۔

فصل خریف میں جوار ' باجرہ ' سمکا ' ساوک ' چیڑاں (چینا) گنگری ' ماش ' مونگ ' موٹھ اور تل ہوتے تھے۔ جوار اور باجرہ بارانی علاقوں میں ہوتے تھے۔

چاول کی فصل عمرکوٹ وغیرہ کے علاقوں میں بڑے پیمانے پر ہوا کرتی تھی یہاں کے چاول جوار کے چھوٹے دانے جیسے اور بالکل لال ہوتے تھے اگرچہ بظاہر معمولی نظر

فیض احمد خان ' سردار محمد حسین خان اور سردار عزیز احمد خان بھی قابل ذکر ہیں۔

سردار خاندان کے نویں دور کے سربر آوردہ حضرات کا آنے والی تاریخ خود انتخاب کریگی ہم ان کے انتخاب سے قاصر ہیں کیونکہ اب تک ان کے آٹھویں دور کے کچھ سربر آوردہ شخصیات موجود ہیں لہٰذا ان کی موجودگی میں ہم سردار خاندان کے نویں دور کے سربر آوردہ حضرات کا کچھ پیشگی فیصلہ نہیں کرسکتے۔

سرداران روجھان کا نظام جاگیرداری ایک شاہانہ نظام کی مانند تھا۔ نواب بہرام خان ے بعد اگرچہ ان ی مشترکہ جاگیریں وراثت کے حساب سے منقسم ہوچکی تھیں۔ تاہم قدیمی نظام جاگیرداری کو ہر فریق نے اپنی اپنی جگہ قائم رکھا۔

ہر فریق کی جاگیر کے نظام کو ایک جنرل منیجر کنٹرول کرتا تھا اور اس کے نچلے درجہ کا افسر منیجر اور منیجر کے بعد نائب منیجر ہوتا تھا ان کا ہیڈ آفس روجھان میں ہوتا تھا جسے محسبی کہتے تھے۔ یہاں پر ان کا پورا عملہ اپنے افسران کی ماتحتی میں کام کرتا تھا اور تمام علاقوں کا حساب کتاب محسبی میں ہوتا تھا اس کے علاوہ ہر موضع کا ایک کاردار جو تمام موضع کا بااختیار افسر شمار ہوتا تھا ایک منشی جو موضع سے آنے والی آمدنی خرچ ' (ملازمین) کی حاضری ' فصل اجاڑنے اور نقصان کرنے والے پر عائد کردہ جرمانے لکھا کرتا تھا اور پھر ہر موضع میں ایک جمعدار ایک میردھا اور ان کے تحت ایک دستہ کراوے (چوکیدار) ہوا کرتے تھے ہر موضع میں ان کا ایک ہیڈکوارٹر ہوا کرتا تھا جسے سرکاری ڈیرہ کہا کرتے تھے سارا دن فصل کی نگہبانی کرنے کے بعد تمام (ملازمین) شام کو یہاں آکر حاضری دیتے تھے اس ڈیرہ پر ایک پنجالی بمعہ اہل و عیال نوکر رکھا جاتا تھا جو سرکاری ڈیرے کا انتظام سنبھالے رکھتا تھا۔

سردار صاحبان کی آمد پر ان کے خوردونوش کا تیار کرنا نیز کاردار جمعدار اور کراووں (چوکیداروں) کو کھانا تیار کرکے دینا اور سردار صاحبان کی گھوڑیوں (جنہیں سرکاری



ایک عجیب سماں پیدا کرتی تھیں بیلوں سے گہائی نہایت مشکل کام تھا۔ بسا اوقات سخت گرمی کے باعث بیل اور گہ گاہنے والے آدمی بیمار ہو پڑتے تھے بڑے بڑے کھلیانوں کی گہائی ماہ ڈیڑھ ماہ تک ہوتی رہتی تھی شام کو جب گہائی ختم ہوتی تو ایک کراوہ لکڑی کا ایک گول ٹھپہ (مہر) جس میں ہتھی لگی ہوئی ہوتی تھی اور اس پر مخفف لفظوں میں سردار صاحب کا نام کندہ ہوتا نہایت فخروغرور سے ہاتھ میں لئے خراماں خراماں چلتے ہوئے ڈیرے کے اندر داخل ہوتا۔ راکھا اپنی جھولی میں نمدار ریت گہی ہوئی فصل پر اندازے کے مطابق تھوڑے تھوڑے سے فاصلہ پر رکھتا جاتا اور کراوہ نہایت شان سے اس پر ٹھپہ لگاتا جاتا تھا گویا اب یہ گہی ہوئی فصل سیل مہر ہو چکی ہے۔ اس طرح یہ عمل ڈیرے کی بٹائی تک جاری رہتا۔ ویسے اس قسم کا ایک ایک ٹھپہ دن کو ہر کراوے کی پاس رہتا۔ اور شام کو تمام کراوے اپنے اپنے ٹھپوں کو موضع کے بڑے ڈیرے پر منشی کے پاس جمع کرا دیتے اور وہ انہیں ایک صندوق میں باحفاظت رکھ کر ایک مضبوط تالا لگا دیتا تھا۔ اور پھر صبح کو انہیں کراؤں کے حوالے کر دیتا تھا۔ ٹھپے کا ہر کراوے کے پاس ہونا گویا اس کی حاکیت کی سند تھی کراوہ اس کو گردن میں لٹکائے یا ہاتھ میں تھامے نہایت بانکپن سے لئے پھرتا تھا۔

جب ڈیرے کی گہائی مکمل ہو جاتی تو چھاجی (اجناس کو صاف کرنے والے مزدور) بلائے جاتے اور وہ اپنے بڑے بڑے چھاجوں سے مختلف اجناس لو ہوا میں صاف کرتے ان کی مزدوری اس جنس سے دی جاتی جسے وہ صاف کرتے تھے اسی طرح جب موضع کے تمام ڈیروں کی اجناس صاف ہو جاتیں تو کاردار صاحب بھوسہ وغیرہ اٹھانے کا حکم دیتا۔ جب ڈیرہ میں صرف اجناس رہ جاتیں تو کاروار صاحب کے حکم پر ہر ہر جنس کوماپ کرتین برابر برابر ڈھیریاں بنا دی جاتیں۔ اور اس میں سے کچھ جنس مشترکہ طور پر رکھ دیا جاتا جسے وچ خرچ کہا کرتے تھے اس سے مشترکہ طور پر خرچ ہونے والے اخراجات

آتے مگر پکنے پر باسمتی کی طرح نہایت لذیذ ہوا کرتے تھے۔

ہر ہر فصل کو موسم کے مطابق جب مزارعین کاشت کرتے تو کراوے (چوکیدار) اس کی حفاظت پر مستعد ہو جاتے تھے۔ اور اس کے پکنے تک خوب حفاظت ہوتی کیا مجال کہ ایک بالی بھی اس کی ضائع ہونے پائے۔ اگر کسی کا جانور فصل میں گھس کر نقصان کرتا تو اس سے جرمانہ لیتے جسے مقامی زبان میں پھروہی کہا جاتا تھا۔

فصل کے تیار ہو جانے کے بعد سرکاری عملہ (سرداروں کے ملازمین) کی نگرانی میں اس کی کٹائی شروع ہو جاتی تھی۔

اور مزارعین کٹی ہوئی فصل کو اٹھا کر ایک میدان میں الگ الگ ڈھیر لگاتے۔ اس قسم کے میدان کو مقامی اصطلاح میں ڈیرہ کہتے ہیں اور پھر اس ڈیرہ کے گرداگرد تمام مزارعین جن کا تعلق اس ڈیرہ سے ہوتا۔ لاکڑ (لئی کے درخت کی پتلی لکڑیاں جنہیں لاکڑ کہتے تھے) لا کر باڑ بنا دیتے۔ تاکہ کوئی جانور گھس کر نقصان نہ کرے۔ اس قسم کے ڈیرے کئی ایکڑوں پر پھیلے ہوئے ہوتے تھے۔ ڈیرہ (کھلیان) کی رکھوالی کیلئے ایک راکھا بھی بٹھایا جاتا۔ اس کا کام ڈیرے کی رکھوالی (حفاظت) کے علاوہ کھلیانوں کی گہائی کرنے والوں کو پانی پلانا بھی ہوتا تھا۔ اس کو اس کام کی اجرت جنس کی صورت میں فصل کی بٹائی پر دی جاتی تھی گہائی بیلوں سے کی جاتی تھی۔ ان وقتوں میں تھریشر وغیرہ نہیں تھے اور نہ اس علاقے میں فرشہ کا رواج تھا گہائی کا طریقہ یہ تھا کہ سات سات یا آٹھ آٹھ بیل یا اس سے کم بیلوں کو ایک دوسرے کے پہلو بہ پہلو ان کی گردنوں میں مضبوط رسے ڈال کر ایک دوسرے کے ساتھ باندھ دیا جاتا تھا اور پھر قدرے موٹی لکڑی زمین میں گاڑ کر رسہ کے سرے کو اس سے اٹکا دیا جاتا تھا۔ اور بیلوں کے پیروں کے تلے فصل کی بالیاں ڈالی جاتی تھیں اور پھر ان پر بیلوں کو ہانکا جاتا تھا اور بیلوں کے ہانکتے وقت مل ملّے گالہ گلے رو رو رو رو مل ملّے گالہ گلے کی صدائیں تمام ڈیرے سے

کشتیاں اور ریل گاڑیاں ہوا کرتی تھیں۔ ان وقتوں میں روجھان کے علاقہ سے کوئی ریل گاڑی نہیں گذرتی تھی۔ جب صدر ایوب خان نے ۱۹۵۸ء میں جاگیرداروں کی وافر زمینیں زرعی اصلاحات کے تحت مزارعوں میں تقسیم کر دیں تو یہ ہنگامہ ہمیشہ ہمیشہ کیلئے فرو ہو گیا۔ تاہم سرداران روجھان کی قدرومنزلت رعایا کے دلوں میں آج بھی جوں کی توں باقی ہے۔ اس قسم کا یہ مختصر سا خاکہ ہم نے صرف تاریخی یادگار کیلئے کھینچا ہے۔

اس کے بعد اب ہم مذاریوں کے جنگی واقعات بیان کرنا چاہتے ہیں جو انھوں نے ۱۷۰۰ء کے بعد اپنے دشمنوں سے لڑی ہیں۔

ویسے مذاری زمانہ قدیم سے ایک نہایت جنگجو قبیلہ ہے اس نے قلات کے راجہ سیوا نامی ہندو کو ناکوں چنے چبوائے اور تیس سالہ رند لاشار جنگ میں اور میر چاکر خان کے ساتھ دوسری جنگوں میں نہایت اہم کردار ادا کیا تھا یہ لوگ نہایت جانباز اور تلوار کے دھنی تھے لڑائیوں اور جنگوں میں زمانہ نے کبھی اور کسی وقت ان کی پیٹھ نہیں دیکھی۔ مذاریوں کی جب وہ کوہ کلاتھ سیاہ آف (ڈیرہ بگٹی) کے علاقے میں رہتے تھے۔ اردگرد کی قوموں سے ہمیشہ جنگ و جدال رہتی تھی مغرب میں مریوں اور بگٹیوں سے شمال میں لغاریوں لنڈوں اور دریشکوں سے ان کی بے شمار جنگیں ہوئیں مگر ان جنگوں کی تفصیلات ہمیں کہیں سے حاصل نہ ہو سکیں۔ اس لئے ان جنگوں کے بارے میں ہم خامہ فرسائی سے قاصر ہیں۔ البتہ مشرق میں ماہڑوں 'چانڈیوں اور ماچھیوں سے اور جنوب میں بروہیوں سے اور مغرب میں بگٹیوں سے ان کی جو جنگیں ہوئیں بے حد جستجو کے بعد بڑی مشکل سے ان کی چند کڑیاں کتب تواریخ کے اجمالی ذکر اور کچھ زبانی روایات سے مل گئیں ہم نے اپنے حصول مقصد پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور پھر ان کڑیوں کو جوڑ کر حقیقت پر مبنی جنگی واقعات کو آنے والی نسلوں کیلئے ایک انمول تاریخی سرمایہ جان کر محفوظ کر دیا۔

اور مزدوریاں پوری کی جاتی تھیں۔ اس عمل کو وک کہا کرتے تھے۔ اس کے بعد بٹائی شروع ہوتی جسے مقامی زبان میں نیکت کہتے تھے نیکت کے موقعہ پر تمام عملہ (میرو ھا جمعدار منشی اور کراوے) جسے سرکاری عملہ کہا جاتا تھا مع کاردار صاحب موجود ہوتا۔ بٹائی (نیکت) کرانا کاردار صاحب کے ذمہ ہوتا تھا۔ اجناس تولنے کیلئے ایک نہایت ہوشیار اور چابکدست شخص مقرر ہوتا۔ جسے دھڑوائی اور دلال کہتے تھے لکڑی کی ٹکی کا ترازو جس کے ایک پلڑے میں پانچ سیر کا بٹہ ہوتا تھا وہ اس سے تولا کرتا تھا اس کی مزدوری فی من ایک پاؤ مقرر تھی اگر وہ فی من ایک سیر بھی لے لیتا تو اس پر کوئی اعتراض نہ کرتا۔ وہ اپنی یہ مزدوری وچ خرچ سے لیتا تھا۔ وہ اس قدر تیز تیز ترازو چلاتا کہ آن کی آن میں ڈھیروں کے ڈھیر تول کر رکھ دیتا بعد میں سردار صاحبان کی طرف سے چند بوریاں اجناس کی بطور (حق ملازمت) بھی اسے ملتی تھیں۔

ترازو سے بٹائی کرنے کا رواج روجھان میں بعد میں پڑا ورنہ اس سے قبل معروف روجھانی ماپ (مان) سے بٹائی ہوا کرتی تھی ماپ کیلئے لکڑی کا ایک پیمانہ ہوا کرتا تھا جسے ٹوپہ کہا کرتے تھے اور یہ آٹھ سیر کا ہوتا تھا ویسے روجھان کے علاقہ میں روجھانی مان (پیمانہ) آج بھی معروف ہے اور اس پیمانہ کا حساب کچھ یوں ہے آدھے سیر کا ایک ٹوآ' چار ٹوئے کی ایک پڑوپی (دو سیر) چار پڑوپی آٹھ سیر کا ایک ٹوپہ ۔ چار ٹوپے کی ایک پائی ۔ چارپائی کی ایک گنجی ۔ سولہ گنجی کا ایک پتھ۔

نیکت کے دن سب سے پہلے سردار صاحبان کی اجناس کا تیسرا حصہ تولا جاتا اور پھر اس کے بعد وچ خرچ سے اخراجات اور مزدوریاں پوری کرکے بٹائی کو آخری شکل دیدی جاتی اور سردار صاحبان کی اجناس کو بوریوں میں بھر کر سنگاہو (بڑی بڑی) کشتیوں میں لاد کر روجھان کے گوداموں اور سکھر کی منڈی میں فروخت کرنے کیلئے بھیج دیا جاتا تھا۔ ان وقتوں میں ٹرک وغیرہ نہیں ہوا کرتے تھے اور باربرداری کا ذریعہ

نذاریوں کا لشکر جرار فلک شگاف نعرے لگاتا ہوا بھاگر کی طرف بڑھنے لگا۔ بھاگر کے باہر کھلے میدان میں سردار محب علی خان اپنے جنگجو بہادروں کا لشکر لیکر حملہ آوروں کا منتظر تھا نذاری فوج نے بھی وہاں پہنچ کر اپنے ڈیرے ڈال دیئے۔ حسب قاعدہ دونوں طرف سے صفیں درست ہوئیں نقاروں پر جنگی چوٹ پڑتے ہی دونوں طرف کے سورماؤں کی فولادی تلواریں مچھلیوں کی طرح تڑپ کر نیاموں سے باہر آگئیں دیکھتے ہی دیکھتے خون ریز جنگ شروع ہوگئی شمشیر زن بہادر شمشیر زنی کے جوہر خوب دکھانے لگے تھوڑی دیر میں کشتوں کے پشتے لگ گئے اور بھاگر کا میدان خون سے لالہ زار بن گیا نذاریوں کے مقابلہ میں ناہڑ بہادروں کی جمعیت اگرچہ تھوڑی تھی مگر انہوں نے انتہائی بہادری سے جم کر نذاری غنیم کا مقابلہ کیا سردار حمل خان نے نذاریوں کو [illegible] حملہ کرنے کا حکم دیا تو نذاری بہادروں نے ناہڑوں پر یکدم ہلہ بول دیا سردار حمل خان تلوار لیکر ناہڑوں کی صفوں میں گھس گیا۔ اور نہایت بہادری سے ان کی صفوں کو درہم برہم کرتا ہوا سردار محب علی خان تک جا پہنچا دونوں بہادر ایک دوسرے کے آمنے سامنے ہوگئے آخرکار سردار محب علی خان ناہڑ نہایت بہادری سے لڑتا ہوا سردار حمل خان کے ہاتھوں مارا گیا ادھر نذاریوں نے بھی ناہڑوں کو اپنی تلواروں پر دھر لیا تو ناہڑ شکست خوردہ ہوکر میدان کارزار چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے میدان نذاری بہادروں کے ہاتھ رہا۔

سردار حمل خان نے بھاگر شہر پر قبضہ کرکے اسے لوٹ کر تباہ و برباد کر ڈالا اور بے انتہا مال غنیمت سمیٹ کر فتح و مسرت کے شادیانے بجاتا ہوا واپس ہوا اس کے بعد سردار محمد قائم خان ناہڑ نے حسب وعدہ بھاگر اور اس کا تمام علاقہ سردار حمل خان کو دیدیا۔ یہ جنگ غالباً" اٹھارہ سو عیسوی کی ابتداء میں ہوئی۔

جنگ بھاگسر

روجھان کا اکثر و بیشتر علاقہ تین طاقتور قوموں میں منقسم تھا۔ کن اور بھاگسر کے علاقوں پر ناہڑ قابض تھے۔ چانڈ کو چھانڈہ (چانڈیہ) بلوچوں کا تھا ماچھکا (نزد بنگلہ اچھا) ماچھیوں کے قبضہ میں تھا اس زمانہ میں مزاری کوہ کلاتھ میں بودوباش رکھتے تھے۔ مزاریوں کی علاقائی سرحدیں مغرب کی طرف کن سے ملتی ہوئیں کوہ گندھاری (گیاندار ی) تک جاتی تھیں۔

اس زمانہ میں ناہڑ قوم دو فریقوں میں بٹی ہوئی تھی ایک فریق کا صدر مقام بھاگسر اور دوسرے کا کن تھا۔ بھاگسر کے ناہڑوں کا سردار محب علی خان اور کن کے ناہڑوں کا محمد قائم خان تھا۔

ابتدا ہی سے بھاگسر کا علاقہ کن سے منسلک تھا اور اس پر بھی محمد قائم خان کی سرداری تھی مگر بعد میں بھاگسر کے ناہڑ محمد قائم خان کیخلاف ہوگئے اور انہوں نے اپنا سردار محب علی خان کو بنا لیا تھا محمد قائم خان ان پر اپنا تسلط قائم کرنا چاہتا تھا اس لئے یہ دونوں فرقے ایک دوسرے کیخلاف تھے اور ہمہ وقت بر سرپیکار رہتے تھے۔

کن کے سردار محمد قائم خان نے بھاگسر کے ناہڑوں کو نیچا دکھانے کیلئے مزاریوں کے سردار حمل خان دوم کو ان پر حملہ کرنے کی ترغیب دی اور فتح کرنے کی صورت میں بھاگسر اور اس کا تمام علاقہ سردار حمل خان کو دینے کا وعدہ کیا۔ سردار حمل خان دوم نے اس کی یہ پیشکش قبول کرلی اور بھاگسر کے ناہڑوں سے جنگ لڑنے کی تیاریوں میں مصروف ہوگیا۔ محب علی خان کو جب سردار حمل خان کی جنگی تیاریوں کا حال معلوم ہوا تو اس نے بھی زور شور سے جنگی تیاریاں شروع کردیں۔ مکمل تیاری کرنے کے بعد سردار حمل خان اپنے بہادر مزاریوں کی فوج لیکر بھاگسر کی طرف چل کھڑا ہوا بہادر



اور دشمن کو نرغے میں لیکر ہست و بالود کردو ادھر سے سردار محمد قائم خان نے اپنے بہادروں کو ہمت دلاتے ہوئے کہا کہ میرے بہادرو جان کی بازی لگا کر حملہ آوروں کو کاٹ کر رکھ دو ایسا کاٹو کہ آئندہ بھول کر بھی اس طرف رخ نہ کریں۔ سردار حمل خان نہایت جوش و جلال کے ساتھ ناہڑوں پر پل پڑا اور نذاری بہادروں نے جب اپنے سردار کی بہادری دیکھی تو انہوں نے بھی نہایت جانبازی اور شجاعت کا مظاہرہ کرتے ہوئے ناہڑوں کو نرغے میں لیکر گاجر مولی کی طرح کاٹنا شروع کردیا۔ ناہڑوں کا سردار محمد قائم خان نذاری بہادروں کے نرغے میں آگیا۔ اور داد شجاعت دیتا ہوا مارا گیا۔ تو ناہڑ سورماؤں کے پاؤں اکھڑ گئے اور شکست خوردہ ہوکر میدان کارزار سے بھاگ کھڑے ہوئے سردار حمل خان نے فاتحانہ انداز میں اپنی تلوار لہراتے ہوئے گرج کر کہا کہ شاباش میرے بہادرو کاٹ کر رکھ دو۔ ایک ناہڑ بھی زندہ بچ کر جانے نہ پائے۔

نذاری بہادروں نے تعاقب کرکے ناہڑوں کا قتل عام کیا اور کن کو تخت و تاراج کرکے نذر آتش کردیا۔ اور سردار محمد قائم خان ناہڑ کے قلعہ کو تہ و بالا کردیا۔

سنا ہے کہ اس شہر کا نام پہلے مانڈن تھا اس جنگ میں اس قدر ناہڑ مارے گئے کہ ان کی لاشوں کے گلنے سڑنے سے ہر طرف بدبو پھیل گئی۔ تو اسے کن کہا جانے لگا۔ بلوچی زبان میں کن سخت بدبو دار کو کہتے ہیں بھاگر کی طرح کن اور اس کا تمام علاقہ نذاری بہادروں کے قبضہ میں آگیا جو ناہڑ اس جنگ میں بچ گئے وہ مختلف مقامات کو منتشر ہوگئے۔

اس جنگ کے بعد روجھان کا اکثر و بیشتر علاقہ نذاری بہادروں کے تسلط میں آگیا۔

نذاریوں کی بروہیوں سے جنگیں

جب احمد شاہ ابدالی کو عروج حاصل ہوا تو اس نے ۱۷۶۵ء میں داجل اور ہڑند کے علاقے اپنے اتحادی میر نصیر خان نوری کو دے دیئے جو نذاریوں کے وطن سے شمال میں

جنگ کن

بھا گبر کی جنگ کے بعد کافی عرصہ تک مذاریوں اور کن کے ناہڑوں میں دوستانہ رہا۔ ویسے بھی مدتوں سے ان کے آپس میں نہایت گہرے دوستانہ روابط تھے۔ کیونکہ وہ ایک دوسرے کی ہمسہ دری میں تھے۔ اور دونوں کی علاقائی سرحدیں ایک دوسرے سے ملتی تھیں کن اور اس کے علاقے میں ہمہ وقت مذاریوں کی آمدورفت ہوتی رہتی تھی خرید و فروخت اور دیگر کاروبار کے سلسلے میں بھی کن اور اس کے علاقہ میں آیا جایا کرتے تھے اور مال مویشیوں کے چرانے کی غرض سے بھی آتے۔ کچھ عرصہ کے بعد مذاریوں اور ناہڑوں میں علاقائی سرحدوں پر تنازعہ اٹھ کھڑا ہوا اور اس تنازعہ نے جھڑپوں کی صورت اختیار کرلی۔ اور کافی مدت تک یہ جھڑپیں ہوتی رہیں۔ ان میں کبھی مذاریوں کا پلہ بھاری ہوتا اور کبھی ناہڑوں کا۔ مذاریوں نے روز روز کی جھڑپوں سے تنگ آکر فیصلہ کن جنگ کی تیاری شروع کردی۔ جب اس بات کی اطلاع محمد قائم خان ناہڑ کو پہنچی تو اس نے بھی جنگی تیاریاں شروع کردیں۔

غالباً" ۱۷۲۰ء کے لگ بھگ مذاری بہادر ہتھیاروں سے لیس ہوکر اپنے سردار حمل خان دوم کی سرکردگی میں کن پر چڑھ دوڑے اور ناہڑوں کا سردار محمد قائم خان بھی اپنے بہادروں کا ایک لشکر جرار لیکر کن سے باہر شمال کی طرف تھوڑے سے فاصلہ پر مورچے بنا کر مذاری بہادروں کا انتظار کرنے لگا۔ مذاری بہادر نعرے لگاتے ہوئے پہنچ گئے صفیں درست ہوئیں اور نقاروں پر جنگی چوٹ پڑتے ہی دونوں طرف کے بہادر ایک دوسرے سے گتھم گتھا ہوگئے ہولناک جنگ شروع ہوگئی یہ خونریز جنگ سارا دن جاری رہی کن کا میدان انسانی لاشوں سے اٹ گیا اور خون کی ندیاں بہہ گئیں لڑتے لڑتے شام ہو گئی تو سردار حمل خان دوم نے اپنے بہادروں سے کہاکہ شاباش میرے جانبازو دشمن تھک چکا ہے رات سر پر آرہی ہے جنگ کا فیصلہ ہو جانا چاہیے ہمت کرو

رات میں سردار شاہ علی خان اپنے جانوروں کے لشکر کو لیکر شب خون مارنے کی غرض سے بروہوی افواج کے پڑاؤ پر آ گیا۔ ہر خطرے سے بے نیاز ہو کر تمام افواج گہری نیند سو رہی تھی جب ہزاروں کی تعداد میں مویشیوں نے اندھیری رات میں جھلمل جھلمل کرتے ہوئے سفید لباس میں ملبوس اچانک نذاری لشکر کو دیکھا تو ڈر کر بھگدڑ مچادی بروہوی افواج کے گھوڑوں نے جب تمام جانوروں کی یہ حالت دیکھی تو بھڑک اٹھے انہوں نے بھی اپنی رسیاں تڑوا دیں اور پھر تمام جانور کودتے پھلانگتے ہوئے بروہوی افواج میں گھس گئے سینکڑوں کی تعداد میں جانوروں نے بے شمار فوجیوں کو اپنے کھروں تلے روند ڈالا۔ باقی افواج ہڑبڑا کر اٹھی۔ اس ناگہانی آفت کو دیکھ کر ان کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ اسی حالت میں سخت افراتفری ان میں مچ گئی۔ نذاری بہادروں نے ان کی اس افراتفری سے فائدہ اٹھا کر ان پر ہلہ بول کر انہیں اپنی تلواروں پر دھر لیا اور دیکھتے ہی دیکھتے اکثروبیشتر کو تہ تیغ کر ڈالا۔ کچھ فوجی اپنی جان بچانے کی خاطر اندھیری رات میں جدھر منہ آیا ادھر بھاگ کھڑے ہوئے اور اپنے پیچھے بیشمار لاشیں اور بے تحاشا سامان چھوڑ گئے نذاری بہادروں نے نہایت اطمینان سے ان پر قبضہ کرلیا۔ صبح ہونے پر دیکھا تو پٹی کے علاقے میں ہر طرف بروہوی افواج کے گھوڑے ہی گھوڑے نظر آ رہے ہیں یہ بھی ان کو بطور مال غنیمت ہاتھ لگے۔ صبح کو ریاست بہاولپور کی افواج بھی نذاری علاقے کی طرف دندناتی ہوئی چلی آ رہی تھی کہ راستہ میں بروہوی افواج کی تباہی کا حال سن کر وہاں سے واپس ہوگئی۔ چند دن کے بعد سردار شاہ علی خان نے اپنے سورماؤں کو لیکر کشمور پر چڑھائی کردی۔ اور کئی دنوں تک نذاری سورماؤں اور بروہوی افواج کے درمیان خونریز جنگیں ہوتی رہیں۔ آخرکار نذاری بہادروں نے انہیں شکست فاش دیکر کشمور پر قبضہ کرلیا۔ اس موقعہ پر سردار گشیر خان نے بہادری کا مظاہرہ کرتے ہوئے بروہوی افواج کے سپہ سالار پر حملہ کرکے اسے قتل کردیا۔ اور ادھر سے جنگجو نذاریوں

واقع تھے اس کے کچھ عرصہ بعد سبی بھی انہیں دیدیا۔ مذاریوں کا کوہستانی علاقہ جو زمانہ قدیم سے سبی میں شامل تھا۔ قلات کے بروہی حکمرانوں کے تحت آ گیا۔ اور جب ان کی سرحدیں روجھان سے مل گئیں تو انہوں نے روجھان کے علاقہ کو بھی اپنانے کا ارادہ کیا مگر مذاریوں نے اپنا یہ علاقہ بروہی حکمرانوں کو دینے سے صاف انکار کر دیا۔ بروہیوں نے زبردستی کرنا چاہا تو مذاری بہادر ان سے برسرپیکار ہونے پر تل گئے ان وقتوں میں مذاریوں کا سربراہ سردار گلشیر خان ابن سردار مٹھا خان تھا۔ آخر کار مذاریوں اور بروہیوں میں جھڑپیں شروع ہوگئیں بروہی حکمرانوں نے مذاریوں سے نپٹنے کیلئے کشمور میں قلعہ بنا کر ان سے لڑنے کیلئے مکمل طور پر یہاں فوج بٹھا دی۔ مذاریوں اور بروہیوں میں جنگیں ہوتی رہیں کشمور کی ایک خونریز جنگ میں داد شجاعت دیتا ہوا سردار گلشیر خان مارا گیا۔ اس کے بعد اس کا نامور بیٹا سردار شاہ علی خان مذاری کا قبیلہ کا سردار بنا اور اس نے بھی بروہیوں سے جنگ جاری رکھی۔ اور ہر میدان میں اس نے بروہی فوج کو ناکوں چنے چبوا دیئے آخر کار بروہی حکمرانوں نے تنگ آ کر نواب بہاولپور سے فوجی امداد طلب کی اور فتح کی صورت میں مذاریوں کے علاقے کا آدھا حصہ اسے دینا کیا۔ طے یہ پایا کہ مغرب کی طرف سے بروہی افواج اور مشرق کی طرف سے بہاولپور کی افواج حملہ آور ہو۔ تاکہ دونوں طرف سے یلغار کرکے مذاریوں کو کچل دیا جائے۔ معیاد مقررہ پر بروہی افواج نے اپنی پوری قوت سے مذاری علاقے پر یلغار کردی۔ شاہی افواج سے مقابلہ کا یارانہ دیکھ کر وقتی طور پر مذاری بہادر ایک طرف ہوگئے بروہی افواج نے مذاریوں کے مویشیوں کو ادھر ادھر سے لوٹ کر لے جانے کی غرض سے پٹی کے مقام پر اکٹھا کیا اور رات بسر کرنے کی غرض سے وہاں پڑاؤ ڈالا۔

ادھر سردار شاہ علی خان نے اپنے تمام بہادروں کو بلا کر بروہی افواج پر شبخون مارنے کی تیاری کا حکم دیا تو تمام بہادر ہتھیاروں سے لیس ہوکر تیار ہوگئے۔ اندھیری

کے تھے۔

جب سرداران روجھان نے اپنی جاگیریں آپس میں تقسیم کیں تو لیبنا ریں اور زمرداں کے علاقے لالیاوہ تک الحاج سردار غلام سرور خان مرحوم کے حصے میں آئے تھے۔ ان کے بعد ان کے فرزندان گرامی الحاج سردار بشیر احمد خان و الحاج سردار فیض احمد خان نے تھوڑا تھوڑا رقبہ چھوڑ کر باقی تمام علاقوں کے رقبے فروخت کر دیئے

اب جبکہ الحاج سردار غلام سرور خان مزاری کی بات آئی تو ان کے بارے میں کچھ نہ کہنا اور ان کی دینی ملی اور شریفانہ جذبے کی قدر نہ کرتے ہوئے انہیں خراج تحسین پیش نہ کرنا ایک تاریخی خیانت ہوگی اس لئے ان کے متعلق چند سطور بطور خراج تحسین اور برائے تاریخی یادگار صفحہ قرطاس کی نذر کر رہا ہوں۔

الحاج سردار غلام سرور خان نہایت شریف ' بیحد دین پسند حددرجہ اسلام دوست اور ہرلحاظ سے ہمہ صفت موصوف انسان تھے وہ بیحد مہربان اور حد درجہ رحمدل تھے انہوں نے کبھی کسی کو کوئی تکلیف نہیں پہنچائی ان کی رعیت ان سے پیار کرتی تھی اور وہ اپنی رعیت سے محبت کرتے تھے اور شریعت کی پاسداری یہاں تک کہ فصل کی بٹائی کے موقعہ پر مکمل طور پر شرعی عشر نکال کر غریبوں 'مسکینوں 'بیواؤں ' یتیموں ' محتاجوں ' معذوروں اور نادار لوگوں میں نہایت فراخدلی سے تقسیم کر دیا کرتے تھے جب انہوں نے روجھان شہر میں دینی تعلیم کی ضرورت محسوس کی تو دارالعلوم محمدیہ کے نام پر ایک دینی درسگاہ کی بنیاد رکھی۔ جو آج تک قائم ہے۔ بہرحال حاجی صاحب مرحوم بہت سی اچھی یادیں چھوڑ کر ۱۹۶۸ء کو اپنے خالق حقیقی سے جاملے۔

مسافر ہی نظر آیا نظر آیا جو دنیا میں
جسے دیکھا اسے آلودہ گرد سفر دیکھا

الحاج سردار غلام سرور خان مرحوم کی اولاد ماشاء اللہ ان کے نقش قدم پر چل رہی

نے یکبارگی ہلہ بول دیا۔ بہ دوی افواج کے پاؤں اکھڑ گئے اور وہ شکست خوردہ ہو کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ میدان مذاری بہادروں کے ہاتھ رہا تو انہوں نے نہایت اطمینان سے کشمور پر قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد کافی عرصہ تک کشمور مذاری سرداروں کے قبضہ میں رہ گیا۔ بعد ازاں سیاسی حد بندیوں کی بناء پر یہ شہر ان کے تصرف سے نکل کر سندھ کا حصہ بن گیا۔ اور مذاریوں کی سرحد کشمور سے قریب شمال کی جانب قرار پائی۔ اگرچہ کشمور مذاری سرداروں کے زیر قبضہ نہ رہا تاہم اس زمانہ سے لیکر آج تک کسی نہ کسی صورت میں اس پر ان کا راج ہے۔ انہوں نے یہاں پر اپنی کوٹھی تعمیر کرائی تھی جو آج تک مذاری منزل کے نام سے مشہور ہے۔ جب سرداران روجھان میں سے کوئی سردار کشمور تشریف لے جاتا تو اہالیان کشمور کیا مسلمان کیا ہندو اس کا والہانہ استقبال کرتے۔ رعب و دبدبہ کا یہ عالم تھا کہ وہاں کے باشندے ان کے نام ہی سے کانپتے تھے اور اس کے ساتھ ساتھ ان لوگوں سے سردار صاحبان کی بیحد ہمدردیاں اور بے انتہا شفقتیں بھی تھیں۔ وہ لوگ ان سے محبت رکھتے تھے اور ان کا بیحد احترام کرتے تھے کشمور کے ہندو لوگ مذاری سرداروں کی پناہ میں زندگی بسر کرتے تھے اور ان کے ہر قسم کے تعلقات روجھان سے وابستہ تھے کشمور اور علاقہ کشمور کے تمام فیصلے ان ہی کے ہاتھوں انجام پاتے اور بلوچی قومی جرگے بھی یہاں پر بلائے جاتے تھے۔ سابقہ سرداران روجھان کی بات ہی اور تھی۔ زمانہ قریب میں میربلخ شیر خان، سردار شیرجان خان اور سردار شیرباز خان گویا کشمور کے والی تھے اور ان کے علاوہ سردار نجم الدین خان اور سردار جلال الدین خان بھی گویا کشمور کے دولھے تھے۔ کشمور سے سرداران روجھان کے دوسرے روابط کے علاوہ علاقائی روابط بھی تھے۔ کیونکہ ان کی علاقائی سرحدیں کشمور کو چھو کر گزرتی تھیں۔ کھوالی کلاتھ (کوٹ کھوالی)، لینڈریں اور زمڑواں کے علاقے بنگلہ درکھان سے کشمور کے شمال کی طرف بہت دور اڈیاواہ تک ان

کو اپنی دانست میں نہایت کمزور سمجھتی تھی حالانکہ ان کی نذاریوں سے رشتہ داریاں بھی تھیں۔ سردار شاہ علی خان کے نکاح میں ایک نیک بخت چانڈیہ خاتون تھی۔ نذاری سردار نے رشتہ داریوں کی بناء پر بہت درگزر کر کے رکھا مگر کہاں تک چونکہ تنگ آمد بجنگ آمد کے مصداق اب اس نے مکمل طور پر ان سے نپٹنے کا فیصلہ کیا اور نذاریوں کو زور شور سے جوابی کارروائی کرنے کا حکم دیا۔ جب چانڈیہ نذاریوں پر کسی قسم کی زیادتی کرتے تو نذاری بھی انہیں ترکی بہ ترکی جواب دیتے اسی طرح ہوتے ہوتے نوبت خونریز جھڑپوں تک جا پہنچی ایک دوسرے پر شبخوں مارتے اور ایک دوسرے کو قتل کردیتے۔ ایسے حالات میں چانڈیوں کا پلہ ہمیشہ بھاری رہتا۔ اور نذاری ہمیشہ ان سے مار کھا جاتے تھے اس کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ جب کبھی بہادر نذاری چانڈیوں پر حملہ کرنے یا شب خوں مارنے کا ارادہ کرتے تو کوئی مخبر فوراً چانڈیوں کو خبردار کر دیتے۔ اطلاع ملنے پر چانڈیہ گھات لگا کر بیٹھ جاتے جب نذاری بہادر ان کی بستی چانڈکو پر حملہ آور ہوتے تو چانڈیہ اپنی کمین گاہوں سے نکل کر اچانک ان پر ٹوٹ پڑتے اور اسی طرح نذاری بہادر ہمیشہ ان کے ہاتھوں شکست کھا جاتے۔

سردار شاہ علی خان چانڈیوں سے نپٹنے کے طریقے سوچتے رہے۔ آخرکار کافی سوچ و بچار کے بعد اس نے اپنے بہادر نذاریوں کو جمع کر کے نہایت راز دارانہ طور پر سمجھاتے ہوئے چانڈیوں پر شبخوں مارنے کا حکم دیا۔ اور بارانی عمرانیوں کے جداعلیٰ باران خان عمرانی کو علم دیکر ان کا سربراہ بنادیا۔ اور نذاری لشکر کو سمجھا دیا کہ شام کے وقت پہاڑ کی طرف چل پڑو کسی کے پوچھنے پر کہہ دینا کہ ہم کوہستان کی طرف کسی مہم پر جا رہے ہیں پھر ادھر سے رات ہونے پر چکر کاٹ کر دریا کو کشتی کے ذریعہ عبور کر کے راتوں رات چانڈیوں کی بستی چانڈکو پر جا پڑو۔

نذاری بہادر اپنے سردار کے فرمان کے مطابق کوہستان سے چکر کاٹ کر راتوں



ہے اور ان کے فرزندان گرامی الحاج سردار شبیر احمد خان اور الحاج سردار فیض احمد خان اور ان دونوں حضرات کے فرزندان گرامی بھی بفضلہ تعالیٰ نہایت قابل قدر انسان ہیں اور ہر قسم کی اچھی صفات سے متصف ہیں۔ دین پسند علم دوست علماء فضلا اور بزرگوں کے بیحد قدردان ہیں۔ ان میں ایسی باتیں نہیں ہیں جو دنیاداروں میں ہونی چاہئیں۔

آمدم بر سر مطلب۔ اسی طرح کھیوالی کلاتھ (کوٹ کھیوالی) وغیرہ کے علاقے میرملخ شیرخان برادران کے تھے انہوں نے کچھ بیچ دیئے کچھ رکھے اور کچھ زرعی اصلاحات کی نذر ہو گئے۔

گدوبیراج سے شمال کی طرف نہر کے اس پار ظاہرپیر کے قریب سے بہت دور تک سردار جلال الدین خان کا علاقہ تھا اس میں سے اس نے تیس مربع کا رقبہ مخدوم غلام میراں شاہ (جمال الدین) کو بخشش دیا تھا۔ اب جب ظاہرپیر کی بات آگئی تو سن لیجئے کہ ظاہرپیر نہ کوئی پیر تھا نہ اس جگہ اس نام کا کوئی بزرگ مدفون ہے یہ ایک مصنوعی قبر ہے جسے ۱۹۱۰ء میں ایک بیروزگار شخص نے آمدنی کی خاطر بناکر مشہور کردیا کہ یہاں ایک پیر ظاہر ہوا ہے پھر کیا ہوا لوگوں کا تانتا بندھ گیا۔ اسی طرح ملک کے تمام ظاہرپیروں کا یہی حال ہے۔

چانڈیہ اور مذاریوں کی لڑائیاں

نہڑوں کے بعد اب دوسری بڑی طاقت چانڈیہ (چھانڈہ بلوچوں) کی تھی۔ سردار شاہ علی خان بروہیوں کے مہم سے فارغ ہوکر چانڈیہ بلوچوں کی طرف متوجہ ہوا۔ یہ قوم نہایت جنگجو صلح ناآشنا اور حد درجہ فسادی تھی ہمسائیگی اور رشتہ داری کی مہرو محبت اور اخلاق و مروت سے بھی یکسر بے بہرہ تھی خواہ مخواہ ہمہ وقت مذاریوں سے چپقلش کئے رکھتی تھی اور ہرروز مذاریوں کے مال مویشیوں کو لوٹ کرلے جاتی تھی اور مذاریوں

معلوم ہوا کہ تجھ میں ذرا برابر بھی بہادری نہیں ہے جہانگیر خان نے مڑتے ہوئے کہا کہ یار سحاق معاف کرنا میری خطا ہوگئی۔ اب خبردار ہو جا میں آیا۔ اس کے بعد یہ دونوں بہادر ایک دوسرے سے ٹکرا گئے کافی دیر تک ان میں مقابلہ ہوتا رہا جہانگیر خان نے طیش میں آکر سحاق خان پر اپنی تلوار کا ایک بھرپور وار کیا۔ اس نے ڈھال پر روکا پھر سحاق نے اچھل کر جہانگیر پر وار کیا تو ایک ہی وار سے اس کی گردن کٹ گئی اور اس کا سر لڑھکتا ہوا دور جا گرا۔

اے وفا زندگی آپ ہی آپ
کس طرح کٹ گئی خبر نہ ہوئی

ادھر چانڈیہ قوم کے بہادر سردار مارکھ خان (مبارک خان) کے مقابلہ میں سیوانامی ایک میراثی آیا تو اس نے ڈانٹ کر اسے کہا کہ اے میراثی بلوچوں کے در کے کتے ہٹ دور ہو جا تو میرے مقابلہ میں آتا ہے کیا سارے مذاری مر مٹ گئے۔ باران خان عمرانی نے سیوا کو ڈانٹ کر کہا کہ ارے کم بخت کمینے دور ہو جا سردار سچ کہہ رہا ہے۔ اس کے بعد سردار مارکھ خان اور باران خان ایک دوسرے کے مقابل ہوگئے آخرکار چانڈیوں کا بہادر سردار مارکھ خان باران خان کے مقابلہ میں نہایت پامردی سے لڑتا ہوا اس کے ہاتھوں مارا گیا۔ چانڈیہ اپنے سردار کو مرتا دیکھ کر ہمت ہار بیٹھے اور شکست کھا کر بھاگ کھڑے ہوئے اور فتح بہادر مذاریوں کو نصیب ہوئی انہوں نے چانڈکو کو تاخت و تاراج کر کے آگ لگا دی۔

ادھر سردار شاہ علی خان نے تمام رات بے چینی میں گذار دی۔ وہ کبھی چانڈکو کی طرف دیکھتا اور کبھی ادھر ادھر ٹہلنے لگتا وہ اس فکر میں تھا کہ اللہ جانے مذاری لشکر کا کیا بنا۔

اس کی اہلیہ محترمہ جو ایک چانڈیہ خاتون تھی نے اس بے چینی کا سبب پوچھا تو

رات دریا کے کنارے پہنچے اور پتن کے ملاح کو بمعہ کشتی اپنے قبضے میں لے لیا چانڈیوں کا ایک مخبر ہمیشہ کشتی پر رہتا تھا اس نے مذاریوں کو دیکھا تو اطلاع دینے کی غرض سے بھاگ کھڑا ہوا ایک مذاری نے توڑے دار بندوق مار کر اسے ہلاک کر دیا۔ اس کے بعد مذاری بہادر کشتی کے ذریعہ دریا کے پار گزرتے رہے ایک پہر رات باقی رہنے پر تمام کے تمام دریا کے پار اتر گئے جب مذاری بہادروں کا لشکر چانڈکو کے قریب پہنچا تو دن کا اجالا ہو چکا تھا ایک چانڈیہ نے دریا کے بیٹ (کنارے) کی طرف دیکھا تو اسے بڑی تعداد میں ایک سفید مخلوق نظر آئی تو اس نے اپنے لوگوں کو اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ یارو وہ دیکھو تو سہی آج دریا کے کنارے بے شمار بگلے نظر آ رہے ہیں یہ دراصل مذاری تھے جو سفید لباس میں ملبوس بگلوں کی جھنڈ نظر آ رہے تھے ان کو مذاریوں کا خیال نہ آیا تھوڑی دیر میں مذاری بہادر ان کے سر پر پہنچ چکے تھے۔ صبح کے وقت وہ بالکل غفلت میں تھے مذاریوں کو اچانک اپنے سر پر دیکھ کر ان کے حواس معطل ہو گئے نقارے پر خطرے کی چوٹ ماری تو ہر طرف سے چانڈیہ بہادر تلواریں لہراتے ہوئے آ گئے نہایت شجاعت اور بہادری کے ساتھ مذاریوں سے ٹکرا گئے غضب کا رن پڑا۔ سر کٹ کٹ کر گرنے لگے لاشے تڑپنے لگے خون کی ندیاں بہہ نکلیں۔ عورتوں اور بچوں کی چیخ و پکار اور آہ و بکا اور بہادروں کی ہاؤ ہو اور تلواروں کی جھنکار سے ایک طوفان بپا تھا دونوں طرف کے بہادر شمشیرزنی کے جوہر خوب دکھا رہے تھے چانڈیہ بہادر پانسے بدل بدل کر مقابلہ کر رہے تھے مگر ان پر اچانک حملہ تھا تھوڑی دیر کے بعد مذاریوں کا پلہ بھاری نظر آنے لگا۔ سحاق لالانی اور چانڈیوں کے بہادر جہانگیر خان پہلے ہی سے ایک دوسرے کے حریف تھے سحاق نے جہانگیر خان کو للکارا تو وہ بھاگنے لگا سحاق نے اسے پکار کر کہا کہ اے بہادر جہانگیر تف ہے تیری مردانگی پر۔ میدان کارزار میں بہادر کٹ تو مرتے ہیں مگر بھاگتے ہرگز نہیں میں تجھے بہادر سمجھتا تھا مگر آج مجھے

اور نہایت طاقتور انسان ہے۔ اور اس کی بہت بڑی جمعیت ہے اس کے مقابلہ میں ہرلحاظ سے میں کمزور ہوں پھر اس نے شکست پر شکست دیکر مجھے بے حد کمزور کر چھوڑا ہے خدارا آپ میری امداد کریں ورنہ میں تباہ و برباد ہو جاؤں گا۔ اور مجھے ایسے بہادر شمشیرزن عنایت کریں جو اس مردود کو مکمل شکست دیکر میرا بدلہ چکا لیں۔ مذاریوں کے بہادر سردار نے کہاکہ آپ میری قوم کی بہادری کا ڈنکا سن کر اور اچھی امیدیں لیکر میرے پاس ڈیرہ اسماعیل خان سے چل کر آئے ہیں میں آپ کو ضرور فوجی امداد دوں گا۔ اور آپ کو مایوس ہرگز نہ کروں گا۔ میں ایسے شمشیرزن بہادر آپ کے ساتھ بھیجوں گا کہ جن کی تلواروں کی دھار میں قدرت نے فتح و نصرت رکھی ہے وہ باز کی طرح دشمن پر جھپٹنے اور شیر کی طرح دشمن کو پھاڑنے کی طاقت رکھتے ہیں میدان کارزار میں جب اترتے ہیں تو دشمن کو نیست و نابود کرکے دم لیتے ہیں ان کی تلواریں دشمنوں پر بجلی کی طرح کڑکتی ہیں اور اولوں کی طرح برستی ہیں دشمن کے مقابلہ میں وہ کبھی پیٹھ نہیں دکھاتے۔ آپ مطمئن رہیں۔

مذاریوں کے بہادر سردار نے اپنے مذاری بہادروں کا ایک لشکر جرار تیار کیا جن میں شیرلانی پاڑہ کے تین جانباز شمشیرزن پہلوان بھی تھے ان میں سے ہر ایک بیسیوں بہادروں پر غالب ہونے کی صلاحیت رکھتا تھا ان میں سے ایک محب علی خان شیرلانی بھی تھا اس کو سردار صاحب نے علم دیکر تمام لشکر کا کمانڈار بنایا اور اس کے بدن پر اپنے ہاتھوں سے ہتھیار سجائے اور پھر اپنے بہادروں سے فرمایا کہ اے میرے جانباز بہادرو جاؤ اور جاکر اس مظلوم کی امداد کرو خبردار اپنی قوم کو ہرگز رسوا نہ کرنا فی امان اللہ جاؤ خداتعالی تمہارا حامی و ناصر ہے نصر من اللہ و فتح قریب مذاری بہادروں کا لشکر جرار لیکر نہالا خان بصد خوشی و مسرت چلا گیا اور اپنے وطن پہنچ کر اس نے اپنے حریف شیرا خان کو للکارا دونوں طرف کے بہادروں کا ایک میدان میں آمنا سامنا ہوا۔ دیکھتے ہی دیکھتے

اس نے تمام ماجرا کہہ سنایا مائی صاحب نے کہا کہ بس اب تو آرام سے بیٹھ جاتو نے خود اپنے مذاریوں کو موت کے منہ میں دھکیل دیا ہے اب تک میرے بہادروں نے ان کا صفایا کر دیا ہوگا۔ دراصل جس وقت سردار شاہ علی خان نے مذاری بہادروں کو اس مہم پر روانہ کیا تھا تو ان سے کہا تھا کہ مجھے کس طرح پتہ چلے کہ تمہیں فتح نصیب ہوئی ہے مذاری بہادروں نے کہا کہ اے سردار ہم فتح کی صورت میں چانڈکو کو آگ لگا دیں گے جب تم اس طرف سے آگ اور دھواں اٹھتے دیکھو تو یقین کر لو کہ فتح ہماری ہوئی ہے۔ اس لئے سردار صاحب نے تمام رات نہایت بے چینی میں گذاری۔

جب صبح کے وقت چانڈکو کی طرف سے آگ کے شعلے اور دھوئیں کے بادل اٹھتے دکھائی دیئے تو ان کو تسلی ہوئی چانڈکو فتح کرنے کے بعد مذاری بہادر فتح و مسرت کے شادیانے بجاتے ہوئے اپنے محترم سردار کی خدمت میں حاضر ہوئے اور فتح کا مژدہ آن سنایا اور اس نے خوشی میں ان کی داڑھیاں چوم لیں اور ایک ایک کو سینے سے لگا لیا۔

اس کے بعد مذاریوں نے چانڈیہ بلوچوں کی جاگیروں پر قبضہ کرلیا اور روجھان کے علاقے کے بلاشرکت غیرے مالک و مختار بن گئے۔

مذاری اور پٹھانوں کی لڑائی

اس لڑائی کا مختصر قصہ یوں ہے کہ نہالاخان بنوں پٹھان اور شیرا خان بنوں پٹھان دونوں اپنی قوم کے سردار تھے کسی بات پر ان کی آپس میں ٹھن گئی نہالاخان شیرا خان کا بہنوئی تھا ان دونوں میں بہت سے معرکے ہوئے مگر ہر معرکہ میں اکثروبیشتر شیراخان نہالا خان پر غالب رہا۔ نہالا خان مجبور و مایوس ہوکر مذاریوں کے بہادر سردار میر بہرام خان اول کی خدمت میں فوجی امداد لینے کیلئے حاضر ہوا۔ اور اس نے سردار صاحب کو اپنا تمام دکھڑا کہہ سنایا اس کے ساتھ یہ بھی عرض کیا کہ میرا حریف شیراخان ایک بہت بڑا بہادر

ماچھکا اور بنگلہ اچھا پر مذاریوں کا قبضہ

جب مذاریوں نے روجھان کے تمام علاقے پر قبضہ کر لیا تو انہوں نے اپنی علاقائی سرحدوں کو وسعت دینے کی غرض سے ماچھیوں کے علاقہ ماچھکا پر بھی اپنی نظریں گاڑ دیں جو علاقہ روجھان سے جنوب میں واقع تھا۔

مذاری بہادروں نے ماچھیوں کو ان کے علاقے سے بے دخل کرنے کیلئے ان سے جھڑپیں شروع کردیں ماچھی بھی ان کو ترکی بہ ترکی جواب دیتے رہے ان جھڑپوں میں کبھی مذاریوں کا پلہ بھاری ہوتا اور کبھی ماچھیوں کا۔

آخرکار میر بہرام خان اول نے کافی سوچ و بچار کے بعد مذاریوں کو یکبارگی ماچھیوں پر حملہ کرنے کا حکم دیدیا۔

جب مذاری اپنا لاؤ لشکر لیکر ماچھکا پر حملہ آور ہوئے تو انہوں نے ماچھیوں کو مستعد پایا فریقین میں زبردست جنگ ہوئی دونوں طرف کے بہادروں نے بہادری کے جوہر خوب دکھائے اور ماچھی سورماؤں نے مذاری بہادروں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا مگر وہ ان کوہستانی عقابوں کے آگے ٹھہر نہ سکے اور بہت نقصان اٹھا کر پسپا ہوگئے مذاری بہادروں نے ان کی بستی ماچھکا اور اس کے تمام علاقے پر قبضہ کرکے ماچھیوں کو وہاں سے نکال دیا۔ اور آگے بڑھ کر بنگلہ اچھا پر بھی قبضہ کرلیا۔

ماچھی اپنے علاقے کو چھوڑ کر مختلف سمتوں کو منتشر ہوگئے اور جو ماچھی جنگ و جدال سے کسی قسم کا سروکار نہیں رکھتے تھے وہ مذاریوں کی رعیت کی حیثیت سے روجھان کے علاقے میں رہ گئے اب تک ان کی نسل بڑی تعداد میں روجھان کے علاقے میں پائی جاتی ہے۔

ماچھیوں کے سردار پر مذاری بہادروں کی اس قدر ہیبت طاری ہوئی کہ اس نے

خونریز جنگ شروع ہو گئی شیراخان اور اس کے بہادروں نے نہایت بے جگری سے مذاری بہادروں کا مقابلہ کیا مگر ان کی ان بہادروں کے آگے ایک نہ چلی مذاری بہادروں نے ان کو اپنی فولادی تلواروں پر دھر لیا اور انہیں گاجر مولی کی طرح کاٹنا شروع کر دیا۔ محب علی خان نے شیراخان کو للکارا دونوں بہادر دیوؤں کی طرح ایک دوسرے سے ٹکرا گئے کافی دیر تک ان میں مقابلہ ہوتا رہا آخر کار شیراخان نہایت بہادری سے لڑتا ہوا محب علی خان کے ہاتھوں مارا گیا محب علی خان نے فوراً" اس کا سر کاٹ کر فتح کا نعرہ لگاتے ہوئے گیند کی طرح اوپر ہوا میں اچھالا تو یہ منظر دیکھ کر شیراخان کے ساتھی شکست خوردہ ہو کر میدان کارزار سے پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ میدان مذاری بہادروں کے ہاتھ رہا۔ اس جنگ میں محب علی خان بھی شیراخان کے ہاتھوں شدید زخمی ہوا جو بعد میں ایک جھلن کے علاج سے صحت یاب ہوا شیراخان کی بہن جو نہالاخان کی بیوی تھی اس نے کہا کہ میرا بھائی ایک مشہور شمشیر زن پہلوان تھا مجھے وہ بہادر جوان دکھاؤ جس نے میرے بہادر بھائی کو قتل کیا ہے جب اسے محب علی خان دکھایا گیا تو اس نے کہا کہ اب مجھے اپنے بھائی کے مارے جانے کا کوئی غم نہیں کہ بلاشبہ وہ ایک بہادر جوان کے ہاتھوں مارا گیا ہے۔

مذاری بہادر شیرا خان پر مکمل فتح حاصل کرنے کے بعد فتح و نصرت کے شادیانے بجاتے ہوئے واپس اپنے سردار کی خدمت میں حاضر ہوئے تو سردار صاحب نے خوشی میں سب کو سینے سے لگا کر ان کی داڑھیاں چوم لیں۔

اس جنگ کے بعد نہالا خان آپس کی خانہ جنگی کے سبب وہاں اپنے وطن میں ٹک نہ سکا اپنے خاندان اور متعلقین کے ساتھ ہجرت کر کے مذاریوں کی پناہ میں روجھان چلا آیا اور پھر یہاں کا ہو کر یہاں رہ گیا اور مذاری قبیلہ سے رشتہ داریاں کر کے اپنے سابقہ قبیلہ بنوں کے نام سے مذاریوں کا ایک پاڑہ بن کر رہ گیا۔



مذاری بہادروں کی سکھوں سے جنگیں

مہاراجہ رنجیت سنگھ نے ۱۸۰۹ء میں انگریزوں سے معاہدہ کر کے دریائے ستلج کو اپنی عملداری کی جنوبی حد بنا لیا تھا مہاراجہ کا دعوی تھا کہ مٹھن کوٹ کے نیچے جو دریا ہے اسے بھی دریائے ستلج ہی سمجھنا چاہئے گویا وہ اس دریا کے پار کی سرزمین کو ان علاقوں میں شامل کرنا چاہتا تھا جن میں ۱۸۰۹ء کے معاہدے کے مطابق وہ حسب دلخواہ پیش قدمی کا مجاز تھا اور انگریز اسے روکنے یا پیش قدمی میں مداخلت کرنے کے حقدار نہ تھے۔

روجھان کا علاقہ سکھوں سے آزاد تھا اور سندھ کی حکومت کے زیر کنٹرول تھا مذاری اپنی عادت کے مطابق سکھ علاقوں میں جا کر لوٹ مار کرتے رہتے تھے اس وجہ سے سکھوں اور سندھ کے ٹالپر حکمرانوں کے درمیان کشمکش شروع ہو جانے کا خطرہ تھا۔ ۱۸۳۳ء میں دیوان ساون مل نے جو مہاراجہ رنجیت سنگھ کی طرف سے ملتان کا حاکم تھا۔ مذاریوں کی سخت گوشمالی کی اور روجھان شرقی (گڑھ) کے قلعہ میں اپنی فوجیں بٹھا دینے کا ارادہ کیا لیکن رنجیت سنگھ نے اسے اجازت نہ دی۔ اسے یہ خیال تھا کہ ممکن ہے انگریز حاکمان سندھ کی حمایت میں معترض ہو اور اس سے تعلقات بگڑ جائیں۔ ۱۸۳۵ء میں یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ مذاری والی خیرپور میر رستم خان ٹالپر کی انگیخت پر سکھوں کی چوکیوں پر ترکتازیاں کر رہے ہیں اس پر انگریزوں نے حاکمان سندھ کو متنبہ کیا کہ انگیخت کا یہ سلسلہ ختم ہو جانا چاہئے۔ اور مذاریوں کو سکھوں پر حملے کرنے سے روک دیا جائے۔ تاکہ پنجاب میں سکھ بادشاہ کو مداخلت کا بہانہ نہ مل سکے۔ لیکن باوجود اس قدر تنبیہہ کے مذاریوں کے حملے جاری رہے یہاں تک کہ ۱۸۳۶ء میں دیوان ساون مل نے گڑھ (روجھان شرقی) پر قبضہ کر کے اپنی فوجیں وہاں بٹھا دیں۔

اگست ۱۸۳۶ء میں دیوان ساون مل نے مہاراجہ رنجیت سنگھ کے پاس عرضداشت

اپنے خاندان اور دیگر ماچھیوں کے بہت سے گھرانوں کے ساتھ بھاگ کر موجودہ ماچھکا کے گھنے جنگلوں میں پناہ لی۔

ماچھکا کا علاقہ اور بنگلہ اچھا ریاست بہاولپور میں شامل تھے۔ ۱۸۰۹ء میں بہاولپور کے نواب صادق محمد خان دوم نے ان علاقوں کو مذاریوں سے آزاد کرانے کیلئے گل محمد خان اور محراب خان گُرگیج کو ایک زبردست فوج دیکر روانہ کیا شاہی فوج نے آکر دوبارہ ان علاقوں پر قبضہ کر لیا اس کے بعد نواب صادق محمد خان نے ماچھیوں کے سردار کو اپنے علاقے میں واپس آنے کا پیغام بھیجا مگر وہ اور اس کے دیگر ماچھی مذاریوں سے اس قدر خوف زدہ ہو چکے تھے کہ انہوں نے واپس آنے سے معذرت کرلی۔ اس کے بعد نواب صاحب نے ماچھیوں کے سردار کو اس علاقے میں جاگیر دی اور اس نے وہاں اپنا اسٹیٹ قائم کرلیا اور اپنی سابقہ بستی ماچھکا کے نام پر موجودہ ماچھکا آباد کیا۔ موجودہ ماچھکا کے سردار اس بھگوڑے سردار کی نسل ہیں اور ماچھکا علاقہ کے دیگر ان عام ماچھیوں کی اولاد ہیں جو اپنے سردار کے ساتھ بھاگ کر گھنے جنگلوں میں جاچھپے تھے اب ان کی وہاں بہت بڑی آبادی ہے۔ مذاریوں کے ساتھ متحارب ماچھیوں کے کچھ خاندان روجھان کی حدود سے ملحقہ ریاست بہاولپور کی سرحدوں میں بکھر گئے۔

کچھ عرصہ کے بعد مذاری بہادروں نے بڑھ کر دوبارہ ماچھکا اور بنگلہ اچھا پر قبضہ کر لیا اور اس کے بعد ہمیشہ ہمیشہ کیلئے یہ علاقے روجھان کا حصہ بن گئے۔

سردار کرم خان مذاری دونوں بھائی سید اعظم خان والئی تمبوہ کے پاس آئے ہوئے تھے۔ سید مولوی نصیرالدین نے اپنے خاص رشتہ دار محمد علی کو ان کے پاس گفتگو کرنے کیلئے بھیجا گفتگو ہونے کے بعد بہرام خان اور سردار کرم خان نے نہ صرف اپنے علاقہ میں آکر جہاد کرنے کی اجازت دی بلکہ خود مجاہدین میں شامل ہو کر سکھوں سے جہاد کرنے کا بھی وعدہ کرلیا۔ اس کے بعد سید مولوی نصیرالدین صاحبؒ تمبوہ محل سے مجاہدین کی جماعت لیکر روجھان کے علاقے میں پہنچے

حضرت مولوی صاحبؒ کے روجھان پہنچنے کے بعد تمام مذاریوں نے ان کے ہاتھ پر جہاد فی سبیل اللہ کی بیعت کی۔ اور مجاہدین میں شامل ہوگئے

اس کے بعد مولوی صاحب نے اپنے مجاہدین اور مذاری مجاہدوں کو جنگ کی تیاری کا حکم دیدیا چنانچہ ۲۵ شعبان ۱۲۵۳ھ بمطابق نومبر ۱۸۳۷ء میں اپنے مجاہدین اور مذاری مجاہدین کی متحدہ جمعیت کو لیکر اللہ اکبر کے فلک شگاف نعرے لگاتے ہوئے روجھان شرقی (گڑھ) پر پیش قدمی کردی سکھ نہایت زوروشور سے مقابلہ کرنے کیلئے آئے مگر مجاہدین کی یلغار کی تاب نہ لاکر اور شکست کھا کر قلعہ بند ہوگئے۔ مجاہدین کے پاس صرف چار چھوٹی توپیں تھیں جنہیں انہوں نے مختلف مورچوں پر نصب کرکے قلعہ کا محاصرہ کر لیا تھا سکھوں نے قلعہ کے دروازے بند کرلئے۔ اور توپوں سے مجاہدین اور مجاہد مذاریوں پر گولہ باری کرنے لگے مجاہدین بھی جواب میں گولے برساتے رہے کئی روز تک یہ محاصرہ جاری رہا۔ اور توپ و تفنگ سے جنگ ہوتی رہی۔ آخرکار سکھوں نے تنگ آکر دست بدست لڑائی کی ٹھانی اور قلعہ سے باہر نکل آئے اور جنگ شروع کر دی مجاہدین اور مجاہد مذاریوں نے انہیں اپنی تلواروں پر دھرلیا تو سکھ شکست کھا کر دوبارہ قلعہ میں جا بیٹھے اسی طرح بہت سی دفعہ جنگ کرنے کیلئے قلعہ سے باہر نکل آتے اور مورچے قائم کرکے مجاہدین اور مجاہد مذاریوں سے گتھم گتھا ہو جاتے مگر ہر بار پسپا ہو

جبکہ مزاری بلوچ سکھوں کی چوکیوں پر مسلسل حملے کرتے رہتے تھے لہذا انہوں نے ان سے تنگ آکر گڑھ پر قبضہ کرلیا ہے آئندہ اکتوبر میں مزاریوں نے جنگ کرکے گڑھ واپس لینے کا فیصلہ کیا تمام بہادر مزاری سکھ فوج سے ٹکرا گئے مزاری بہادروں نے بہادری کے جوہر خوب دکھا کر سکھ فوج کے چھکے چھڑا دیئے قریب تھا کہ سکھ شکست کھا جاتے مگر ساون مل نے پانسہ بدل کر مزاریوں پر پوری شاہی فوج کے ساتھ حملہ کردیا شاہی فوج کا مقابلہ تھا مزاری جانباز نہایت پامردی سے لڑتے ہوئے بہت نقصان اٹھا کر پسپا ہوگئے ان وقتوں میں مزاریوں کا سردار میر بہرام خان اول تھا۔ فتح مند سکھوں نے مزاریوں کو شکست دینے کے بعد ان کے قلعہ کن پر بھی قبضہ کرلیا۔ اسی اثناء میں کنور کھڑک سنگھ اور کنور نونہال سنگھ بڑی فوج کے ساتھ دریائے سندھ کے کنارے موجود تھے تاکہ بوقت ضرورت مزاریوں کے مقابلہ میں ساون مل کی امداد کی جائے۔

اسی زمانہ میں حضرت سید احمد شہید بریلوی رحمتہ اللہ علیہ کے خلیفہ اور مجاہدین کے جرنیل حضرت سید مولوی نصیرالدین رحمتہ اللہ علیہ اور مزاریوں کے درمیان عہدوپیمان ہوا۔ اور مجاہدین کو علاقہ روجھان میں جہاد کرنے کا موقعہ ملا۔

اس سے قبل سید مولوی نصیرالدین سندھ پہنچے اور قیام کرنے کے بارے میں مشورہ کیا تو تقریباً" ہر ذمہ دار آدمی نے یہی مشورہ دیا کہ مزاریوں کے علاقہ میں قیام کرکے سکھوں سے جہاد کرنا چاہیئے۔ کیونکہ مزاری بلوچوں کی بہادری ضرب المثل ہے اور وہ سکھوں سے بھی برسرپیکار ہیں مزاری ایسے بہادر ہیں کہ نہ سکھوں سے ڈرتے ہیں اور نہ انگریزوں سے جو شخص ان کے ہاں چلا جائے جب تک جان میں جان رہے۔ اس کا ساتھ دیتے ہیں ان کا وعدہ پر قائم رہنا وفادار ہونا مشہور ہے جب وعدہ کرلیتے ہیں تو پھر وعدہ خلافی ہرگز نہیں کرتے۔

جب مزاریوں کے علاقے میں جہاد کا فیصلہ ہوا تو ان دنوں میر بہرام خان اول اور



نہیں۔ غداریوں کو یہ معلوم نہ تھا کہ یہ مخالف غداری سوار کی سازش ہے۔ غداری شاہی فوج سے منظم جنگ کرنے کی طاقت نہیں رکھتے تھے۔ کیونکہ ان کے پاس اس قسم کے ہتھیار نہ تھے۔ جو شاہی فوج کے پاس تھے۔ بہرحال غداری مخالف سوار کی سازش کامیاب ہوئی اور یہ خبر سنتے ہی غداریوں پر خوف طاری ہو گیا اور انہوں نے گڑھ کے مورچے کو چھوڑ دیا۔ اور لوٹے ہوئے مویشیوں کے گلوں کو لیکر سید مولوی نصیرالدین رحمۃ اللہ علیہ کو اطلاع دیئے بغیر چلے گئے۔ میرہزام خان اور سوار دوست علی خان وغیرہ نے ان کو بہت سمجھایا مگر انہوں نے ان کی ایک نہ سنی۔

ادھر قلعہ عمرکوٹ اور قلعہ کوٹ مٹھن کے تعلقداروں کی فوجیں مہا سنگھ کے بلاوے پر گڑھ پہنچ گئیں۔ جب مجاہدین نے دیکھا کہ غداری بے وفائی کر کے انہیں اکیلا چھوڑ گئے ہیں تو بیحد پریشان ہوئے۔ کیونکہ ان کی تعداد بھی تھوڑی تھی اور ان کی رسد بھی کشمور سے جاتی تھی جو روجھان سے دو منزل کے فاصلہ پر واقع ہے چنانچہ مجاہدین عشاء کی نماز کے بعد گڑھ کو چھوڑ کر کشمور کی طرف چل کھڑے ہوئے۔ صبح کو جب سکھوں کو معلوم ہوا کہ مجاہدین گڑھ چھوڑ کر چلے گئے ہیں اور غداری بھی ان سے جدا ہو گئے ہیں تو ان کے تعاقب میں نکل پڑے۔ اور کن کے قریب مجاہدین کو جا لیا۔ اور نقارہ بجا کر حملہ کر دیا۔ مجاہدین نے اللہ اکبر کے نعروں سے ان کا مقابلہ کیا۔ اور ان شیروں نے ایک ہی حملے میں سکھوں کو شکست دیکر راہ فرار اختیار کرنے پر مجبور کر دیا۔ لیکن مجاہدین کو اندیشہ تھا کہ سکھ کہیں پلٹ کر حملہ نہ کریں۔ لہٰذا وہ دوپہر تک اس جگہ انتظار میں بیٹھے۔ جب ان کا اندیشہ صحیح نکلا سکھ دوبارہ حملہ آور ہوئے اور پھر جنگ شروع ہو گئی۔ حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کے مجاہدوں سے لڑنا آسان نہ تھا انہوں نے کافر سکھوں کو دیکھتے ہی دیکھتے گاجر مولی کی طرح کاٹ کر رکھ دیا۔ اور بقیہ سکھ شکست کھا کر بھاگ نکلے اتفاق سے مٹھن کوٹ کا تعلقدار کرم سنگھ اور اس کا ایک

کر قلعہ کے اندر جا پہنچتے ہنوز مجاہدین اور مجاہد نذاریوں نے ان پر سخت حملہ کر دیا اور تمام سکھوں کو تہ تیغ کر کے قلعہ گڑھ پر قبضہ کر لیا اس جنگ میں صرف گڑھ کا قلعدار مہاسنگھ کسی طریقہ سے بچ نکلنے میں کامیاب ہو گیا۔

مہاسنگھ نے اپنی امداد کیلئے عمرکوٹ (علاقہ روجھان) مٹھن کوٹ اور ڈیرہ غازی خان کے قلعہ داروں کو جاکر اپنی امداد کیلئے بلایا نذاریوں کا ایک سردار سکھوں کا طرفدار تھا مجاہدین اور مجاہد نذاریوں کیخلاف سکھوں کے ساتھ مل کر ان سے لڑتا تھا دراصل فتح کی صورت میں سکھوں نے اسے نذاریوں کے تمام علاقے دینے کا وعدہ کر رکھا تھا وہ اسی جھانسے پر ان سے مل گیا تھا۔ گڑھ فتح کرنے کے بعد سردار دوست علی خان ابن میر بہرام خان نیز سردار جمال خان سردار لشکر ہان خان پسران سردار کرم خان نے اپنا لشکر لیکر اس مخالف نذاری سردار پر حملہ کر دیا۔ اور ادھر سے وہ بھی اپنا لشکر لیکر ان سے گتھم گتھا ہو گیا۔ ایک خونریز جنگ کے بعد انہوں نے مخالف سردار کو شکست دیکر اس کے بہت سے سواروں اور پیادوں کو قتل کیا اور وہ شکست خوردہ ہو کر بھاگ نکلا نذاری بہادروں نے اس کے مویشیوں کو لوٹ لیا۔ یہ معلوم رہے کہ اس مخالف نذاری سردار کی نسل شاہ کو ٹلہ علاقہ روجھان میں رہتی ہے۔

اس کے بعد اس نے سوچا کہ میر بہرام خان سردار دوست علی خان وغیرہ اب مجھے زندہ نہ چھوڑیں گے چنانچہ اس نے اپنے بچاؤ کیلئے یہ تدبیر اختیار کی کہ اپنے ایک نذاری کو قرآن مجید دیکر نذاریوں کے پاس بھیجا اور اسے سمجھا دیا کہ میرا نام ہرگز نہ لینا بلکہ اپنی طرف سے جاکر کہنا اس نے جاکر نذاریوں کو بتایا کہ دیوان ساون مل ناظم ملتان ایک زبردست فوج لیکر قریب آ پہنچا ہے میں سچ کہتا ہوں اور قرآن مجید شریف کا واسطہ دیتا ہوں کہ تم اپنی جانوں پر رحم کرو اور گڑھ کو چھوڑ کر ایک طرف ہو جاؤ ورنہ تباہ و برباد کر دیئے جاؤ گے۔ شاہی فوجوں سے آمنے سامنے ہو کر لڑنا تمہارے بس کی بات

علاقہ کے زمیندار اور بہادر خان سلطانوں سے اپنی استطاعت کے مطابق [illegible] کی بڑھ چڑھ کر امداد کی۔

ایک روز خبر ملی کہ سکھوں کی فوج سون میانی میں پڑاؤ ڈالے ہوئے ہے۔ [illegible] کے اس پار مجاہدین کی قیام گاہ سے کچھ فاصلہ پر واقع ہے۔ یہ معلوم [illegible] پر شبخون مارنے کا فیصلہ کیا چنانچہ ۲۷ رمضان المبارک [illegible] کو دو سو جانباز منتخب کر کے بھیج دیئے جنہوں نے کشتیوں کے ذریعہ [illegible] بستی سون میانی پہنچے۔ ان دنوں میں بھوگنگ بھارا اور سون میانی کے درمیان دریا [illegible] تھا۔ دریا کی پرانی گذرگاہ بھوگنگ بھارا اور سون میانی کے درمیان [illegible] جاسکتی ہے اور بھوگنگ کے قریب شمال کی جانب سے [illegible] ہے۔

سون میانی پہنچنے کے بعد معلوم ہوا کہ یہاں کوئی سکھ فوج نہیں ہے ساون مل سون میانی سے کچھ فاصلہ پر اپنی فوج لئے بیٹھا تھا۔ مگر مجاہدین کا اس جگہ کا [illegible] تھی۔ ایک بار اس نے اپنے فوجیوں کو مجاہدین پر شبخون مارنے کیلئے تیار کرنا چاہا تو انہوں نے جواب دیا کہ تو ہمارے آگے چل ہم تیرے ساتھ جانے کیلئے تیار ہیں ورنہ ہمیں یہ حوصلہ نہیں کہ ہم غازیوں پر شبخون ماریں ساون مل نے [illegible] کو مجاہدین پر شبخون مارنے پر ابھارنے کی کوشش کی جو اپنے ہم قوم [illegible] کو چھوڑ کر سکھوں کے ساتھ ملے ہوئے تھے انہوں نے بھی صاف انکار کر دیا کہ ہمارے [illegible] نہیں ہے۔

مجاہدین کی پیش قدمی کی خبر جب ساون مل کو ہوئی تو وہ مرعوب ہو کر [illegible] گڑھ اور کن مذاریوں کے حوالہ کرنے پر آمادہ ہوگیا اس کا خیال تھا کہ اب تک مجاہدین اور مذاری بہادر متفقہ طور پر سکھ حکومت کیخلاف کارروائیوں میں مصروف [illegible]



ساتھی مجاہدین کے نرغے میں آکر گرفتار ہو گئے۔ اور مجاہدین نے حملہ کر کے قلعہ کن پر بھی قبضہ کر لیا۔ پھر ان دونوں سکھوں کے سر کاٹ کر قلعہ کن کے دروازے پر لٹکا دیئے اب جب قلعہ کن فتح ہو چکا تو مجاہدین بغیر مزاریوں کی امداد کے اس پر قبضہ قائم نہ رکھ سکتے تھے کیونکہ یہ علاقہ اور شہر مزاریوں کا تھا۔ یہ معلوم ہو کہ کن ایک قدیم شہر تھا جسے مزاریوں نے بلیڑ قوم سے چھینا تھا یہاں ایک بہت بڑا قلعہ تھا سکھوں کے دور کے بعد قلعہ اور شہر دریا برد ہو گئے۔ قلعہ کا اب صرف ایک کچا برج باقی ہے جو ماضی کی یادیں اپنے اندر سموئے ہوئے ہر آنے جانے والے کو اپنی طرف متوجہ کر رہا ہے۔ اس کے قریب سردار غوث بخش خان مزاری کا بنگلہ بھی ہے جسے اس نے ۱۹۴۷ء سے پہلے تعمیر کرایا تھا اب ویران پڑا ہے۔

مزاریوں نے سندھ سے مجاہدین کو بلا کر بے وفائی کی اور آڑے وقت میں ان کو بے یارومددگار بے آب و گیاہ پٹی کے ویرانوں میں چھوڑ دیا۔ اگر مزاری مجاہدین کا ساتھ دیتے اور بے وفائی نہ کرتے تو آج تاریخ کے اوراق میں سنہری لفظوں میں ان کے کارنامے رقم ہوتے مگر بلوچوں کی ایسی قسمت کہاں۔ وہ تو صرف مسلمانوں سے ہی لڑنا جانتے ہیں۔ اور کافر ہمیشہ ان سے مامون و محفوظ رہے ہیں۔

چند دن مجاہدین کن میں رہ کر پھر وہاں سے روانہ ہو کر کشمور پہنچے۔ اور چند دن کشمور میں مقیم رہے یہ مقام سکھوں کی عملداری کے بہت قریب تھا اور درمیان میں حائل بھی کوئی چیز نہ تھی ہروقت کشمکش کا اندیشہ لگا رہتا تھا۔ دوسری بات یہ ہے کہ کشمور کا حاکم خفیہ خفیہ دیوان ساون مل ناظم ملتان سے ساز باز رکھتا تھا اور وہ مجاہدین کیلئے بہم رسانی میں رکاوٹیں پیدا کرنے لگا۔ چنانچہ سید مولوی نصیرالدین رحمتہ اللہ علیہ کشمور کو چھوڑ کر اور مجاہدین کو لے کر بھونگ بھارا پہنچے اور یہاں آکر ڈیرے لگا دیئے یہاں مجاہدین کو خرچ کی تنگی آئی جو جہاد کے امتحانات میں سے ہے بھونگ بھارا کے

دریا برد ہو کر پھر آباد ہوتی رہی شمال کی طرف سے دریائے سندھ اس کو دھکیل کر اور اس کی آبادی جنوب کی طرف لڑھکتی اور کھسکتی ہوئی تھی۔ ۱۸۳۸ء کے لگ بھگ پانچویں بار موجودہ بھونگ کی جگہ آن رکی۔ دریائے سندھ کا انتہائی جوش و غضب سے پھنکارتا اور اس کا پیچھا کرتا ہوا اس کے بالکل قریب آ پہنچا تو یہاں پر اس کے جوش و غضب میں مزید اضافہ ہو گیا اور اس نے خوفناک بھنور (گھمان) کی صورت اختیار کر لی۔ اور پھر وہ اسی حالت میں اپنی زد میں آنے والی کشتیوں انسانوں اور جانوروں کو ہڑپ کرتا گیا۔ وہ موجودہ بھونگ کو بھی ہڑپ کرنا ہی چاہتا تھا کہ اس کا جوش و غضب اچانک ٹھنڈا پڑنے لگا اور دیکھتے ہی دیکھتے اس کی جولانیاں یکدم ماند پڑ گئیں اور وہ تقریباً ۱۸۴۰ء تک بھونگ سے رخ موڑ کر دوسری جانب نکل گیا۔ اس جگہ بھنور کی علامتیں آج بھی صاف طور پر دیکھی جاسکتی ہیں۔ اس کے جانے کے بعد بھونگ کے باشندوں کی جان میں جان آئی اور انہوں نے مکمل طور پر یہاں بستی کی بنیاد رکھ دی۔ اور پھر ۱۸۶۰ء تک جھونپڑیوں کی جگہ ہندو بنیاؤں کے پکے مکانات اور ان کی بھونگڑیوں کی جگہ پکی دکانیں نظر آنے لگیں اور اس کے دوسرے باشندوں نے اپنے لئے کچے سال بنا لئے۔

بھونگ کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ دریا برد ہونے کے بعد بستی بھارہ کے باشندے جب دوسری جگہ منتقل ہو کر اپنی کچی بستی قائم کر لیتے تو ہندو بنیا وہاں پر گھاس پھونس کے چھپر ڈال کر معمولی معمولی سی دکانیں بنا لیتے تھے جن میں صرف تیل تمباکو وغیرہ تک کا سودا سلف مل جایا کرتا تھا۔ مقامی زبان میں ایسی دکانوں کو بھونگڑی کہتے ہیں۔ پھر ان بھونگڑیوں کی وجہ سے بستی بھارہ کا نام بدل کر بھاریں والی بھونگڑی پڑ گیا۔ اس کے بعد کثرت استعمال کے باعث یہ نام بدلتا ہی چلا گیا۔ پھر لوگ اسے بھونگڑی بھارہ کہنے لگے۔ پھر بھونگ بھارہ ہو گیا۔ بعض لوگ اسے اب بھی بھونگ بھارہ کہتے ہیں۔ اس

نے یہی مناسب سمجھا کہ ان سے مصالحت کی کوئی صورت پیدا کر کے کشاکش کو ختم کر دیا جائے چنانچہ سردار رحیم خان لغاری کے ذریعہ گفت و شنید ہوئی۔ مذاریوں کے تمام حقوق بحال کئے گئے اور مذاریوں نے یہ منظور کر لیا کہ وہ اپنے آپ کو سکھوں کا رعایا سمجھیں گے۔ اس کے بعد میر بہرام خان اول کو ملتان بلایا گیا اور دیوان ساون مل نے انہیں ایک ہزار روپے کا خلعت دیا پھر اسے مہاراجہ رنجیت سنگھ نے لاہور بلایا۔ تو اس نے میر بہرام خان کو سونے کے کنگنوں کی ایک جوڑی ایک ہزار روپے نقد اور خلعت وغیرہ نیز اس کے ساتھ جو پچاس مذاری سوار تھے ان کو ریشمی کپڑے دیئے۔ بھونگ بھارا میں مجاہدین کے ٹھہرنے کا سن کر نواب بہاولپور سراسیمہ ہوگیا اس نے خیال کیا کہ ممکن ہے کہ مجاہدین خود اس کے علاقہ میں بھی دست اندازی شروع کردیں حالانکہ مجاہدین کو اس سے کسی قسم کی کاوش نہ تھی وہ اپنی فوج لیکر مجاہدین کی قیام گاہ سے دوکوس کے فاصلہ پر آبیٹھا اور اپنا وکیل حاکمان سندھ کے پاس بھیجا کہ اپنے مجاہدین کو میری سرحد سے ہٹالیں (افسوس صد افسوس)

حاکمان سندھ نے سید مولوی نصیرالدین رحمتہ اللہ علیہ کو پیغام بھیجا کہ آپ اپنے لشکر کو بہاولپور کی سرحد سے ہٹاکر ہمارے ملک (سندھ) کے اندرون میں آجائیں چنانچہ مولوی صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے بھونگ بھارہ سے اپنے لشکر کو ہٹالیا اور سندھ جاکر شکارپور میں مقیم ہوگئے۔

اوپر کے مضمون میں اب جبکہ بھونگ اور سون میانی کی بات آ ہی گئی تو تاریخی معلومات میں اضافہ کرنے کیلئے ان کی مختصر کہانی بھی سن لیجئے۔

بھونگ ضلع رحیم یارخان کا ایک معروف مقام ہے اس کا ابتدائی نام بستی بھارہ تھا۔ اسے بھارہ قوم نے آج سے تقریباً" دو سو سال پہلے آباد کیا تھا۔ یہ بستی موجودہ بھونگ سے اندازاً" میل ڈیڑھ میل کے فاصلہ پر شمال کی طرف واقع تھی۔ یہ بار بار

یہ بھی معلوم رہے کہ بھونگ کا علاقہ ریاست بہاولپور کا حصہ تھا سندھ کے فرمانروا میر غلام علی خان تالپر کے دور میں کوٹ سبزل کے علاقے کے ساتھ بھونگ کا علاقہ بھی نواب صادق محمد خان عباسی دوم کے زمانہ میں متنازعہ علاقے کی حیثیت سے ایک جنگی معاہدے کے تحت ۱۸۰۵ء میں سندھ کے تحت چلا گیا۔

اس کے علاوہ ۱۸۲۷ء میں جب سید احمد شہید رحمتہ اللہ علیہ کے مجاہدین نے سکھوں کے خلاف جہاد کرنے کی غرض سے بھونگ میں پڑاؤ ڈالا تو اس زمانہ میں بھی بھونگ کا علاقہ سندھ میں شامل تھا۔ پھر ۱۸۴۳ء میں کوٹ سبزل کے علاقے کے ساتھ بھونگ کا علاقہ بھی دوبارہ ریاست بہاولپور کو واپس کر دیا گیا۔

اب سون میانی کی مختصر کہانی بھی سنیئے۔ ملتان کے بادشاہ حسین لنگاہ کا امیرالامراء سردار لنگر خان کورائی بلوچ تھا۔ اور سردار سونا خان کورائی بادشاہ کا ایک منصبدار تھا۔ سردار لنگر خان کی سفارش پر بادشاہ حسین لنگاہ نے سون میانی کا بہت بڑا علاقہ سردار سونا خان کورائی کو بطور جاگیر عنایت کیا۔ سردار سونا خان نے ۱۴۸۰ء کے لگ بھگ یہاں پر ایک شہر کی بنیاد رکھی اور اس کا نام اپنے نام پر سونا میانی رکھا۔ جو بعد میں کثرت استعمال کے باعث سون میانی بن گیا۔ سردار سونا خان نے کچی اینٹوں اور مٹی گارے کا یہاں پر ایک بہت بڑا قلعہ تعمیر کرایا۔ اور اس کے اندر اپنے اور اپنے عزیزواقارب کے مکانات تعمیر کرائے۔ شہر کو بیحد ترقی دی۔ اراضیات کو سیراب کرانے کیلئے دریا سندھ سے نہریں نکلوائیں۔ کنویں کھدوائے۔ باغات لگوائے۔ اور اپنے علاقے کو خوب خوب آباد کرایا۔ ہر طرف خوبصورت باغات اور سرسبزوشاداب کھیت لہلہاتے دکھائی دینے لگے۔ سردار سونا خان نہایت آرام سے اپنی زندگی گزار کر دنیا سے رخصت ہو گیا ہر کمال کو زوال آتے دیر نہیں لگتی۔ جب لنگاہوں کو مغلوں کے ہاتھوں زوال آیا تو سیاسی وجوہات کی بناء پر سردار سونا خان کی اولاد بھی زوال پذیر ہو گئی۔ کیونکہ سردار سونا خان

زمانہ کی تاریخی کتابوں اور سرکاری کاغذات پر اب بھی اس کا یہی نام درج ہے۔ اس کے بعد صرف بھونگ بن گیا۔ اب اس میں لفظ شریف کا اضافہ کیا جارہا ہے یعنی بھونگ ملقب بہ شریف (بھونگ شریف) لفظ شریف کے لقب کی وجہ ہمیں معلوم نہ ہو سکی اس لئے اس بارے میں ہم کچھ کہنے سے قاصر ہیں البتہ اس بات پر ہم حیران ضرور ہیں کہ اللہ جانے اس بھونگڑی کو شریف کا لقب جو اس کے ساتھ بالکل غیر موزوں ہے۔ اس کی کون سی شریفانہ ادا پر دیا جارہا ہے۔

یہ جو کہا گیا ہے کہ اس بستی کا نام بھونگ اس لئے پڑا ہے کہ دریا برد ہو کر پھر آباد ہوئی کہ دریا برد مقام کو جو دوبارہ آباد ہو جائے بھونگ کہتے ہیں۔ یہ بات سراسر غلط اور ایک ذہنی اختراع ہے اگر ایسا ہوتا تو دریا برد ہو کر دوبارہ آباد ہونے والے ہر مقام کو بھونگ کہا جاتا اور آج برصغیر پاک و ہند میں ہزاروں لاکھوں بھونگ ہوتے مگر ایسا نہیں ہے اس کی صحیح وجہ تسمیہ وہی ہے جو ہم بیان کر چکے ہیں۔

مزید سنئیے کہ جب آخری بار بھاریں والی بھونگڑی موجودہ بھونگ کی جگہ آباد ہوئی تو بہت سی وجوہات کی بناء پر اس کے اصل باشندے قوم بھارہ کے لوگ اسے خیرباد کہہ گئے۔ پھر کچھ عرصہ کے بعد اس پر اندھڑ قوم کی سیادت قائم ہو گئی۔

مختصر اینکہ رئیس ولی محمد

صاحب جو بھونگ کے مالک و مختار تھے۔ ان کے بعد ان کے جانشین رئیس غازی محمد صاحب مرحوم بنے۔ جو بھونگ کے ایک بہت بڑے جاگیردار ہو گزرے ہیں۔ انہوں نے بھونگ کو بیحد ترقی دی۔ اس میں اپنے لئے خوبصورت بنگلے اور عالی شان محلات تعمیر کرائے۔ دنیا کی مشہور جامع مسجد تعمیر کرائی بھونگ کے پرانے بازار کو گرا کر اس کی جگہ بہترین اور کشادہ بازار بنوایا۔ اس کے اردگرد خوبصورت باغات لگوائے۔ غرضیکہ بھونگ کی اس بالکل معمولی سی بستی کو جنت نظارہ بنا کر چھوڑا۔

رہتا تھا اس کے پیران خان اور پھوگلی خان سے نہایت گہرے دوستانہ تعلقات تھے وہ اکثر و بیشتر ان کے ہاں آیا جایا کرتا تھا ایک بار آیا تو اس کم بخت نے وہاں چانچ خواتین کو دیکھ کر پیران خان سے کہا کہ یار تم ان لال لباس والیوں سے عشق بازی بھی کرتے ہو۔ یہ سن کر پیران خان نے سخت برہم ہو کر اسے کہا کہ تجھے اس قسم کی بیہودہ باتوں کے کہنے سے شرم آنی چاہیے۔ تجھے معلوم ہے کہ ہم بلوچ لوگ قومی اصول شرافت کے لحاظ سے فطرتی طور پر لجدار ہوتے ہیں اور اپنے پڑوسیوں کی عورتوں کو ہم اپنی ماؤں بہنوں کی طرح قابل احترام سمجھتے ہیں اے ننگ سلف خبردار اگر آئندہ کوئی ایسی غیرمہذبانہ اور ناشائستہ بات زبان سے نکالی تو تلوار سے گردن اڑا دوں گا۔ اٹھ چل یہاں سے دور ہو جا آئندہ نہ آیا کر برا حشر ہو گا۔

جاڑو بدبخت نے پیران سے کہاکہ تو نے جو کچھ برا بھلا مجھے کہا ہے ان لال لباس والیوں کی وجہ سے کہا ہے یاد رکھنا اب میرا بلوچی قول (اقرار) ہے کہ میں اپنی بے عزتی کے بدلہ لینے کیلئے ان کی گائیوں پر ڈاکہ ڈالوں گا۔

پیران خان نے کہاکہ میرا بھی بلوچی قول (اقرار) ہے اگر تو نے ایسی جرات کی تو میں بھی تیرے سر پر اپنی تلوار دے ماروں گا۔ تاکہ تیری بددماغی جاتی رہے اور عقل ٹھکانے آ جائے۔ جاڑو قول کرکے چلاگیا ایک ہفتہ کے بعد اپنے قول کو پورا کرنے کیلئے چوبیس سوار زرخانی (بگٹیوں) کے لیکر چاچڑوں کی گائیوں پر ڈاکہ ڈال کر انہیں لے اڑا۔ اور ان کے ساتھ ایک چرواہے کو بھی اپنے ساتھ لے گیا ایک چرواہا چھپ کر ان کے دست برد سے بچ گیا اس نے گھر آ کر تمام ماجرا کہہ سنایا۔ پیران خان اور پھوگلی خان پسران حاصل خان کو جاڑو کی اس جرات پر سخت غصہ آیا انہوں نے اپنی تلواریں اٹھائیں اور گھوڑیوں پر سوار ہوئے اور اپنے ساتھ اپنے دو آدمی اور بھی سوار کرکے ڈاکوؤں کے تعاقب میں چل کھڑے ہوئے ان کے والد حاصل خان نے انہیں کہاکہ

کی اولاد کی شان و شوکت انکے بادشاہوں کی مرہون منت تھی جب انکے حکمرانوں پر زوال چھایا تو سون میانی کے کورائی سردار بھی اس کی زد میں آ گئے۔ قلعہ سون میانی مغلوں کی جولانیوں کی نذر ہوگیا۔ سردار سونا خان کی اولاد دیکھتے ہی دیکھتے دربدر ہوگئی۔ سون میانی کا سہاگ لٹ گیا۔ اور قلعہ سون میانی ویران ہو گیا۔ خداتعالیٰ کی شان دیکھئے کہ جس قلعہ میں کبھی کورائی سرداروں کی قسمت کا طوطی بولتا تھا اب وہاں منحوس الو بولتے نظر آ رہے تھے۔

کافی زمانہ گذرنے کے بعد کچی اینٹوں کا یہ قلعہ زمانہ کے دست برد سے محفوظ نہ رہ سکا اور زمین بوس ہوکر ٹیلہ سا بن گیا۔ البتہ شہر محفوظ رہ گیا۔ آخرکار ۱۸۳۵ء کے لگ بھگ دریائے سندھ مشرق کی طرف سے اس کی جانب بڑھا اور یلغار کر کے تمام شہر کو اپنی طوفانی موجوں میں بہا کر لے گیا۔ اس کے ساتھ قلعہ کے کھنڈرات کا کچھ حصہ بھی ہڑپ کر گیا۔ موجودہ سون میانی سردار سونا خان کے قلعہ کے کھنڈرات کے ٹیلے پر آباد ہے۔ اس کی مشرقی جانب دریائے سندھ کی پرانی گذرگاہ کے کنارے قلعہ کے کھنڈرات کی علامتیں غور کرنے سے صاف طور پر دکھائی دیتی ہیں۔ اور قبرستان کی جگہ تو بالکل واضح علامتیں پائی جاتی ہیں۔

نداریوں اور زرخانیوں کی لڑائیاں

ان کی لڑائیوں کا قصہ یوں ہے کہ حاصل خان بمع پسران خود پیران خان و پھوگانی خان عیسانی نداری علاقہ باڑہ میں رہتے تھے چاچڑ جو ایک غیربلوچ (جاٹ) قوم ہے ان کے کچھ لوگ بمع اہل و عیال مال مویشی لیکر ان کے پاس پڑوس میں آکر رہائش پذیر ہوئے۔

جاڑو نامی ایک کھیڑد جو اپنے علاقہ سے علاقہ بدر تھا اور زرخانی (بگٹیوں) کے پاس

لیکر اپنے مقتولوں کے بدلہ لینے کی غرض سے زرخانیوں کے علاقہ میں گھس گیا۔ نذاری بہادروں نے تمام علاقہ چھان مارا مگر انہیں دشمن کہیں ہاتھ نہ آئے۔ تلاش بسیار کے بعد واپس آ رہے تھے کہ راستہ میں ہوری نامی ایک زرخانی عورت کی بکریاں چر رہی تھیں وہ اس کی بکریوں کو ہانک کر چل دیئے ان کا خیال تھا کہ بکریوں کے ڈاکے کا سن کر زرخانی ضرور ہمارے پیچھے آئیں گے۔ انہوں نے کچھ فاصلہ پر جاکر کچھ بکریاں ذبح کیں اور بھی (کباب) پکانے لگے۔ خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ وہی چوبیس سوار جنہوں نے حاصل خان کے جوانوں کو قتل کیا تھا اور حاصل خان ان کی تلاش میں یہاں تک آیا تھا۔ وہ مائی ہوری کے پاس سے آکر گذرے تو اس نے ان کو دہائی دیتے ہوئے کہا کہ اے جوانان شمشیر زن میں ایک بیوہ اور بیحد غریب خستہ حال عورت ہوں۔ میں لٹ گئی ہوں چند سوار جن کے ہاتھوں میں صرف لاٹھیاں ہیں میری بکریوں کے ریوڑ کو لیکر اس طرف جارہے ہیں خدارا مجھ پر رحم کرو اور ان سے میری بکریاں واپس دلادو۔ خدا تمہارا بھلا کریگا۔ ورنہ میں تباہ ہوگئی۔ مائی ہوری نے لاٹھیوں کا اس لئے بتایا تھا کہ وہ کہیں تلواروں کا سن کر خوف نہ کھا جائیں۔

مائی ہوری کی فریاد سن کر انہوں نے نذاری بہادروں کے تعاقب میں اپنی گھوڑیوں کو سرپٹ دوڑا دیا۔ اور آن کی آن میں ان تک پہنچ گئے اور انہیں للکارتے ہوئے کہا کہ خبردار جانے نہ پاؤ گے۔ ان کو یہ خبر نہ تھی کہ یہ حاصل خان کی جمعیت ہے جو ان کی تلاش میں یہاں تک آئی ہے۔ حاصل خان نے ان کو پہچان کر اپنے بہادر نذاریوں سے کہا کہ خبردار ہو جاؤ یہ وہی لوگ ہیں جن کی تلاش میں ہم یہاں تک آئے ہیں بس دیکھتے ہی دیکھتے دونوں طرف کے بہادر ایک دوسرے سے گتھم گتھا ہو گئے سخت معرکہ کے بعد آخرکار نذاری بہادروں نے ان چوبیس سواروں کو تہ تیغ کر ڈالا اور اپنے مقتولوں کا بدلہ لیکر فتح و مسرت کے سازینے بجاتے ہوئے چلے گئے۔

عجلت مت کرو ذرا تحمل سے کام لو اپنے قبیلہ کے لوگوں کی جمعیت کے ساتھ ان کا پیچھا کریں گے۔ تم صرف چار جا رہے ہو مارے جاؤ گے انہوں نے جواب دیا کہ ابا جان اب ہمارا رکنا مشکل ہے ہم جا رہے ہیں تم اپنا لاؤ لشکر لیکر ہمارے پیچھے فوراً آ جاؤ۔

یہ چاروں بہادر جوان دو گھوڑیوں پر سوار ڈاکوؤں کے تعاقب میں چل کھڑے ہوئے اور کہا کاہ کرتے ہوئے ان کو راستہ میں جاللکارا خبردار جانے نہ پاؤ گے یہاں رک جاؤ جاڑو ان کی بہادری اور دلاوری کا جوش دیکھ کر دہشت زدہ ہوگیا اور مصالحانہ انداز اختیار کرتے ہوئے پیران خان سے کہا کہ بس پیران بس اب ہماری اور آپ کی صلح ہوگئی میں اپنی غلطی کا اعتراف کرتا ہوں لڑائی بھڑائی چھوڑ دے اور اپنی گائیوں کو لے جا۔ پیران نے کہا یہ تو بعد کی بات ہے تو نے اپنا قول بلاشبہ پورا کرلیا اب مجھے بھی تو اپنا قول پورا کرنے دے۔ یہ کہتے ہوئے پیران خان نے اپنی تلوار نیام سے نکالی اور چھلانگ لگا کر جاڑو کے سر پر تلوار کا ایک بھرپور وار کرکے اپنا قول جو اس نے کیا تھا پورا کرلیا۔ جاڑو گر پڑا (کہتے ہیں کہ مرنے سے بچ گیا مگر ساری عمر مفلوج رہا تھا)۔

اس کے بعد لڑائی شروع ہوگئی زرخانی چوبیس اور مذاری فقط چار افراد تھے مقابلہ برابر کا نہ تھا بہرحال یہ چاروں بہادر نہایت پامردی اور جوانمردی سے لڑتے ہوئے زرخانیوں کے ہاتھوں مارے گئے۔

اس عرصہ میں پیران خان اور پھوگانی خان کا والد حاصل خان بھی اپنی جمعیت لیکر پہنچ گیا زرخانی سوار ان کو دیکھ کر بھاگ کھڑے ہوئے حاصل خان نے وہاں پر اپنے مقتول نوجوانوں کا خون آگ میں جلا کر قول کیا کہ وہ اپنے مقتولوں کے خون کا بدلہ ضرور زرخانیوں سے لیکر رہے گا۔ حاصل خان اپنے مقتولوں کو وہاں دفنا کر اور اپنی گائیاں لیکر واپس چلا آیا اور زرخانیوں سے اپنے مقتولوں کے بدلہ لینے کے منصوبے سوچتا رہا آخرکار کچھ عرصہ کے بعد حاصل خان اسی (۸۰) بہادر مذاریوں کی ایک جمعیت

خونریزیوں سے ہم بیحد تنگ آچکے ہیں اب آیئے ہم اور تم میدان میں اتریں تاکہ ہمارا اور تمہارا فیصلہ ایک ہی بار تلوار سے ہو جائے۔

میر بہرام خان نے جواباً کہلا بھیجا کہ ہم بہرحال حاضر ہیں تم جس وقت چاہو گے ہمیں میدان میں پاؤ گے اس کے بعد فریقین میں لڑائی کی تاریخ مقرر ہوئی اور میدان جنگ کا بھی انتخاب ہوگیا تاریخ مقررہ پر میر بہرام خان اول اپنے مزاری سورماؤں کی جمعیت لیکر پٹی کے میدان میں پہنچا۔ ادھر سے سردار سلام خان بھی اپنے تمن بگٹی کے شمشیرزن بہادروں کا ایک لشکر جرار لیکر پٹی کے اس منتخب میدان میں پہنچ گیا۔ فریقین کے بہادر ایک دوسرے سے دو دوہاتھ کرنے کیلئے بے تاب نظر آرہے تھے ان کی تلواریں نیاموں میں مچھلیوں کی طرح تڑپ رہی تھیں ڈھول پیٹے جارہے تھے بہادروں کو جوش دلانے کیلئے جنگی جلوان یعنی جنگی ترانے گائے جا رہے تھے۔ اور ہر طرف سے فلک شگاف نعرے گونج رہے تھے دونوں طرف کے جانبازوں نے اپنی اپنی صفیں درست کیں۔ اور نقاروں پر جنگی چوٹ پڑتے ہی دیوؤں کی طرح ٹکرا گئے۔ زبردست جنگ شروع ہوگئی بہادر جم کر لڑنے لگے بلوچ سورماؤں کی فولادی شمشیریں ایک دوسرے پر بجلی کی طرح کوندنے اور اولوں کی طرح برسنے لگیں لاشے تڑپنے لگے پٹی کا چٹیل میدان خون سے تر بتر ہونے لگا تلواروں کی کھٹا کھٹ، گھوڑیوں کی ہنہناہٹ، بہادروں کی ہاؤ ہو، زخمیوں کی آہ و فغاں اور شوروغل سے فضا گونج رہی تھی اور اسکی بازگشت دور پہاڑوں سے بھی تھرتھرا کر ابھر رہی تھی۔

سارا دن لڑتے لڑتے رات ہوگئی اندھیری رات میں دوست دشمن کی تمیز نہ رہی اپنوں پر بھی تلواریں کبھی کبھار چل جاتی تھیں۔ خدا خدا کرکے دن ہوا مگر جنگ کی شدت میں کسی قسم کی کمی واقع نہ ہوئی۔ میدان کارزار لاشوں سے اٹ گیا۔ خون کی ندیاں بہہ گئیں۔ لڑتے لڑتے سورج ڈھل گیا۔

اس کے بعد زرخانی (تمن بگٹی) اور مزاریوں کے درمیان خونریز جھڑپوں اور ہولناک جنگوں کا لامتناہی سلسلہ جاری ہو گیا فریقین کے مابین ایک ہولناک جنگ کوہستان میں میت تڑ کے مقام پر ہوئی جس میں دونوں طرف کے بہادروں نے اپنی شمشیرزنی کے جوہر خوب دکھائے میدان کارزار لاشوں سے اٹ گیا اور خون کی ندیاں بہہ گئیں صبح سے یہ جنگ شروع ہوئی اور رات ہونے پر بغیرہار جیت کے ختم ہو گئی اس معرکہ میں دونوں طرف کے بڑے بڑے سورما مارے گئے مزاریوں میں سے بھتہ خان' جیون خان اور دریہال خان کھیڑو اور بجارخان عمرانی و میرہان خان ہڑوانی ایسے بہادر قابل ذکر ہیں اول الذکر تینوں کا دو خان کھیڑو کے بھائی تھے اور کا دو خان بڑا جری اور حد درجہ بہادر شخص تھا اس نے اپنے بھائیوں اور دوسرے مقتولوں کے بدلہ لینے کی غرض سے زرخانیوں (تمن بگٹی) پر تابڑ توڑ حملے شروع کر دیئے اور زرخانی بھی نہایت بہادری سے تلوار کا جواب تلوار سے دیتے رہے۔ اس طرح فریقین میں کافی عرصہ تک خونریز جھڑپیں اور تباہ کن جنگیں ہوتی رہیں۔ اور یہ بلامروت لوگ اس قسم کے خونی کھیل کھیلتے رہے جن کی تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں۔

ان کی ایک لڑائی سوری تڑ کے مقام پر ہوئی اس لڑائی میں مزاری سورماؤں نے زرخانی (تمن بگٹی) کے بہادروں کو شکست دیکر ان کے بہت سے بہادروں کو قتل کیا۔ ایک بار کلاوخان کھیڑو مزاری بہادروں کے لشکر کو لیکر تمن بگٹی کے گڑھ سیاہ آف (ڈیرہ بگٹی) پر بھی حملہ آور ہوا تھا۔

جنگ پٹی

روز روز کی تباہ کاریوں اور خونریزیوں سے تنگ آکر تمن بگٹی کے سردار سلام خان نے مزاریوں کے سردار میربہرام خان اول کے پاس کہلا بھیجا کہ روزانہ کی

پھنس گئے اور نہایت بہادری اور جانبازی سے لڑتے ہوئے وہ بھی مقتول ہو گئے اپنے سرکردہ سرداروں کو مرتا دیکھ کر بزدانی ولد کے جوان دہشت زدہ ہو کر پیچھے ہٹ گئے جبکہ سلام خان نے ان کو جوانمردی دکھانے کی بڑی ترغیب دی مگر ان کے اعصاب پر بگٹی سرداروں کی ہیبت بے حد طاری ہو چکی تھی کہ بگٹی بہادروں نے یہ حالت دیکھ کر اپنی پوری قوت و طاقت کے ساتھ یلغار کردی تو بزدانی جوان یکدم گھبرا کر میدان کارزار سے بھاگ کھڑے ہوئے اب مذاری بہادر بگٹی بہادروں کے مقابلہ میں قلیل تعداد میں رہ گئے تھے باوجود اس کے انہوں نے اپنی شجاعت اور جانبازی کا مظاہرہ کرتے ہوئے بگٹی بہادروں کی یلغار کو اپنی تلواروں پر روک کر انہیں پیچھے دھکیل دیا مگر سردار سلام خان کے دوبارہ ہمت دلانے پر بگٹی بہادر سنبھل گئے اور انہوں نے پلٹ کر نہایت زوروشور سے مذاری بہادروں پر حملہ کردیا۔ تو مذاری بہادروں کے پاؤں اکھڑ گئے اور ان کی فتح شکست میں بدل گئی وہ اپنے زخمیوں اور مقتولوں کو میدان جنگ میں چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ میدان بگٹی بہادروں کے ہاتھ رہا اور وہ فتح و نصرت کے شادیانے بجاتے ہوئے چلے گئے اس جنگ میں دو سو بیس (۲۲۰) مذاری بہادر اور ایک سو اسی (۱۸۰) تمن بگٹی کے بہادر جوان مارے گئے یہ جنگ غالباً" ۱۸۵۰ء کے لگ بھگ لڑی گئی۔

اس جنگ کے بعد تمن مذاری اور تمن بگٹی میں جنگیں ہوتی رہیں کیونکہ رائے ہتورام نے اپنی معروف کتاب تاریخ بلوچستان میں لکھا ہے کہ ۱۸۶۳ء تک تمن بگٹی اور تمن مذاری میں جنگیں جاری تھیں مگر ان جنگوں کی تفصیلات ہمیں کہیں سے نہ مل سکیں۔ یہ رہی مذاری بہادروں کی مختصر سرگزشت اب آگے چند عبرت آموز جنگی واقعات بھی سن لیجئے۔

مذاریوں کا بوڑھا مگر بہادر سردار میر بہرام خان اپنی تلوار لیکر اور نعرہ لگا کر جوش و جلال سے جانبازانہ انداز میں دشمن کی صفوں میں گھس گیا اور نہایت تیزی سے تلوار کے جوہر دار چلاتے ہوئے گرج کر اپنے مذاری بہادروں سے کہا کہ شاباش میرے جانبازو دو دن سے جاری جنگ کو اب فوراً ختم ہو جانا چاہیئے ہمت کرو اور دشمن پر پوری قوت سے یلغار کرکے اسے نیست و نابود کردو عنقریب فتح تمہاری ہے۔

مذاری بہادروں نے نہایت جانبازی کا مظاہرہ کرتے ہوئے دشمن کی صفوں کو درہم برہم کردیا۔

سردار سلام خان نے حالات کی نزاکت کو بھانپتے ہوئے اپنے بہادروں سے کہا کہ خبردار ہو جاؤ دشمن تھک چکا ہے یہ اس کی آخری کوشش ہے جنگ کا فیصلہ تمہارے حق میں ہونے والا ہے۔ ہمت کرو اور مذاریوں پر یلغار کر دو۔ یہ سن کر بگٹی سورماؤں نے سنبھل کر مذاری بہادروں پر ہلہ بول دیا۔ بہادر مذاریوں نے جان کی بازی لگا کر ان کی یلغار کو اپنی تلواروں پر روک کر ان کو دہشت زدہ کرکے پیچھے ہٹنے پر مجبور کردیا۔

قریب تھا کہ بگٹی سورما شکست خوردہ ہوکر میدان کارزار سے بھاگ کھڑے ہوں مگر اس دوران مذاریوں کا شمشیرزن بہادر کادو خان کھیتڑ بگٹیوں کے نرغے میں آگیا انہوں نے ایک دوسرے سے کہا کہ شاباش بہادرو۔ یہ ظالم اور درندہ صفت انسان نہ جانے پائے اس نے ہمارا بہت نقصان کیا ہے اور اس نے ہمارے بے شمار آدمی قتل کئے ہیں کادو خان نے بگٹیوں کے نرغے سے نکلنے کی بڑی کوشش کی مگر کامیاب نہ ہوسکا اور نہایت بہادری سے لڑتا ہوا مارا گیا۔

جذبہ انتقال کے تحت بگٹیوں نے اس کا سر کاٹ لیا اور بعد میں اس کے سر کو اپنے ساتھ لے گئے۔

اسی دوران مذاری بہادروں کے چند دوسرے سورما بھی بگٹیوں کے نرغے میں



کہاٹ سے نکل کر تمام فوجیوں کو مع لیفٹیننٹ کے قتل کر ڈالا اور پھر فوراً کاہان پر حملہ کرکے قلعہ کا محاصرہ کر لیا کیپٹن براؤن مع ایک سو چالیس فوجیوں کے قلعہ کاہان میں پھنس کر رہ گیا۔ انگریز افسروں کو جب اطلاع ہوئی تو انہوں نے اپنے آدمیوں کو یہاں سے بچا کر نکالنے کیلئے فوج کا ایک دستہ میجر کلیبورن کی قیادت میں کاہان روانہ کیا جس میں ۴۹۴ پیدل سپاہی اور ۳۴۳ گھوڑ سوار تھے اس کے علاوہ ان کے پاس چار توپیں بھی تھیں یہ مہینہ اگست کا تھا اور سخت گرمی کا موسم تھا۔

مری بہادروں کی فوجی ہنرمندی اور عقلمندی کی جتنی تعریف کی جائے بہت کم ہے انہیں پتہ تھا کہ انگریز اپنے فوجیوں کو چھڑانے کیلئے ضرور آئیگا مری بہادروں نے نفوسک کے مقام پر گھات لگائی جب فرنگی فوج ادھر سے گذری تو مری بہادروں نے ان پر دھاوا بول دیا یہاں پر پانی کی کمی اور علاقہ پہاڑی کھل کر لڑائی نہیں ہو سکتی تھی پہاڑوں کی وجہ سے نہ تو توپ خانہ ٹھیک طریقے سے استعمال ہوسکتا تھا اور نہ ہی گھوڑے کام دے سکتے تھے سارا دن لڑائی جاری رہی۔ مری جانبازوں نے انگریزی فوج کو رگید ڈالا۔ اس کے چار افسر اور ۱۸۰ سپاہی مارے گئے اور ۹۲ زخمی ہوئے توپیں اور دیگر بے شمار سازوسامان میدان جنگ میں چھوڑ کر انگریزی فوج شکست کھا کر بھاگ کھڑی ہوئی۔

اب انگریزوں کا دماغ ٹھکانے آ چکا تھا کہ مری بہادروں کے ساتھ دوبدو لڑائی آسان نہیں اور نہ اس طریقہ سے کاہان کے محصور فوجی رہائی پا سکتے ہیں انہوں نے روپیہ پیسہ دیکر اپنے فوجیوں کی جان چھڑائی اس وقت مریوں کا سردار دودہ خان تھا اس نے رقم لیکر کیپٹن براؤن اوراس کے فوجیوں کو کاہان سے جانے کی اجازت دیدی۔

اسی طرح کئی سالوں تک مری بہادروں نے انگریزوں کو خوب رگیدہ اور اپنے ملک میں قدم جمانے بھی نہ دیا۔ پھر انگریزوں نے مجبور ہوکر لالچ اور سازشوں کے ذریعہ

مری بہادروں کی انگریزوں سے جنگیں

مری بلوچوں کا ایک زبردست اور بہت بہادر قبیلہ ہے۔ ۱۸۳۹ء میں انگریزوں نے افغانستان پر چڑھائی کی سیوی کے قریب سے گزرے تو بہادر مریوں نے ان کی فوج کو اوجھڑ ڈالا۔

انگریزوں نے غصہ میں آکر سیوی (سبی) پر قبضہ کرلیا۔ اس قبضے کے بعد اس نے مری بگٹی علاقے کی طرف رخ کیا۔ تو مریوں اور بگٹیوں نے انہیں ایک قدم بھی آگے بڑھنے نہیں دیا اور مار مار کر انہیں بھگا دیا۔ اسی طرح ہربار انگریزی فوج حملہ کرتا اور ہربار اسے بہادر بلوچوں سے شکست کھانا پڑتی یہاں تک کہ انگریزی فوج بہادر بلوچوں کے ہاتھوں مفلوج ہو کر رہ گئی۔ آخرکار میجر بلیمور کو حکم ملا کہ ان لوگوں پر پوری قوت سے حملہ کرکے انہیں سبق پڑھایا جائے میجر بلیمور نے ایک زبردست فوج تیار کی اور انہیں ہرطرح کے ہتھیاروں سے لیس کیا اور مریوں پر حملہ کردیا۔ مری بہادر بھی سینہ سپر ہوگئے زبردست جنگ ہوئی اس جنگ میں مری بہادروں نے اپنی پوری جانبازی دکھائی ان کی شجاعت و بہادری کو دیکھ کر انگریز افسر مبہوت ہوگئے طاقت کا توازن برابر کا نہ تھا مری بہادر اپنے ملک و وطن کی آزادی پر کٹ کٹ کر گرنے لگے آخرکار انگریزی فوج نے اپنے نئے ہتھیاروں کے بل بوتے پر مری بہادروں کو پیچھے دھکیل دیا۔

اس کے بعد انگریزی فوج نے بہادر مریوں کے صدر مقام کاہان پر حملہ کردیا مری بہادر ان سے گتھم گتھا ہوگئے غضب کا کارن پڑا کشتوں کے پشتے لگ گئے ہنوز بے انتہا خونریزی کے بعد کاہان کے قلعہ پر انگریزی فوج نے قبضہ کرلیا اور کیپٹن لوئس براؤن کو حکم دیاگیا کہ کاہان میں رہے تاکہ سرکار برطانیہ کا قبضہ یقینی ہو جائے مریوں نے اپنے علاقے میں ہرجگہ مورچے قائم کر دیئے ایک بار کیپٹن براؤن نے اپنے ایک لیفٹیننٹ کو مع تین سو پیدل فوج اور پچاس گھڑسواروں کے پھلیجی بھیجا۔ جب یہ دستہ سرتاف تنگی کے پاس پہنچا تو مری بہادر گھات لگائے بیٹھے تھے انہوں نے

پناہ انتقام اور نسبی حمیت کے بارے میں بلوچی ذہنیت کے چند عجیب و غریب واقعات

پناہ سے متعلق

جنگ باغار

اس خونریز جنگ کا سبب گرگٹ بنا۔ جس کو بلوچی میں باغار اور سرائیکی میں کانا اور کوڑھیا کٹا کہتے ہیں۔

روایت ہے کہ بلوچوں کے لڑکے مویشی چرا رہے تھے جھاڑیوں میں سے قسمت کا مارا ہوا ایک باغار نکلا تو چرواہے لاٹھیاں لیکر اس کے مارنے کو دوڑے باغار اپنی جان بچانے کی خاطر ادھر ادھر بھاگتا ہوا وڈیرہ شاہن خان کے کھل (خیمہ) میں جا گھسا وڈیرہ شاہن خان گھر پر موجود نہ تھا اس کی بیوی مائی سمی نے انہیں باغار مارنے سے روکا اور بہت منت سماجت کرتے ہوئے انہیں کہا کہ بچو تم اس غریب جانور کو مت مارو اب یہ میری پناہ میں آ چکا ہے۔ چنانچہ بلوچی شاعر کہتا ہے کہ

پچ نہ ویزھا پہ منتاں جناں
چھورواں باغار کشتہ پہ لٹھاں

یعنی گنوار لڑکوں پر منت کا کچھ اثر نہ ہوا اور انہوں نے باغار کو لاٹھیوں سے مار ڈالا۔

لڑکے باغار کو مار کر چلے گئے تو شاہن خان کی بیوی مائی سمی نے اٹھا کر اپنے آگے رکھا اور اس پر رونے اور بین کرنے لگ گئی۔

مغلوب کرنے کا ارادہ کیا دوسرے قبائل کو مریوں سے لڑا دیا اس نے آپس میں لڑاؤ اور حکومت کرو کی پالیسی پر عمل کرکے نہ صرف مریوں کو بلکہ تمام بلوچ قبائل کے ساتھ ایسا معاملہ کرکے ان کو مغلوب کیا اس میں روپے پیسے کی لالچ کو بڑا عمل دخل تھا۔ انگریزوں نے سب سے پہلے سیوی کے آس پاس کے بلوچ قبائل کو کچھ ڈرا دھمکا کر اور کچھ بہلا پھسلا کر اور لالچ دیکر اپنے ساتھ ملایا۔ پھر ۱۸۳۹ء میں مری اور قلات کے بروہیوں کو لڑایا اور بروہیوں سے کہا کہ یہ تمہاری رعایا ہیں ان کو سیدھا کرو اور اپنے علاقہ میں امن قائم کرو ہم تمہاری مدد کو حاضر ہیں انہیں ہتھیار اور روپے پیسے دیئے اور قبائیلوں کو بھی ساتھ ملایا تو مریوں کو پیغام بھیجا کہ خبردار جو درہ بولان کے قریب بھٹکے ہم آرہے ہیں جس کو ہمت ہو ہمیں روکے۔

انگریز اپنی فوج لیکر آگے بڑھے تو مری بہادر اپنی فوج لیکر بی بی نانی کے مقام پر انگریزی فوج سے ٹکرا گئے سخت جنگ کے بعد مری بہادروں نے شکست کھائی ان کے لشکر کی تعداد کل تیرہ سو تھی اور اس جنگ میں ساڑھے سات سو مری بہادر اپنے ملک و وطن کی آزادی کیلئے لڑتے ہوئے شہید ہو گئے پھر مریوں نے دوبارہ ہڑی کے میدان میں نہایت بہادری سے انگریزی فوج پر حملہ کیا تو یہیں بھی شکست کھائی اور اس کے بعد مری بہادروں کی طاقت کمزور ہوتی گئی انہوں نے گورا سامراج کو اپنے وطن سے نکالنے کی بڑی کوشش کی مگر انہیں ہر میدان میں شکست سے دوچار ہونا پڑا۔

دراصل ان کو شکست دینے والے انگریز نہ تھے بلکہ اپنے ہی تھے جن کو انگریزوں نے اپنے ہی لوگوں سے لڑنے کیلئے خریدا تھا۔ جب مری بہادروں کو اپنوں کا سامنا ہوا تو ان کا زور ٹوٹ گیا۔ اور انگریزوں سے جنگ کرنے کی ان میں طاقت نہ رہی کہ

من از بیگانگاں ہرگز نہ نالم
کہ بامن ہرچہ کرد آں آشنا کرد

کرکے وڈیرہ شاہن خان کے چند جوانوں کو انتقام میں قتل کر دیا۔ اب بارود میں چنگاری اچھی طرح پڑ چکی تھی اسی طرح یہ خونی کھیل کئی سالوں تک جاری رہا اور دونوں طرف سے بے شمار آدمی مارے گئے۔

آخرکار دونوں متحارب گروہوں نے ایک دوسرے کو کھلے میدان میں للکارا فریقین کے بہادر میدان میں نکل آئے اور ایک دوسرے سے ٹکرا گئے فولادی تلواریں نیاموں سے تڑپ کر باہر آگئیں سرکٹ کٹ کر گرنے لگے لاشے تڑپنے لگے خدا کی دھرتی خون سے تربتر ہوگئی وڈیرہ شاہن خان نے جو وعدہ اپنی پیاری بیوی سے کیا تھا وہ پورا کر دکھلایا کہ

من پھرا باغار کھناں چھوتا
کہ اے ڈغار شہمی ہی گوں ہوتا

صبح سے جنگ شروع ہوکر جب شام کو ختم ہوئی تو دونوں طرف سے ایک سو دس آدمی باغار کی نذر ہوچکے تھے۔

شنگرا شصت و شانگرہ پنجاہ
درپہ باغار ہی زہے غاں یکجاہ

یہ واقعہ سترہویں صدی کے ابتدائی دور کا معلوم ہوتا ہے۔

انتقام سے متعلق

جنگ بالاچھ

انتقام سے متعلق یہ جنگ بلوچستان اور اس کے دامانی علاقوں میں جنگ بالاچھ کے نام سے مشہور ہے اور اس جنگ کا قصہ ہر بلوچ کو ازبر ہے۔ بلوچی لوگ اسے نہایت شوق سے بیان کرتے ہیں اور اسے سنتے ہیں گویئے اپنے سازینوں کے ساتھ اس جنگ

باغارے منال بازیں ارمائیں

کہ قریزھا گوں باؤلیں باغارا

یعنی مجھے باغار کے مارے جانے کا بیحد افسوس ہے کہ ناہنجار لڑکوں نے اس بے گناہ اور غریب جانور کو ظلماً" مار ڈالا ہے۔

ادھر سے وڈیرہ شاہن خان بھی آ گیا۔ اپنی پیاری بیوی کو اس طرح روتے اور بین کرتے دیکھ کر اس نے پوچھا کہ خیر تو ہے آج کیا حادثہ پیش آیا تو اس کی بیوی مائی سمی صاحبہ نے باغار کے مارے جانے کا تمام واقعہ سنا کر فورا" الٹی میٹم دیدیا کہ

تھو پہ باغار اغ نہ کت کائی

ماں تھئی گوا روتھو منی بھائی

یعنی چرواہوں نے جو ہماری پناہ میں آئے ہوئے باغار کو مار ڈالا ہے اگر تو نے اس کے خون کا بدلہ نہیں لیا تو پھر تم مجھ کو اپنی بہن سمجھو اور میں تمہیں اپنا بھائی سمجھوں گی۔ یہ سن کر وڈیرہ شاہن خان کانپ اٹھا اور بولا

او آں ماہیں گال میا گوں ماں

تھو منی زال و ماں تھئی جو واں

یعنی اے میری پیاری مجھے ایسی بات مت کہہ تو میری بیوی اور میں تیرا خاوند ہوں اب کان کھول کر سن لے کہ

من پھرا باغار کھناں چھونا

کہ اے ڈغار شہمی بی گوں ہونا

یعنی میں باغار کے خون کا بدلہ اس طرح لوں گا کہ یہ دھرتی خون سے تر بتر ہو جائیگی۔

صبح کو وڈیرہ شاہن خان نے اپنے بہادر نوجوانوں کو لے جاکر باغار مارنے والوں کی بستی پر حملہ کردیا اور ان کے چند آدمی مروا کر واپس آگیا۔ پھرباغار مارنے والوں نے حملہ

گھوڑی کو تھپتھپاتے ہوئے اس سے مخاطب ہوا۔

مں تھرا شیرو اِدہ نکی قند و کھاراں
داں کھڑا شیر نکی لاکھیں کھا
پاکھی سو ساڑتیں تک
دازھو مں تھرا تی کہ زہا
تی کہ زھوں ت بے روشکی
نی منتاں کونتاں نیں کوڑاں کو تکیں دے

یعنی اے گھوڑی میں نے تجھے کٹوروں اور خوبصورت پیالوں میں دودھ پلایا بہترین سے بہترین غلہ تجھے پیٹ بھر کر کھلایا تیری مالک یعنی میری بیوی سر پر ٹھنڈا پانی ڈھو ڈھو کر تجھے پلاتی رہی جب تو ہنہناتی یا سیر ہو کر کھر کھر کرتی تو میں تجھے جی جی کہتا۔ میں نے تجھے ایسے نازک موقعہ پر کام آنے کیلئے پالا ہے اب مجھے اپنی برق رفتاری سے سمو کی گائیوں تک پہنچا دے۔

یہ کہہ کر اس نے سرن (گھوڑی) پر سوار ہو کر ایڑ لگائی اور وہ ہوا ہو گئی۔ دودہ خان کے چاروں بھائی کھابڑی خان، ننگر خان صوبدار خان شاہو خان اور ان کا ایک دوست جام قوم جھک جو ان کے ہاں مہمان ہو کر آیا ہوا تھا یہ پانچوں بھی ہتھیار سجا کر اپنی تیز رفتار گھوڑیوں پر سوار ہو کر دودہ خان کے پیچھے چل کھڑے ہوئے اور راستہ میں دودہ خان کو پہنچ گئے۔ دودہ خان نے جام جھک کو دیکھا تو اسے کہا کہ تو واپس لوٹ جا تو جاٹ (غیر بلوچ) ہے تلواروں کی جنگ لڑنا تیرے بس سے باہر ہے۔ جام جھک نے کہا کہ نہیں بھوتار آپ دیکھ لیں گے کہ میں تلوار بازی کے جوہر کیسے دکھاتا ہوں دودہ خان نے اسے بار بار روکا مگر وہ ان کے ساتھ جانے پر بضد رہا۔ خیر انہوں نے اپنی گھوڑیوں کو سرپٹ دوڑایا اور آن کی آن میں سیاہ آف (ڈیرہ بگٹی) کے قریب بلیدی

کی بلوچی نظم کو مجلسوں میں گا گا کر داد وصول کرتے ہیں۔

اس جنگ کا پس منظر کچھ یوں ہے کہ سمو نامی ایک نامور جاٹ (غیر بلوچ) خاتون اپنے مال مویشی لیکر بلاچھ خان اور دودہ خان گرگیج بلوچوں کے پاس ان کی امان میں آ بیٹھی۔ اس زمانہ میں گرگیج (گرگیشر) بلیدی 'گذانی' مذاری' بزدار' نالبر وغیرہ کوہ سلیمان میں سیاہ آف کے اطراف و جوانب میں بودوباش رکھتے تھے۔ موندر خان اور بجار خان بلیدی بلوچوں نے اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ سمو کی گائیوں پر ڈاکہ ڈالا اور انہیں لے اڑے کارزہ نامی چرواہے نے سمو کو اس سانحہ کی آکر خبر سنائی تو وہ روتی پیٹتی دودہ خان کے پاس آئی دودہ خان گہری نیند سو رہا تھا اس کی والدہ اور ساس نے جلدی سے اسے بیدار کیا چنانچہ بلوچی شاعر کہتا ہے کہ

مازھا کھڑو کتھے زا شیمیں تا
وی آ بلانہہ زریں تا

پھر اس سانحہ کی خبر دیتے ہوئے اسے کہا کہ

دودہ آں مڑ کہ کھننت بونجی آں
روشے نہ کھننت وھاواں

یعنی اے دودہ خان بہادر لوگ دوسروں کو اپنی امان میں رکھ کر اس طرح غفلت کی نیند نہیں سویا کرتے۔ اٹھ کر ڈاکوؤں کا پیچھا کر

یا گو خاں سر جما تھریں بیار
یاوزی ہیسی ایں سرا زیاں دار

یعنی یا گائیوں کو ڈاکوؤں سے صحیح سلامت واپس لے آیا یا اپنا پیارا سر قربان کر دے۔

یہ سن کر دودہ خان اٹھ کھڑا ہوا اور اپنے بھائیوں کو بھی تیاری کا حکم دیا۔ دودہ خان نے جلدی جلدی اپنی گھوڑی (سہرن) پر ساج رکھے اور ضروری ہتھیار سجا کر

کی بستی پر حملہ کرتا اور ان کے آدمیوں کو ذبح کر کے صحیح سلامت نکل جاتا بلیدی اس کے مارنے کو پیچھا کرتے مگر یہ جادو جا ان کی آنکھوں سے اوجھل ہو جاتا اور وہ کف افسوس مل کر رہ جاتے اسی طرح بالاچ خان نے اپنے خونی حملوں سے بلیدیوں کی ناک میں دم کر دیا۔ بلیدی قبیلہ کے لوگ بہادر بالاچ خان کے خونی حملوں سے بہت تنگ آ چکے تھے اور ہر وقت ان کے گھروں میں ماتم بپا تھا انہوں نے جان لیا کہ اگر بہادر بالاچ خان کی یہی حالت رہی تو ان کی نسل ختم ہو جائیگی۔ انہوں نے بالاچ خان سے صلح کرنے کا فیصلہ کیا اور اس کے پاس بلوچی میڑھ یعنی قوم کے معززین معتبرین اور دیگر لوگ لے گئے مگر اس نے ان کو یہ جواب دیا کہ

نے او دو نے ہم پھو ہیں
گزاں کھنڈو ماراں پھاڑ
لاوے نر ہدار لاؤ ہال
کوفانی نریں روز زایاں
گراں کونیں گراغ شیر بیایاں
دستاں نی تلیاں پھٹ روزاں

یعنی میرے دشمنوں سے میری صلح اس وقت ہوگی جب گز (لئی) کے درخت کو کانٹے ہوں۔ سانپوں کے پیر ہوں جنگل کے شیر مطیع ہو جائیں نیل بچے جنیں کائیں کائیں کرنے والے کوے دودھ دیں اور ہاتھوں کی تلیوں میں بال اگ آئیں۔

جب بہادر بالاچ خان نے اسی طرح کہا تو بلیدی بیحد مایوس اور حد درجہ پریشان ہوئے اور پھر اپنی جان بچانے کی خاطر اپنے اصلی ٹھکانے سے اٹھ کر دوسرے مقامات کی طرف منتقل ہونے لگے۔ وہ راتوں کو چھپ چھپا کر کسی اور جگہ منتقل ہو جاتے صبح کو دیکھتے کہ بہادر بالاچ خان بھی ان سے کچھ فاصلہ پر اپنی گدڑی (خیمہ) لگائے بیٹھا

لیڑوں کو جا للکارا۔ فرار جانے نہ پائے گئے۔ بلیدی چلنے اور فریقین ایک دوسرے سے گتھم گتھا ہو گئے بلیدی لیڑوں کے مقابلہ میں گرچہ بہادروں کی تعداد بہت کم تھی مقابلہ برابر کا رہا۔ تھا سخت جنگ کے بعد گرچہ بہادر نہایت جانبازی سے لڑتے ہوئے بلوچی عزت پر قربان ہو گئے۔ اور بلیدی لیڑوں کے بھی چند آدمی ان کے ہاتھوں مارے گئے۔ جس وقت لڑائی شروع ہوئی تھی تو جام جھک پر وحشت طاری ہو گئی تھی وہ دور کھڑا تھا اور مارے خوف کے اس کے بدن پر کپکپی طاری تھی۔ تلوار اس کے ہاتھ سے گر پڑی وہ نہ تو کہیں بھاگ سکتا تھا اور نہ اس میں لڑنے کی طاقت تھی۔ وہ صرف الامان والحفیظ پکار رہا تھا۔ دودہ خان نے اس کی یہ حالت دیکھ کر اس سے کہا کہ ارے ڈرپوک میں نے تجھے کہا نہ تھا کہ فولادی تلواروں کے سامنے جانا تیری طاقت سے باہر ہے۔ ہم مارے جا رہے ہیں اب تو فوراً جاکر ہمارے وارثوں کو اطلاع دے۔

جب دودہ خان اور اس کے بھائی مارے گئے تو جام جھک بدحواسی کے عالم میں ہانپتا کانپتا گرتا پڑتا ان کے بھائی بالاچھ خان کے پاس پہنچا اور اسے اس سانحہ کی خبر سنائی۔

بالاچھ خان نہایت دبلا پتلا ہونے کے ساتھ ساتھ ایک پیر سے بھی قدرے لنگڑا تھا اس نے بلوچی قول (اقرار) کیا کہ وہ بلیدیوں سے اپنے بھائیوں کا ضرور انتقام لے گا مگر بلیدیوں کے زبردست قبیلہ سے لڑنا کوئی آسان کام نہ تھا۔

کہتے ہیں کہ اس نے کافی سوچ و بچار کے بعد حضرت سخی سرور رحمتہ اللہ علیہ کے مزار کا رخ کیا اور ایک سال تک مزار کی خاک روبی کرتا اور مٹکے ڈھوتا رہا ایک رات حضرت سخی سرورؒ نے اسے خواب میں فتح و کامیابی کی بشارت دیتے ہوئے کہا کہ اے بالاچھ جا دشمن سے مقابلہ کر فتح ہمیشہ تیری ہوگی لیکن دن کے وقت ان سے جنگ ہرگز نہ کرنا جان لے جب تو دشمن سے دن کے وقت لڑا بس وہی دن تیری ہار کا ہوگا بالاچھ خان یہ بشارت سن کر اپنے گھر آیا۔ اور راتوں کو بلیدیوں پر حملے شروع کر دیئے بلیدیوں

غارت کی غرض سے بھیواروں سے بچ بچاکر بستی میں داخل ہوا۔ ایک خیمہ کے سامنے ڈھال لٹکی دیکھ کر آگے بڑھ گیا۔ اور اس کے قریب دوسرے خیمہ پر حملہ کرکے اس کے مکین کو موت کی نیند سلا کر چلا گیا۔

صبح کو جنگی خان کا ایک قریبی عزیز عمرخان ڈوگرانی دشتی ایک دوسرے شخص جنگوخان سیفلانی کو لیکر بہادر بالاچ خان کے پاس چلا گیا چنانچہ بلوچی شاعر کہتا ہے کہ۔

عمرا پھنا زی بیر ھو جتا گوانکے
بالاچھا تھا مڑا نیا تھووزی دینے براورے کشتہ
اڑ ما ڈوگرانیاں مجلیس ساھگے ستا

یعنی عمرخان ڈوگرانی نے بہادر بالاچ خان کو دور سے کھڑے ہوکر اس سانحہ کی اطلاع دیتے ہوئے کہا کہ اے بہادر بالاچ تو نے رات کو اپنا پیارا دوست جنگی خان مار کر ہم سے دوستی کا رشتہ ہمیشہ ہمیشہ کیلئے توڑ لیا ہے بہادر بالاچ خان یہ سن کر جان گیا کہ ہو نہ ہو ضرور یہ حرکت جنگی خان کی بیوی کی ہو سکتی ہے پھر اس نے جواب دیا کہ۔

ڈوہ منال نیں نو ڈوگرانیاں
جک جاتھی ایں سیفلانیاں
کھلے داوزی موجاں نی ولے حالا
ف سیاہ مار واڑ تھغیس زالا
مڑجنیں تو در بر تھی سالا

یعنی ۔ اے ڈوگرانی اور سیفلانی دوستو۔ یہ میرا قصور نہیں یہ جنگی خان کا خود اپنا ہی قصور ہے۔ اس نے اپنے دل کا راز اپنی بیوی کو بتا دیا ہوگا تو اس سانپ کٹی نے ڈھال اپنے بھائی کے در پر لٹکا دیا اپنے خاوند کو مرا کر اس نے اپنے بھائی کو بچالیا۔

بلیدی جان چکے تھے کہ بالاچ خان ان کی نسل ختم کرنے کا ارادہ رکھتا ہے تو وہ کوہ

انھیں قہر آلود نگاہوں سے گھور رہا ہے اور اس کا مُنہ بھٹ مُرغا ان کی طرف منہ کرکے نہایت بانکپن سے اپنے پر پھڑپھڑا کر نعرے لگا رہا ہے ککڑوں کوں بھئی ککڑوں کوں۔ اور اس کا بچہ شریر گدھا ان پر ڈمپھوں ڈمپھوں کے آوازے کس رہا ہے یہی حالت دیکھ کر بلیدیوں کے اوسان خطا ہو جاتے کیونکہ ان کے دلوں میں بہادر بالاچ خان کی بے انتہا ہیبت اور دہشت بیٹھ چکی تھی۔ اور وہ اس کو بے پناہ غیبی قوت کا مالک اور ناقابل شکست ہستی خیال کرنے لگے تھے۔ اور وہ اس وہم میں مبتلا ہو چکے تھے کہ بہادر بالاچ خان سے مقابلہ کرنا اور اسے مارنا شکست دینا انسانی بس سے باہر ہے (بہادر بالاچ کے بارے میں بلوچوں کا آج تک یہی عقیدہ ہے)

بہادر بالاچ خان کے خوف سے دوسری رات وہ کسی اور جگہ منتقل ہو جاتے مگر حسب سابق بالاچ خان کو اپنے قریب پاتے۔ جنگی خان ڈوگرانی دشتی بلیدیوں کا داماد تھا وہ اکثروبیشتر ان کے ساتھ بودوباش رکھتا تھا۔ بعض لوگ اس کا نام عیسو بھی بتاتے ہیں۔ اور بالاچ خان کے ابتدا ہی سے اس کے ساتھ گہرے دوستانہ تعلقات تھے بہادر بالاچ خان نے اسے سمجھا دیا تھا کہ وہ راتوں کو ہمیشہ اپنی کھڑی (خیمہ) کے در پر اپنی ڈھال لٹکا دیا کرے۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ جب وہ بلیدیوں کی بستی پر حملہ کریگا تو خیمہ کے در پر ڈھال دیکھ کر جان لیگا کہ یہ مسکن اس کے پیارے دوست جنگی خان کا ہے۔ اور وہ اس سبب سے بہادر بالاچ خان کے وار سے محفوظ رہ جائیگا۔ جنگی خان بہادر بالاچ خان کے فرمان کے مطابق ہمیشہ عمل کرتا رہا۔ اس نے اس راز کو مخفی رکھا کیونکہ بہادر بالاچ خان نے اسے یہ راز کسی کو بتانے سے منع کردیا تھا۔ ایک رات جنگی خان نے اپنی بیوی مائی زیندغ کے اصرار پر اسے سب کچھ بتا دیا پھر کیا ہوا۔ جب چند پہرے دار چھوڑ کر سب لوگ گہری نیند سو گئے تو جنگی خان کی بیوی مائی زیندغ نے اپنے خیمہ کے در سے ڈھال کھول کر اپنے بھائی کے در پر لٹکا دیا رات کو بالاچ خان حسب معمول قتل و

سے مقام ڈیرہ جارہ چھین لیا۔ اور تھوڑے سے عرصہ میں اپنی قابلیت کی دھاک بٹھا دی۔ اور لگاتار اپنی ریاست کو وسعت دینے میں مصروف رہے۔ اس نے نہ صرف گردو پیش کے اپنے آبائی مقبوضات واپس لئے بلکہ نئے علاقے بھی فتح کر لئے یہاں تک کہ اس کے زیر نگین ایک بہت بڑا علاقہ آگیا مہان سنگھ کو اقتدار حاصل ہوا تو فتح خان نے سیاسی وجوہات کے پیش نظر اس کو کچھ تھوڑا سا خراج دینا مناسب سمجھا۔ اس کے بعد مہاراجہ رنجیت سنگھ کو بھی کچھ خراج بطور نذرانہ دینا منظور کیا۔ اور اپنی خودمختاری بہرحال قائم رکھی۔

انہیں ایام میں ایک عجیب و غریب واقعہ پیش آیا جس سے فتح خان پر مصائب و تکالیف کے دروازے کھل گئے رنجیت سنگھ کی موران نامی کنجری کے بطن سے ایک لڑکی تھی جو حسن و جمال میں بے مثال تھی راجہ اس لڑکی کا رشتہ کسی سکھ سردار سے کرنا چاہتا تھا مگر موراں بضد تھی کہ میں اس کی شادی کسی مسلمان نواب سے کروں گی کیونکہ میں مسلمان ہوں اور یہ لڑکی میرے بطن سے پیدا ہوئی ہے آپ کے ناجائز نطفہ سے میری یہ لڑکی نہ آپ کی ہو سکتی ہے اور نہ سکھ بن سکتی ہے۔ انجام کار مہاراجہ نے ہار مان لی اور اپنے ایک مشیر حاکم دین کو بلا کر اس بارے میں مشورہ کیا اس نے کہا کہ ساہیوال کا نواب فتح خان نہایت خوبصورت اور بہادر نوجوان ہے اس لڑکی کیلئے اس سے بہتر رشتہ ملنا ناممکن ہے اس مشورہ کے بعد موران نے حاکم دین کو ساہیوال روانہ کیا کہ وہ فتح خان کو اس رشتے پر راضی کرے ساتھ ہی اسے لالچ بھی دیا کہ شاہی محل کے وہ تمام مکانات جو قیمتی سامان سے بھرے پڑے ہیں نیز وہ تمام جواہرات ہیرے اور سونے کے زیورات جو لاکھوں کی مالیت کے ہیں لڑکی کے جہیز میں دیئے جائیں گے۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ نے مزید کہا کہ اگر رشتہ منظور ہوگیا تو پشاور تک کا علاقہ نواب فتح خان کی سرداری میں دے دوں گا۔ حاکم دین خوش تھا کہ جب لڑکی حسین ہے اور ایک

سلیمان (سیاہ آف) کی وادیوں سے جیکب آباد کی طرف منتقل ہونے لگے پھر بھی بالاچ خان نے ان کا پیچھا نہیں چھوڑا۔

آخری عمر میں بھول کر بالاچ خان نے جوش انتقام میں بلیدیوں پر دن کے وقت حملہ کردیا تو پکڑا گیا۔ بلیدی جوان اس کو اپنے سردار کے پاس لے گئے سردار نے اس کے قتل کرنے کا حکم دیا تو بالاچ خان نے نہایت پھرتی سے اپنا خنجر جو اس کی کرتی میں چھپا ہوا تھا نکال کر سردار کو قتل کر ڈالا پھر بلیدیوں سے مخاطب ہو کر کہا کہ جس قدر میں نے تمہارے آدمی قتل کئے ہیں وہ سب کے سب میرے چاروں بھائیوں کے خون کا بدلہ ہیں اور تمہارا یہ سردار میرے خون کا بدلہ ہے اب تم مجھے بلاشک قتل کردو مجھے اپنے مارے جانے کا اب کوئی افسوس نہیں مگر یاد رکھو کہ

پھلویں شش گیست ماں کشتہ

نشکیے ماں جہانا اشتہ

یعنی میں نے تمہارے ایک سو بیس آدمی قتل کرکے انتقام سے متعلق بلوچی تاریخ میں ایک عجیب و غریب باب کا اضافہ کردیا ہے۔

یہ واقعہ سترھویں صدی عیسوی کے وسط کا معلوم ہوتا ہے۔

نسبی حمیت سے متعلق

سردار فتح خان رند کا واقعہ

سردار فتح خان رند میر بجار خان بن میر چاکر خان کی اولاد میں سے تھے اور یہ ریاست ساہیوال کے نواب تھے۔ اپنے بھائی سردار اللہ یار خان کی وفات کے بعد حکمران بنائے گئے تھے حکومت سنبھالنے کے بعد انہوں نے سکھوں کیخلاف ہتھیار اٹھائے۔ اور ان سے جنگ کرکے ننگ اور شیخ جلال کے قلعے واپس کرلئے۔ مت سنگھ

مردانہ وار قلعہ سے باہر نکل آیا اور مہاراجہ رنجیت سنگھ کی فوج پر حملہ بول دیا۔ اس نے اور اس کے جانباز ساتھیوں نے بہادری کے خوب جوہر دکھائے اور بہت سے سکھوں کو تہ و تیغ کیا۔

یہ بہادر بلوچ شیر کی طرح بپھرے ہوئے تھے دھاڑتے ہوئے جس طرف رخ کرتے صفوں کی صفیں الٹ دیتے تھے بہت دیر تک لڑنے کے بعد نواب فتح خان رند کو بڑی مشکل سے گرفتار کیا گیا۔

مہاراجہ اسے قیدی کی حیثیت سے لاہور لے گیا اور لے جا کر اسے قلعہ میں نظر بند کردیا اور اس کی ریاست بھی چھین لی گئی موراں کئی دفعہ اپنی لڑکی سمیت نواب فتح خان کے پاس قلعہ میں آئی اور اسے کہا کہ اگر وہ اب بھی اس کی لڑکی سے شادی کرنے پر آمادہ ہو جائے تو نظربندی سے رہائی کے ساتھ ساہیوال کی ریاست بھی واپس مل سکتی ہے مگر نواب فتح خان پر اس کی نرم و نازک باتوں کا کچھ اثر نہ ہوا۔ ایک سال بعد مہاراجہ نے نواب فتح خان کو جھنگ میں ایک بڑی جاگیر دیکر رہا کردیا مگر ۱۸۲۴ء میں پھر دربار میں طلب کیا گیا اور تین سال تک دربار میں حاضر باش رہا مگر اس غیور بلوچ کو درباری زندگی پسند نہ آئی اور وہاں سے بھاگ کر منکیرہ چلا گیا اور اسی طرح بے خانماں ہو کر احمد پور شرقیہ میں فوت ہوا۔

بہادر منہ سے جو کہتے ہیں پورا کر دکھاتے ہیں
سمندر چیرتے ہیں کوہ سے دریا بہاتے ہیں
ورق تمام ہوا اور مدح باقی ہے
سفینہ چاہیے اس بحر بے کراں کے واسطے

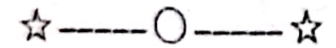
طاقتور بادشاہ کی بیٹی اور ساتھ ہی پشاور تک کا علاقہ اور لاکھوں کروڑوں کا جہیز بھی مل رہا ہے نواب فتح خان رند اس عظیم پیش کش کو کیسے ٹھکرا سکتا ہے حاکم دین نواب فتح خان کی خدمت میں آیا اور یہ صورتحال اس کے آگے پیش کی تو فتح خان بیحد مغموم ہو گیا اور کافی دیر تک خاموشی سے کچھ سوچتا رہا پھر اس نے حاکم دین سے کہا حاکم دین، تم میرے لئے منحوس خبر لائے ہو میرا خاندان صدیوں سے یہاں آباد ہے میرے آباؤ اجداد میں سے کسی نے ایسی لڑکی سے شادی نہیں کی میں ماں باپ دونوں کی طرف سے اصیل و نجیب ہوں یہی وجہ ہے کہ آج بھی میری شریانوں میں میر جلال خان اور میر چاکر خان کا خون کھول رہا ہے میں روپے پیسے یا دنیاوی اعزاز کے لالچ میں اپنے خاندان کو داغدار نہیں کر سکتا۔ اور نہ ہی باپ دادا کی مقدس امانت میں خیانت کر سکتا ہوں کیا دنیاوی طمع کی بنا پر ایسی لڑکی سے شادی کروں جو خنزیر خور سکھ کے نطفے اور بدکار کنجری کے پیٹ سے پیدا ہوئی ہے یہ بتایئے کہ ایسی لڑکی کے پیٹ سے جو اولاد پیدا ہو گی وہ کیسی ہوگی اور اس کی نسبی حیثیت کیا ہوگی۔

حاکم دین نے اس رشتہ لینے سے انکار پر نواب فتح خان رند کو بادشاہ رنجیت سنگھ کی ناراضگی کے نتائج سے بیحد ڈرایا مگر نواب فتح خان اپنی ہٹ دھرمی پر قائم رہا۔ اور حاکم دین مایوس ہو کر چلا گیا اس کے جانے کے بعد بلا تاخیر نواب فتح خان نے اپنے خاندان کی ایک ہمہ صفت موصوف لڑکی سے شادی کر لی۔

حاکم دین نے مہاراجہ رنجیت سنگھ کو نواب فتح خان کا رشتہ لینے سے انکار کرنے کا واقعہ کہہ سنایا تو رنجیت سنگھ کو سخت غصہ آیا چنانچہ وہ ۱۸۱۰ء میں اپنی فوج لیکر ساہیوال پر چڑھ آیا۔ دفعتاً" مہاراجہ کی فوج رات کو ساہیوال میں آدھمکی نواب کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ مہاراجہ بغیر کسی جواز کے اس پر حملہ کریگا۔ نواب فتح خان کے پاس شہر کے بچاؤ کا کوئی سامان نہ تھا لیکن مرتا کیا نہ کرتا اپنے چند رفیقوں کے ہمراہ شمشیر بدست

اس شہر کا مکمل طور پر سنگ بنیاد نواب سرامام بخش خان حضوری مزاری نے اندازاً" ۱۸۷۰ء کے لگ بھگ رکھا تھا۔ اس سے قبل سرداران روجھان گڑھ کے قریب بہترین سفید خیموں میں رہتے تھے جن کو بلوچی زبان میں گوریں کمل اور کمڑی کہتے ہیں۔ جو بلوچی تشخص کی شاہانہ علامت ہیں۔

کوہ کالاتھ (کوہ سلیمان) کی پہاڑیوں سے جب موجودہ روجھان کے علاقے میں اترے تو گڑھ (شرقی روجھان) کے قریب خیمہ زن ہوئے (جو اب دریا برد ہو چکا ہے) اور بعد میں موجودہ روجھان کی طرف منتقل ہو آئے۔ اور کچھ عرصہ کے بعد انہوں نے یہاں پر عالیشان محلات اور بہترین بنگلے تعمیر کرلئے۔ جن میں میری کی پر شکوہ اور عالیشان عمارت جسے میربلخ شیر خان مزاری کے دادا بزرگوار میر شیر محمد خاں نے بنگلہ بہرام خان جسے نواب سربہرام خان دوم نے لال بنگلہ جسے الحاج سردار بشیر احمد خان مزاری کے والد الحاج سردار غلام سرور خان نے اور بنگلہ ٹلو خان جسے سردار ٹلو خان نے تعمیر کرایا تھا قابل ذکر ہیں۔



غلام

بلوچی زبان میں غلام کو ٹمیہہ ' باندھی کو مولد اور مالک کو واجہ کہتے ہیں۔ مورخین نے اپنی کتابوں میں لکھا ہے کہ غلام اور باندھیاں رکھنے کی رسم بلوچوں میں عام تھی۔ افریقی ٹمیہہ (غلام) اور مولدیں (باندھیاں) مسقط اور مڈغاسکر کے راستے برآمد کئے جاتے تھے۔ اور بلوچ لوگ انہیں قیمتاً" خرید لیتے تھے۔ باندھیاں بغیر جورو غلاموں کو دی جاتی تھیں ان سے جو اولاد پیدا ہوتی تھی وہ بھی واجہ کی ملکیت ہوتی تھی۔

چند عجیب و غریب معلومات

رو جھان

جہاں آج کل روجھان شہر آباد ہے ۔ یہاں پر سب سے پہلے خیموں کی بستی قائم ہوئی تھی۔ جسے روجھان مزاری کہا جانے لگا کیونکہ قدیم علاقائی بلوچی زبان میں خیموں کی بستی کو روجھان کہتے ہیں۔ بعد میں اس کی پہلی ہیئت اگرچہ بدل گئی مگر اس کا وہی سابقہ نام روجھان مزاری برقرار رہ گیا۔ اس کے علاوہ ایک غیر معتبر روایت یہ بھی ہے کہ اس شہر کا نام رُوجہان رکھا گیا تھا یعنی مرکزِ نگاہ۔ جس پر دنیا کی نگاہیں مرکوز ہوں پھر کثرت استعمال کے باعث روجھان بن گیا۔

ایک شخص نے لکھا ہے کہ روجھ نامی ایک جنگلی جانور کا یہاں پر رہنے کی وجہ سے اس کی طرف نسبت کر کے اس شہر کا نام روجھان رکھا گیا تھا۔ یہ بات بالکل غلط اور غیر صحیح ہے اور ایک جاہلانہ قیاس ہے روجھ نامی کوئی جنگلی جانور اس جگہ پر نہیں ہوا اور نہ کسی اور جگہ سننے میں آیا ہے اور پھر روجھان کی نسبت روجھ کی طرف صحیح بھی نہیں۔ اور پھر یہ بات عقل و دانش کے بھی خلاف ہے کہ کوئی شخص اپنے پیارے مسکن کا نام کسی جنگلی جانور کے نام پر رکھ دے یا اس کی طرف نسبت کر دے۔ بہرحال روجھان کا مطلب وہی ہے جو میں نے اوپر بیان کر دیا ہے۔

ایک اور روجھان ضلع جیکب آباد میں بھی واقع ہے جس کی جگہ جمالی بلوچوں نے سب سے پہلے خیموں کی بستی قائم کی تھی جس کی وجہ سے وہ روجھان جمالی کے نام سے معروف ہے۔

زمانہ کے طرز تعمیر کا بہترین نمونہ ہیں اور عجائبات میں شمار ہوتے ہیں اور دیکھنے سے تعلق رکھتے ہیں ان کو دیکھنے کیلئے لوگ دور دور سے آتے ہیں دور سے دیکھنے میں بھی ایک عجیب سماں پیدا کرتے ہیں۔ دیکھ بھال نہ ہونے کے باعث بہت سے ہندیرے منہدم ہوتے جا رہے ہیں کیونکہ وہ اس وقت زبردست تھور کی زد میں ہیں کاش کہ ان شاہانہ ہندیروں کی دیکھ بھال ہوتی یا آثار قدیمہ والے ان کو اپنی تحویل میں لے لیتے تو قدیم مقبروں کی تاریخ میں ایک عجیب و غریب باب کا اضافہ ہوتا۔ اور کسی وقت یہ ہندیرے عجائبات عالم میں شمار ہوتے۔

☆ —— O —— ☆

نکودری

ان کی جنگیں سیستان (بلوچستان) میں مغل بادشاہ امیر تیمور سے ہوئی تھیں۔ نکودریوں کے سردار ماما کتو نے تیر مار کر ایک جنگ میں امیر تیمور کو شدید زخمی کر دیا تھا۔ جس سے وہ ہمیشہ ہمیشہ کیلئے لنگڑا ہو گیا اور تاریخ میں تیمور لنگ معروف ہوا۔

ان نکودریوں کی باقیات سے شبانی بلوچوں کا ایک پاڑہ (شاخ) گندری کے نام سے آج بھی موجود ہے تغیرات لفظی کے سبب لفظ نکودری گندری بن گیا۔

—— O —— ☆

مم حیوان

بلوچستان اور کوہ سلیمان کے پہاڑوں میں بعض نہایت عجیب و غریب جانور پائے جاتے تھے مگر اب وہ بالکل ناپید ہو چکے ہیں ان میں سے ایک مم حیوان کا نام آج بھی مشہور ہے۔ تاریخ بتاتی ہے کہ کوئٹہ کے پہاڑوں میں ایک مادہ مم رہتی تھی تین انگریز

بعض غلام جنگی قیدی بھی ہوا کرتے تھے جیسے موہٹے (مرہٹے) یہ پانی پت کی لڑائی میں گرفتار ہو کر غلام بنے تھے۔

بعض ڈاکہ زنی کے ذریعہ بھی لا کر غلام بنائے جاتے تھے وہ یوں کہ بہت سے بلوچ لٹیرے کسی دور دراز علاقے کی طرف نکل جاتے اور جا کر کسی آبادی پر حملہ آور ہوتے وہاں کے مال و متاع لوٹنے کے ساتھ ساتھ مردوں عورتوں اور بچوں کو بھی اپنے ساتھ لے جاتے اور انہیں لے جا کر اپنا غلام اور باندھیاں بنا لیتے اس قسم کے ڈاکہ کو ڈاماں یا چپاؤ کہا کرتے تھے۔ یہ کام نہایت جان جوکھوں کا ہوا کرتا تھا بسا اوقات ڈاماں مارنے والے ڈاکو بستی والوں کے ہاتھوں مارے بھی جاتے تھے یا صحراؤں اور پہاڑوں میں بھٹک کر بھوکوں پیاسوں مرجاتے تھے۔

آجکل جو غلام سندھ 'بلوچستان 'پنجاب اور پنجاب ۔ بلوچستان کی سرحدوں میں پائے جاتے ہیں وہ سب اس قسم کے غلاموں کی نسل ہیں جن کا اوپر ذکر ہوچکا ہے۔ اب یہ لوگ خود کو ملک قوم کہلاتے ہیں جو عربی کے لفظ ملک یمین (غلام) کے معنی کو ظاہر کرتا ہے۔ بلوچوں کے سندھ اور پنجاب میں آنے کے بعد یہ لوگ آزاد ہوتے گئے۔ روجھان شہر کے ملک سرداران روجھان کے غلام اور اس کے علاقہ کے ملک دیگر مزاریوں کے غلام اور کالے والی علاقہ بھونگ کے ملک کھیڑدوں کے غلام تھے۔

☆ ------ ○ ------ ☆

ہنڈیرہ

بلوچی میں ہنڈیرہ مقبرہ کو کہتے ہیں سرداران روجھان کے شاہانہ ہنڈیرے روجھان سے مشرق کی طرف واقع ہیں۔ یہ حد درجہ عالیشان اور نہایت خوبصورت ہیں اور قدیم

اس کے علاوہ تاریخی اور دیگر ذرائع سے بھی بیسویں صدی عیسوی کی پہلی چوتھائی تک بلوچستان کے پہاڑوں اور صحراؤں میں مم حیوان کی موجودگی کی واضح شہادت ملتی ہے۔

مم حیوان کی گردن اور اوپر کا حصہ بعینہ ایک خوبصورت انسان کے مشابہ تھا۔ صراحی دار گردن، حسین چہرہ، بڑی بڑی آنکھیں، ستواں ناک، باریک خمدار بھنویں، پتلے ہونٹ، کشادہ پیشانی، لمبے اور لچھے دار بال کندھوں پر پڑے ہوئے مادہ مم کے سینے کا ابھار بعینہ عورت کی طرح تھا۔ تمام بدن چیتے کی طرح لیکن چیتے سے قدرے چھوٹا ہوتا تھا۔ اس کے بدن پر چھوٹے چھوٹے سنہرے ملائم بال ہوا کرتے تھے۔

نر مم کا شیوہ تھا کہ کسی عورت کو زبردستی اٹھا کر کسی غار میں لے جاتا اور پھر اسے اپنی بیوی بناتا۔ اور اس کے پیروں کے تلوے چاٹتا۔ اس کے لعاب میں یہ تاثیر تھی کہ وہ عورت چلنے پھرنے کے قابل نہ رہتی۔ اس سے مم کا یہ مقصد تھا کہ وہ کہیں بھاگنے نہ پائے۔ اور اس عورت کو قسم و قسم کے میوے لا کر کھلاتا۔ اس سے متعلق پھاتو نامی ایک عورت کا واقعہ آج بھی کوہ سلیمان کے دامانی علاقوں میں مشہور ہے جسے مم اٹھا کر لے گیا تھا۔ اور کافی عرصہ کے بعد اسے تلاش کرکے واپس لے آئے تھے۔

مادہ مم کسی مرد کو زبردستی اٹھا کر کسی غار میں لے جا کر اپنا خاوند بنا لیتی اور اس کے پیروں کے تلوے چاٹ کر اسے چلنے پھرنے سے معذور کر دیتی اخباری معلومات کے مطابق اس طور طریقے کا ایک جانور دنیا کے کسی دوسرے خطے میں بھی پایا جاتا ہے مگر اس کی شکل و صورت ریچھ سے ملتی جلتی ہے۔

مموں کے بے شمار واقعات لوگ آج بھی بیان کرتے ہیں اور آج تک کوہ سلیمان اور اس کے دامانی علاقوں میں مم کا نام بطور ضرب المثل مستعمل ہے کہ یہ عورت ہے

شکار کی غرض سے پہاڑوں کی طرف نکل گئے۔ پھرتے پھراتے انہوں نے ایک غار میں ایک آدمی کو پڑا پایا۔ جو پیروں سے معذور تھا۔ اس نے بتایا کہ مجھے مادہ مم اٹھا کر یہاں لے آئی ہے اب وہ آنے والی ہوگی آپ فی الحال ایک طرف ہو جائیں۔ تینوں انگریز غار سے باہر نکل کر گھات میں بیٹھ گئے مادہ مم غار میں داخل ہو کر جب باہر نکلی تو ایک انگریز نے سامنے نکل کر اسے بندوق مار دی۔ مم نے شدید زخمی ہونے کے باوجود اپنی پوری قوت سے حملہ کرکے انگریز کو دبوچ کر چیر پھاڑ ڈالا۔ اور پھر وہ خود بھی گر کر مر گئی۔

اس کے بعد انگریز غار والے آدمی اپنے انگریز ساتھی کی لاش اور مردہ مم کو اٹھا کر کوئٹہ لے گئے۔ انگریزوں نے مردہ مم کو فرانس بھیجا اور پتھر پر اس مم کی بڑی مورتی بنوا کر اس انگریز کی قبر پر بطور یادگار نصب کروایا۔ آج تک گورا قبرستان کوئٹہ میں اس انگریز کی قبر پر مم کی مورتی موجود ہے اور دور سے دیکھنے والا شخص یہی گمان کرے گا کہ سچ مچ مادہ مم بیٹھی ہے۔

آج سے ایک سو سال قبل حضرت خواجہ غلام فرید رحمتہ اللہ علیہ کے زمانہ میں بلوچستان کے کوہ سلیمان اور اس کے دامانی علاقوں کے جنگلوں میں مم کی موجودگی کا پتہ چلتا ہے خواجہ صاحب کوہ سلیمان کے دامانی علاقہ کوٹ مٹھن کے باشندے ہیں چنانچہ انھوں نے اپنی معروف کتاب "دیوان فرید" میں اس کا بہت سی جگہ ذکر کیا ہے وہ ایک جگہ فرماتے ہیں کہ۔

سنج ہے ڈر ہے وڑ بڑ ہے

رچھ راکس مم دی گڑ بڑ ہے

ایک اور جگہ فرماتے ہیں کہ۔

جھتاں مماں غول بلائیں

رچھ راکس بھجدے ڈر کر

صورت حد درجہ خوفناک تھی جب وہ اپنی پچھلی ٹانگوں پر کھڑا ہوتا تو نہایت ہولناک منظر پیش کرتا تھا۔ اس کو دیکھتے ہی انسان کے اوسان خطا ہو جاتے اور وہ اپنا ہوش و حواس کھو بیٹھتا اور بسا اوقات اس کا دل فیل ہو جاتا تھا اگر کسی انسان کا اس سے سامنا ہو جاتا تو صرف ایک تھپڑ رسید کرکے اسے راہئی ملک عدم کر دیتا۔ باوجود اس کے وہ آدم خور نہیں تھا وہ انسانوں سے زیادہ بھیڑ بکریوں کا دشمن تھا۔

راتوں کو بھیڑ بکریوں کے باڑے میں گھس جاتا اور تمام ریوڑ کو ہانک کر جنگل میں لے جا کر سب کو مار ڈالتا صرف ایک بکری یا بھیڑ کو لے جا کر کھاتا تھا۔ پاکستان بننے کے بعد بھی کوہ سلیمان اور اسکے دامانی علاقوں (ہڑی کے جنگلوں) میں اس کی موجودگی کا پتہ چلتا ہے۔ اور اس سے متعلق بہت سے قصے کہانیاں مشہور ہیں اور اس کا نام آج بھی بطور ضرب المثل لیا جاتا ہے اب یہ جانور بھی مذکورہ بالا جانوروں کی طرح ناپید ہو چکا ہے۔



ڈیہو

بلوچی زبان میں چیتے کو ڈیہو کہتے ہیں یہ بلوچستان کے کوہستانی علاقوں خاص کر کوہ سلیمان اور اس کے دامانی علاقوں میں پایا جاتا تھا اب یہاں سے ناپید ہو چکا ہے۔

☆ ——— O ——— ☆

گوربٹ (بجّو)

بلوچستان کے پہاڑوں کوہ سلیمان اور اس کے دامانی علاقوں (ہڑی وغیرہ) کا نہایت پھرتیلا بیحد سفاک اور حد درجہ خونخوار درندہ تھا اس کا من بھاتا کھا جا انسان کا گوشت

یا مم ہے اس نے اپنے مرد کو چاٹ --- چاٹ کر تباہ کر دیا تجھے مم لے جائے وغیرہ وغیرہ۔

مم کی تصویر میرے پاس موجود ہے جو کسی وقت دیکھی جا سکتی ہے ویسے تو کوئٹہ ٹیلی ویژن سے بھی مم کی تصویر دکھائی جاتی ہے۔

☆ ——— ○ ——— ☆

ترکھ

یہ مشہور جانور بھی بلوچستان کے دوسرے پہاڑوں اور کوہ سلیمان اور اس کے دامانی علاقوں (پٹ وغیرہ) میں پایا جاتا تھا۔ میرے والد صاحب مرحوم نے بتایا کہ ترکھ کو میں نے خود دیکھا ہے اور بھی بہت سے لوگوں نے اس کی موجودگی کی گواہی دی ہے۔ اس کا قدوقامت بڑے گدھے کے برابر تھا۔ اس کی شکل و صورت بھی گدھے سے ملتی جلتی تھی اور لمبائی میں قدرے گدھے سے بڑا ہوتا تھا۔ یہ بے ضرر جانور نہ کسی انسان اور حیوان کو تکلیف پہنچاتا اور نہ ان کا راستہ روکتا تھا۔ اس کی کہاوتیں آج بھی مشہور ہیں۔ اور اس کا نام ضرب المثل کے طور پر بھی مستعمل ہے۔

☆ ——— ○ ——— ☆

اپتار

یہ بلوچستان کے پہاڑی علاقوں کوہ سلیمان اور اس کے دامانی علاقوں (پٹ وغیرہ) کا نہایت خطرناک درندہ تھا۔ اس کا قد بڑے بکرے کے برابر مگر لمبائی اس سے بہت زیادہ ہوتی تھی۔ اس کے کان نہایت لمبے چھجے دار ' دانت قدرے باہر نکلے ہوئے اور دم کتے کی طرح مڑی ہوئی۔ اور یہ سیاہی مائل کتا بھورا اور نیلا ہوتا تھا۔ اس کی شکل و

دھڑنگ صحرائی انسان بڑے طاقتور ہوتے تھے مگر افریقہ کے وحشی انسانوں کی طرح آدم خور نہ تھے۔ اور نہ یہ کسی انسان کو مار ڈالتے تھے۔ یہ مم حیوان کی طرح صرف موقع پاکر کسی آبادی کے انسان کو اٹھا کر لے جاتے تھے۔

نر مم انسان کسی عورت کو لے جا کر اپنی بیوی بناتا اور اسی طرح مادہ مم انسان کسی مرد کو لے جا کر اپنا خاوند بنا لیتی تھی مگر مم حیوان کی طرح ان کے پاؤں چاٹ کر انہیں معذور نہیں کیا کرتے تھے۔

ان سے متعلق ایک مختصر تاریخی سچا واقعہ بھی سن لیجئے کوئٹہ سے آگے نوشکی ایکسٹینشن ریلوے لائن کوئی تین سو میل لمبے سنسان پہاڑوں اور صحرائے بے آب و گیاہ سے گذرتی ہوئی بلوچستان پار کر کے ملک ایران میں پہنچتی ہے میر جاوہ ریلوے کا ایک ملازم اپنے سیکشن میں پھر رہا تھا کہ ایک مادہ مم انسان آئی اور اسے اٹھا کر لے گئی اور اس نے اپنی آبادی میں لے جا کر اسے اپنا خاوند بنا لیا چھ ماہ تک وہ اس کے قبضہ میں رہا۔ اس عرصہ میں اس کے کپڑے پھٹ کر ختم ہو گئے اور بدن کے بال بیحد بڑھ چکے تھے۔ اس کی شکل و صورت صحرائی مم انسانوں کی سی بن چکی تھی آخرکار ایک دن وہ موقعہ پا کر وہاں سے بھاگ نکلا سارا دن صحرا میں ناک کی سیدھ پر بھاگتا صحرائی اونٹوں سے بچتا بچاتا گرتا پڑتا شام کو منہ اندھیرے اپنے کوارٹروں کے قریب پہنچا اس نے اپنے آدمیوں کو آواز دیکر بلایا ایک آدمی نے باہر نکل کر جو دیکھا تو اسے ننگ دھڑنگ دیکھ کر مم انسان خیال کر لیا اور اس کے شور مچانے پر تمام لوگ ڈنڈے سوٹے وغیرہ لہراتے ہوئے آ گئے۔ ملازم بیچارے نے جب یہ حالت دیکھی تو اس کو اپنا انجام صاف دکھائی دینے لگا پھر اس نے چیخ چیخ کر لوگوں کو یقین دلایا کہ میں مم نہیں بلکہ فلاں آدمی ہوں تب انہوں نے اسے پہچان لیا۔ اور اس نے اپنے لوگوں کو اپنے بیتے دنوں کی تمام کہانی کہہ سنائی۔ برطانوی ریلوے ملازم کے واقعہ سے بلوچستان میں

یہ گورپٹ کے متعلق قبر کھودنے والے کے ہیں یہ نئے دفن شدہ مردے کی قبر کھود کر اور میت نکال کر کھایا کرتا تھا۔ اس لئے ان وقتوں کے لوگ مردہ دفن کرنے کے بعد کئی راتوں تک اس کی قبر پر آگ روشن کئے رکھتے تھے تاکہ گورپٹ مردہ کو قبر سے نکال کر نہ لے جائے۔ کیونکہ یہ آگ سے ڈرتا تھا۔

اس کے علاوہ انسان کو دیکھتے ہی بپھر جاتا اور نہایت پھرتی سے حملہ کرکے اپنے تیز نوکیلے دانتوں سے اس کا پیٹ چاک کر دیتا تھا۔ اگر کسی شخص کے پاس تلوار یا کلہاڑی وغیرہ ہوتی تو سب سے پہلے اس پر اپنی دہشت طاری کرنے کیلئے خوفناک طریقہ سے چیختا اور چلاتا تھا۔ اور اپنے پنجوں سے اس کی طرف گرد اڑا دیتا اور پھر اس گرد سے فائدہ اٹھا کر نہایت پھرتی سے حملہ کرکے اس کا پیٹ پھاڑ دیتا۔ اور پھر آرام سے بیٹھ کر اس آدمی کا گوشت کھاتا۔ اگر کسی کے پاس بندوق ہوتی تو اس کے قریب کبھی نہ بھٹکتا۔ بسا اوقات دو دو چار چار گوربٹ بھی اکٹھے ہو کر بیک وقت حملہ آور ہوتے تھے۔

یہ درندہ چھوٹے کتے کے برابر ہوتا تھا اور اس کی شکل و صورت چیتے سے ملتی جلتی تھی اور دیکھنے میں چیتے کا بچہ معلوم ہوتا تھا یہ کوہ سلیمان کے دامانی علاقوں سے ناپید ہو چکا ہے مگر سننے میں آیا ہے کہ اس کے دور دراز اندرونی پہاڑیوں میں اب بھی پایا جاتا ہے۔

☆------O------☆

مم انسان

تاریخ بتاتی ہے کہ مم حیوان کی طرح مم انسان بھی بلوچستان کے پہاڑوں اور بے آب و گیاہ صحراؤں میں رہتے تھے دراصل یہ بلوچستان کے وحشی انسان تھے یہ ننگ

مم انسانوں کی موجودگی کا آپ خود اندازہ لگا کر سن کا تعین کر سکتے ہیں۔

وشکی ' چاغی ' مکران ' دالبندین اور وزداب وغیرہ کے اکثر شکاری طبع لوگ صحرائی مم انسانوں کو پکڑنے کا کام بھی کرتے تھے اور ان کو مختلف طریقوں سے پکڑ کر ان کی تربیت کرتے۔ جب وہ وحشیانہ عادتیں چھوڑ کر مہذب بن جاتے۔ تو شہر سے باہر ان کی ایک منڈی لگ جاتی۔ اکثر ضرورت مند اور خواہشمند تاجر اور امیر لوگ اپنی خواہش کے مطابق مموں کا لین دین کرتے۔ ان میں سے بعض لوگ اپنے غلام بنانے کیلئے اور بعض سوداگری کرنے کیلئے خریدتے تھے۔

جب انگریزی حکومت نے عام بردہ فروشی ممنوع قرار دی تو یہ کاروبار بہت کم ہو گیا تھا اگر ہوتا بھی تو شہروں اور قصبوں سے بہت دور جنگلوں میں۔

ان مموں کی نسل جو ہماری انسانی آبادیوں میں آ کر بڑھی ہے وہ ممدانی قوم کہلاتی ہے۔ ان صحرائی مم انسانوں کے رہن سہن ' خورد و نوش ' ریلوے ملازم کے لے جانے اور اس کے وہاں رہنے اور واپس آنے اور مموں کے پکڑنے سدھانے اور خرید و فروخت کرنے کا قصہ کافی لمبا چوڑا ہے کتاب کی طوالت کے پیش نظر اس پر اکتفا کرتا ہوں۔

☆-----○-----☆

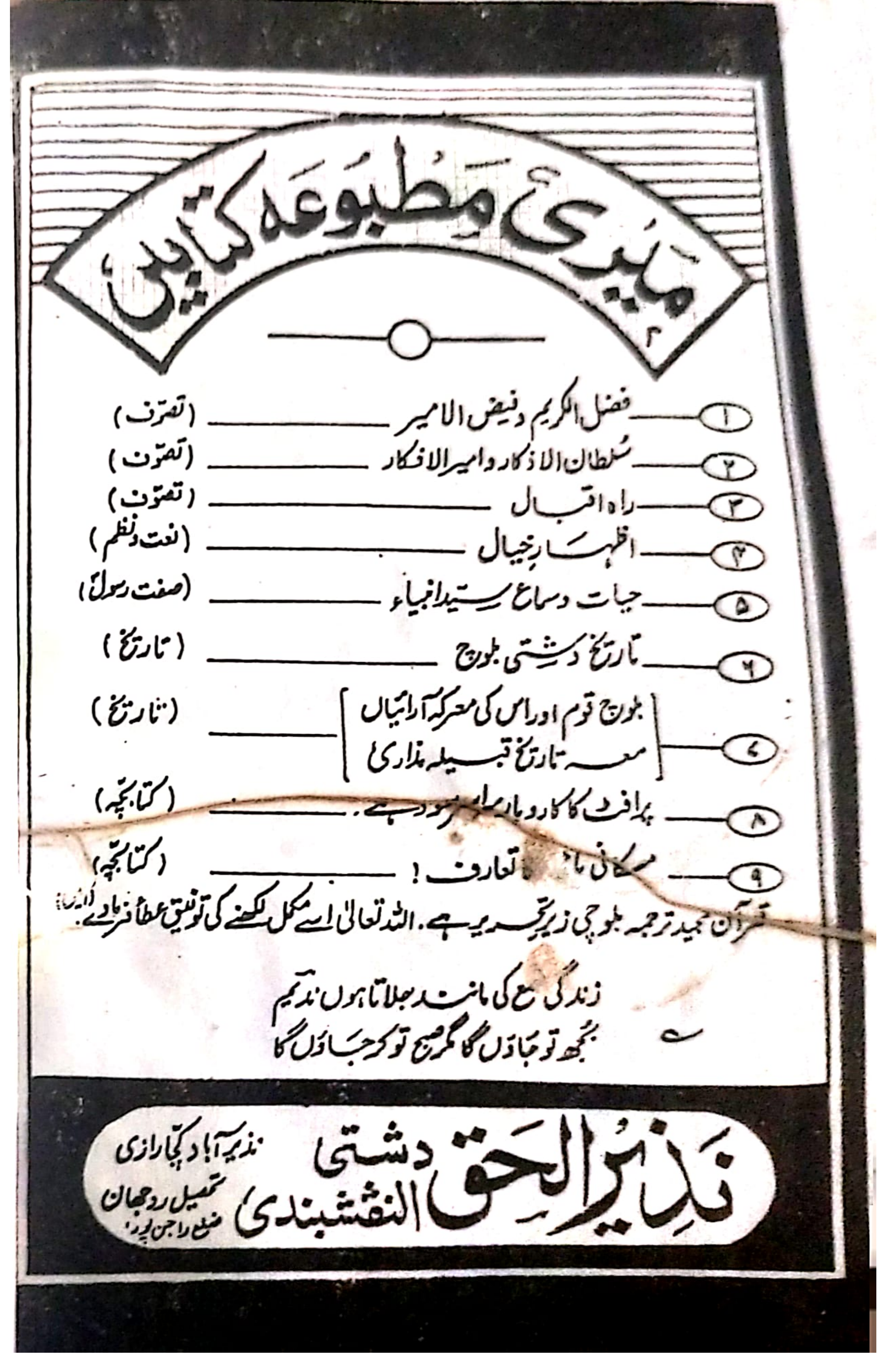
صحرائی اونٹ

بلوچستان کے صحراؤں میں صحرائی اونٹ بھی ہوا کرتے تھے کوئی انسان ان کے قریب بھی نہیں جا سکتا تھا کیونکہ وہ انسان کیلئے نہایت خطرناک ہوتے تھے۔

تمت بالخیر

نذیر الحق دشتی النقشبندی


CamScanner



میری مطبوعہ کتابیں

1. فضل الکریم وفیض الامیر ——— (تصوف)
2. سلطان الاذکار وامیر الافکار ——— (تصوف)
3. راہ اقبال ——— (تصوف)
4. اظہار خیال ——— (نعت ونظم)
5. حیات وسماع سید انبیاء ——— (صفت رسولؐ)
6. تاریخ دشتی بلوچ ——— (تاریخ)
7. بلوچ قوم اور اس کی معرکہ آرائیاں معہ تاریخ قبیلہ مزاری ——— (تاریخ)
8. پرافٹ کا کاروبار [illegible] سود ہے۔ ——— (کتابچہ)
9. مکانی [illegible] تعارف! ——— (کتابچہ)

قرآن حمید ترجمہ بلوچی زیر تحریر ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے مکمل لکھنے کی توفیق عطا فرمادے (آمین)

زندگی شمع کی مانند جلاتا ہوں ندیم
بجھ تو جاؤں گا مگر صبح تو کر جاؤں گا

نذیر الحق دشتی النقشبندی
نذیر آباد کچا رازی
تحصیل روجھان
ضلع راجن پور